جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ھیں

پاکستان اور بھارت سے ایک ساتھ شائع ھونے والا مجموعہ

مصوّر: اقبال مہدی
ناشر: کاشف الیاس
بار دوم: ۱۹۸۸ء
قیمت: ۴۰ روپے
مطبوعہ: نیوسف پرنٹرز، فاضل فلیٹس
ناظم آباد نمبر ۲ کراچی نمبر ۱۸

واحد تقسیم کار:

کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۲۳ کراچی

۶

اسلام کے پانچ ارکان کا تو ھر مسلمان کو علم ھے لیکن ایک چھٹا رکن بھی ھے اور یہ چھٹا رکن بہت اھم ھے۔ علاء الدین خلجی کے عہد کی داستان جس میں انسانی جبلت کے کئی پہلوؤں کو دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ھے ایک ایسی داستان جو مدّتوں یاد رہے گی ـــــ

۵۳

نادر شاہ کے دور میں دو دوستوں نے آپس میں دوستی اور یگانگت کا ایک بے مثل معاھدہ کیا۔ لیکن بعد میں دونوں ھی حالات اور واقعات کے ھاتھوں میں کھلونا بن گئے۔ انسانی نصیب کے عروج و زوال کی اس عبرت ناک کہانی میں مصنف کا سحر طراز قلم ناقابلِ فراموش کام کر گزرا ھے۔ ایک غیر معمولی۔۔۔ خوبصورت کہانی ـــــ

۱۰۹

امیر تیمور لرزندۂ جہاں تھا اور ترکی کا بایزید برقِ خاطف جب ان دونوں میں تصادم ھوا تو ایشیاء کے لرزندۂ جہاں نے مغرب کی برقِ خاطف کے ساتھ وہ سلوک کیا جو بڑا لغیانی اور اذیت ناک تھا۔ قلب و روح کو چھلنی کر دینے والی دو نامور بہادروں کی دلچسپ داستان ـــــ

آگ کا بدن

مالوے کی رُوپ متی اور باز بہادر کی داستانِ حُسن وعشق
رُوپ متی رقص کرتی تو باز بہادر کے جذبات اور احساسات
میں ایک آگ سی لگ جاتی۔ باز بہادر حکمران تھا اس نے اپنی
محبوبہ رُوپ متی کے لئے سب کچھ کیا، مگر اپنی قسمت سے
ہار گیا۔ سوز وساز، ھجر ووصال کی کیف آگیں حکایت ——

الیاس سیتاپوری کی منتخب تاریخی کہانیاں

اسلام کے پانچ ارکان کا تو ہر مسلمان کو علم ہے لیکن ایک چھٹا رکن سمجھے ہے اور یہ چھٹا رکن بہت ہی اہم ہے۔
علاء الدین خلجی کے عہد کی داستان، جس میں انسانی جبلت اور خصلت کے کئی پہلوؤں کو دل نشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے، ایک ایسی داستان جو مدتوں یاد رہے گی۔

یہ بات کم ہی دیکھنے میں آئی ہے کہ کسی شخص کو دین اور دنیا ایک ساتھ میسّر آگئے ہوں۔ مفتی کاشانی کو یہ دونوں ہی چیزیں حاصل تھیں۔ صوم و صلوٰۃ کے اتنے پابند کہ کوئی نماز قضا نہ ہوتی۔ رات کا بیشتر حصّہ تہجد میں گزرتا۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور پھر دین سے فارغ ہو کر تجارت میں لگ جاتے۔ کپڑے کا کاروبار غلاموں کے سپرد تھا۔ خود گھوڑوں کی سوداگری کرتے۔ ان کے نمائندے ایشیائے کوچک، ایران اور عرب جیسے دُور دراز علاقوں سے اعلیٰ النسل کے جانور مہیا کرنے پر مامور تھے، یہ انہیں بادشاہ کے ملاحظے سے گزار کر ان کی منہ مانگی قیمتیں وصول کرتے۔ بادشاہ ان کے تقوے اور علوم دینی کے اعلیٰ درک کا قائل تھا اور انہیں نہایت دیانت دار سمجھتا تھا۔ وہ ظہر کے وقت کاروبار بند کر دیتے، ظہر کی نماز اور کھانے سے فراغت حاصل کر کے قیلولے میں چلے جاتے اور پھر عصر کے وقت بیدار ہوتے، سادہ

لوح مسلمان انہیں فقہی اور شرعی امور کا عالمِ بے بدل سمجھتے تھے اور ان سے دینی اور دنیوی معاملات میں فتوے حاصل کرتے یہی وجہ تھی کہ لوگ انہیں مفتی کہنے لگے تھے۔

مفتی صاحب اولادِ نرینہ سے محروم تھے، دو لڑکیاں تھیں اور دونوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اس وقت ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ گھر سے لڑکیاں کیا گئیں کہ نت نئی افتاد پیدا ہونے لگیں، سلطان جلال الدین خلجی ان کا مربی تھا۔ وہ اپنے کپڑوں کے گودام میں ذخیرے کا جائزہ لے رہے تھے کہ انہیں یہ منحوس خبر سننے کو ملی کہ سلطان کو اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے الٰہ آباد کے قریب دھوکے سے قتل کر دیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے دہلی کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ مفتی صاحب نے برپا ہونے والے متوقع انتشار اور خلفشار کا اندازہ لگا کے کاروبار بند کر دیا اور گھر میں محصور ہو کر بیٹھ رہے۔ علاء الدین خلجی اگست ۱۲۹۵ء سے اکتوبر ۱۲۹۶ء کے درمیان چودہ ماہ تک دہلی سے باہر رہا۔ مقتول بادشاہ کی ملکہ، وفادار امراء اور شہزادگان نئے سلطان کی باقاعدہ تخت نشینی میں مزاحم ہوتے رہے لیکن قاتل اور چالاک علاء الدین ان مزاحمتوں اور دشواریوں پر غالب آیا اور ان سبھوں کو شکست دے کر دہلی میں داخل ہو گیا اور تاج و تخت پر قبضہ جما کے باقاعدہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

مفتی کاشانی کے لئے یہ دور تشویشناک ہی نہیں اندوہناک بھی تھا۔ نئے بادشاہ کی تند خوئی اور سخت مزاجی کا چرچا خواص سے نکل کر عوام تک پہنچ چکا تھا۔ پہلے تو مفتی صاحب نے یہ سوچا تھا کہ وہ نئے بادشاہ کی خدمت میں قیمتی نذرانے گزار کر اس کا قرب اور عنایات حاصل کر کے اپنی سابقہ حیثیت بحال کر لیں گے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس بادشاہ کو اسلام اور شرع سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے اور یہ بالکل ان پڑھ انسان ہے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کسمپرسی میں پانچ چھ سال گزر گئے۔ انہوں نے اخراجات بہت کم کر دیئے اور کمانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔

نئے بادشاہ کو فوج کی تعداد بڑھانے کا خبط تھا، وہ اتنی زیادہ فوج رکھنا چاہتا تھا جو حملہ آور وحشی تاتاریوں اور مغلوں کو کچل کر رکھ دے وہ سپاہیوں کو کم تنخواہیں دے کر ان کی تعداد میں اضافہ کر سکتا تھا لیکن مشیروں نے اسے سمجھایا کہ یہ کم تنخواہ اسی وقت

سپاہیوں کو راضی رکھ سکے گی جب کہ ضروریاتِ زندگی کا نرخ بھی ارزاں کر دیا جائے۔ یہ بات بادشاہ کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے بازار کی ہر چیز کا نرخ خود مقرر کرنا شروع کر دیا۔ گیہوں، چاول، گھی، شکر، کپڑے، گھوڑے اور زندگی کی معمولی معمولی ضروریات سب بادشاہ کی نظر میں تھیں اور وہ ان کے ارزاں نرخ خود مقرر کر رہا تھا۔ کسی دکاندار کی اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنے من مانے نرخوں پر کوئی چیز فروخت کر سکتا۔ مفتی صاحب کے شب و روز بھی بے کیفی میں گزرنے لگے۔ کاروبار مندا ہوا تو تقوے کا مزہ بھی جاتا رہا۔ صوم و صلوٰۃ کی یکسوئی اور اخلاص کو کاروبار کی فکر دیمک کی طرح چاٹنے لگی۔ تقوائے نفسی تردد اور انتشار کی نذر ہو گئی۔ بادشاہ نے جملہ تاجروں سے ان کے مال اور ذخائر کی فہرست طلب کر لی اور انہیں اس امر کا پابند بنا دیا کہ تاجر اپنا مال انہی گاہکوں کے ہاتھ سرکاری نرخوں پر فروخت کریں گے جنہیں حکومت کی طرف سے خریداری کا پروانہ حاصل ہوگا۔ مفتی صاحب باریک کپڑوں کی اعلیٰ اقسام کے تاجر تھے، یہ تبریزی زرنگار، کمخواب، حریری اور دلوگیری کے بہت بڑے تاجر تھے، پہلے تمام غلاموں کے سپرد تھا لیکن ان نازک حالات میں کاروبار خود سنبھال لیا۔ کسی کسی لمحے انہیں ایسا لگتا جیسے یہ نئی الجھنیں انہیں دق جیسے موذی مرض میں مبتلا کر دیں گی لیکن خود تو صحیح سلامت رہے، البتہ بیوی چل بسی، باہر تو اداسی تھی ہی، اب گھر بھی اداس ہو گیا۔ ایسے میں نجیب نامی نوجوان غلام نے ان کا بہت ساتھ دیا، اس کا داہنا کان نصف کٹا ہوا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ وہ غلام ہے۔ نجیب کو بھی مالکن کے مرنے کا بڑا غم تھا۔ مفتی صاحب ذرا کنجوس تھے، اپنے سامنے کسی کو کھاتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے لیکن مرحوم مالکن نرم دل تھیں اور وہ نجیب کے کھانے پینے کا بڑا خیال رکھتی تھیں اب نجیب کو یہ تشویش تھی کہ مفتی صاحب اسے ضرور بھوکا رکھیں گے اور پھر عملاً یہ خدشہ صحیح نکلا۔

بدایوں دروازے کے سامنے سبز محل کی طرف جو میدان برسوں سے ویران پڑا تھا اب یہاں سرائے عدل کے نام سے ایک بازار آباد ہو چکا تھا یہیں مفتی صاحب کی کپڑے کی دکان تھی۔ سورج کئی ہاتھ اوپر اٹھ چکا تھا۔ گاہکوں کی ریل پیل تھی، بازار کے نگراں کوتوال گھوڑوں پر سوار گشت لگا رہے تھے۔ نفع اندوز تاجر، جبر، دیانت، اور بالوسی کی امتزاجی صورت لئے دکانداری میں مصروف تھے، مفتی صاحب بھی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے جبر و یاس کی تصویر بنے بیٹھے تھے، یکایک سامنے نیم کے گھنے درخت سے

نیچے لوگ جمع ہونے لگے، یہ لوگ ایک شخص کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ مفتی صاحب نے پہلی ہی نظر میں اس عجیب و غریب شخص کو پہچان لیا۔ یہ شاہی مناد تھا جو کوئی خاص منادی کرنے والا تھا۔ مفتی صاحب کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

مناد ڈھول پر زوردار ضربیں لگا کر اعلان کر رہا تھا۔

"ظل اللہ، عالم پناہ، شہنشاہ علاء الدین والدنیا کا نیا فرمان، جہاں پناہ نے اپنی رعایا کی سب سے بڑی ضرورت، عورت کے بھی نرخ مقرر فرما دیئے ہیں ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جہاں پناہ نے کنیز قسم اوّل کی قیمت سو تنکے (چاندی کے روپے) سے دو سو تنکے تک مقرر کئے ہیں، کنیز قسم دوم کی قیمت بیس سے چالیس تنکوں تک قسم سوم کی قیمت پانچ سے دس تنکوں تک، ان نرخوں کی خلاف ورزی کرنے والا لکڑی اور لات کی سزا کا مستوجب قرار پائے گا۔"

شاہی مناد نے ڈھول کی زوردار آوازوں میں تین بار کنیزوں کے شاہی نرخوں کا اعلان کیا تو مفتی صاحب کی حالت ہی کچھ اور ہو گئی، وہ اس اعلان سے بہت خوش ہوئے۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ دل مُردہ ہو چلا تھا پہلے طبیعت کا بخل قیمتی کنیزوں کی خریداری پر کسی طور آمادہ نہ ہوتا تھا لیکن اب وہ مچلنے لگا۔ ان کا خیال تھا کہ سلطان نے شاید پہلی بار ایک معقول، منصفانہ اور وقت کی اہم ترین ضرورت کا سچا احساس کیا تھا۔ اب وہ شادی کرنے پر آمادہ نہ تھے، بیوی کی جگہ کنیز بہترین نعم البدل تھی، اپنی اس ضرورت پر وہ دو سو تنکے بآسانی خرچ کرنے پر تیار تھے۔

انہوں نے وقت سے پہلے ہی دکان چھوڑ دی اور کن کٹے بجیب کو ساتھ لے کر بردہ فروشوں کے بازار کی طرف چل دیئے، وہاں بھی بڑی سرد بازاری تھی، گاہک اور سوداگر دونوں ہی بجھے بجھے تھے، خریداروں کے پاس پیسے نہ تھے اور سوداگر اپنا قیمتی ارزاں سرکاری نرخوں پر بیچنے میں بڑا دکھ محسوس کر رہے تھے۔ یہاں غلاموں اور کنیزوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے علاوہ ایشیائے کوچک، ایران اور چین تک کی عورتیں اور دوشیزائیں یہاں موجود تھیں، خریدار ان کے جسم کے ہر ہر عضو کو خوب اچھی طرح مشاہدہ کر کے بھاؤ تاؤ کر رہے تھے اور چالاک بردہ فروش گاہکوں کی ذرا ذرا سی بات سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کسی دوشیزہ یا عورت کو پسند کر لینے میں گاہک میں کتنی بے نیازی یا والہانہ پسندیدگی کا جذبہ کارفرما ہے ان کی

اب بھی یہی کوشش تھی کہ وہ اپنے گاہکوں سے چوری چھپے سرکاری نرخوں سے زیادہ قیمتیں وصول کریں۔

کئی گداز جسموں، شہابی رنگت اور سڈول پنڈلیوں والی دوشیزاؤں نے مفتی صاحب کو اپنی طرف کھینچا لیکن ان کی نظریں خوب سے خوب تر کی جستجو میں آگے ہی بڑھتی رہیں، سوداگر خریداروں کے جذبات میں ہلچل ڈالنے کے لئے لڑکیوں کو رانوں تک برہنہ کر دیتے اور کہتے "ادھر دیکھو ادھر، یہ چنا ہوا دانا کہیں اور ہرگز نہ ملے گا، سوچو مت، تڑ بڑ سودا کر لو اور گھر لے جا کر جوانی کے مزے لوٹو، چوک گئے تو بعد میں پچھتاؤ گے!"

ایک سوداگر نے مفتی صاحب کو دیکھتے ہی گلنار چہرے والی دوشیزہ کا ذرا سا گریبان چاک کر دیا اور اس میں نیم پوشیدہ آتشکدے کی آنچ نے مفتی صاحب کو پگھلا کر رکھ دیا، خشک ہونٹوں پر زبان اور آنکھوں کی سفید سطح پر پتلیاں رقص کرنے لگیں، مفتی صاحب نے اس کے گداز سراپا کا حریصانہ جائزہ لیتے ہوئے دریافت کیا "اس کی قیمت؟"

چالاک سوداگر نے ہیر پھیر میں جواب دیا "قسم اول کا مال ہے مفتی صاحب، دو سو تنکے در روپے، قیمت، دو سو نذرانہ۔"

مفتی صاحب نے ناک بھوں چڑھا کر پوچھا "کیا مطلب؟"

سوداگر نے جواب دیا "دو سو روپے" پھر آس پاس کا جائزہ لے کر سرگوشی میں کہا "ایسا کرارا اور مزے دار مال کوئی سرکاری نرخ پر کس طرح دے سکتا ہے مفتی صاحب! دو سو تنکے کھلی قیمت اور چار سو تنکے اصل قیمت۔ چپکے سے چار سو ادا کر کے مال گھر لے جایئے اور مزے میں گلچھرے اڑایئے!"

مفتی صاحب کچھ کہنے کے لئے زبان کھولنے ہی والے تھے کہ تیز طرار سوداگر نے ان کی بولتی بند کر دی، دور بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "یہ میرا مال نہیں ہے اس کا اصل مالک وہ سامنے بیٹھا ہے وہ اسے اپنے لئے کہیں سے خرید کر لایا تھا لیکن حالات اور وقت نے اسے مجبور کر دیا ہے کہ اس گراں مایہ مہ پارے کو کوڑیوں کے مول بیچ کر اپنی عسرت اور تنگ دستی دور کرے آپ اس کی قیمت میں جو کچھ بھی دیں گے اس کے تین حصوں میں سے دو اس کے مالک کو چلے جائیں گے ایک حصہ مجھے ملے گا۔"

مفتی صاحب لڑکی کے اصل مالک کی طرف بڑھے تو اس نے چادر میں اپنا منہ چھپا لیا انہیں یہ شخص قد و قامت اور خد و خال سے کچھ شناسا سا لگا لیکن چہرہ کیونکہ چادر میں چھپا ہوا تھا اس لئے پہچانا نہ جا سکا۔

مفتی صاحب نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا بولے "اے بھائی! کیا وہ کنیز واقعی تیری ہی ملکیت ہے؟"

اچانک چادر چہرے سے سرک گئی اور مفتی صاحب کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا "ارے غیاث یہ تم؟ خیریت تو ہے یہاں کیسے؟"

اس شخص کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں بولا "جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم تباہ ہو چکے ہیں۔"

مفتی صاحب کو مزید کچھ جاننے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ یہ نوجوان غیاث ان کے مکان سے تقریباً دس مکانوں کے بعد والے مکان میں رہتا تھا اور انہی کی طرح کپڑے کا کاروبار کرتا تھا، ایک دن پہلے کم ناپنے کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ شہر کے بدنام رئیس یعقوب ناظر نے اسے دکان سے گھسیٹ کر مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا بعد میں اس کی دکان، دکان کا سارا مال بحقِ سرکار ضبط کر لیا گیا، جو کچھ نقد پاس تھا جرمانے میں وہ بھی لے لیا گیا۔ اس تباہ حالی کے بعد یہ مفتی صاحب کے پاس کچھ قرض لینے گیا تھا لیکن مفتی صاحب نے کچھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ بفرضِ محال، رحم کھا کے اگر وہ اسے بطورِ قرض کچھ دے بھی دیتے تو یہ رقم پھر واپس کس طرح ملتی کیونکہ خلجی کے عتاب نے اس کے مستقبل کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا اب وہ اپنی عسرت اور تنگدستی اپنی چہیتی کنیز کو فروخت کر کے دور کرنا چاہتا تھا، اس نے مفتی صاحب سے خوشامدانہ لہجے میں کہا "مفتی صاحب! ہمیں ریشمی سے والہانہ پیار رہا ہے، ہم اسے بدرجۂ مجبوری جدا کر رہے ہیں، دو سال پہلے ہم نے اسے شاہراہِ ریشم کے تاجروں سے ایک ہزار تنکوں میں خریدا تھا لیکن اب اسے معمولی قیمت میں بیچ دینا چاہتے ہیں!"

مفتی صاحب نے اپنی کھچڑی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے۔

"غیاث! ہم نے بے شک تجھے کچھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیا تو نے رسول اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ نیچے کے ہاتھ سے اوپر کا ہاتھ اچھا ہے، ہم تیرا سوال پورا کر کے تجھے رسول اللہ کی نظر میں شرمندہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں تیرا یہ طریقہ پسند آیا کہ تو اپنی ایک شے کے عوض ہم سے کچھ طلب کر رہا ہے، ہم تیری مدد ضرور کریں گے تو ہماری مدد کا مستحق ہے، بول اس کنیز کا تجھے کیا پیش کر دیا جائے؟" اس سوال کے فوراً ہی بعد مفتی صاحب کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ کہیں غرض مند سمجھ کر غیاث کچھ زیادہ قیمت نہ طلب کر بیٹھے، فرمایا "لیکن اس کا خیال رہے کہ قیمت ذرا واجبی رہے، کنیز تیرے بقول دو سال

تیرے تصرف میں رہ چکی ہے، یوں بھی ہمیں کچھ زیادہ پسند نہیں آئی بس تیری مدد کے خیال سے اسے خرید لیں گے!"

غیاث نے پوچھا "آپ کو اس کی قیمت کیا بتائی گئی ہے؟"

مفتی صاحب نے جواب دیا "چار سو تنکے، جو بہت زیادہ اور غیر قانونی ہیں، ہماری نظر میں یہ مال ڈیڑھ سو سے زائد کا نہیں ہے۔"

غیاث نے کہا "آپ اسے خاموشی سے تین سو دے دیجئے، حالانکہ مجھے اس کو اس کا حصہ چار سو کے حساب ہی سے دینا پڑے گا۔"

مفتی صاحب کو تامل ہوا لیکن اسی لمحے ریشمی کا سوداگر ان دونوں کے درمیان آ گیا، بولا "غیاث! ریشمی کا سودا ہو گیا ہے اب کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے!"

مفتی صاحب کا دل دھک سے رہ گیا، بولے "یہ کیا بات ہوئی، بات تو ہم سے چل رہی تھی اس کی!"

سوداگر نے بے مروتی سے کہا "آپ نے ہمیں اس کا کوئی بیعانہ دے رکھا تھا؟"

مفتی صاحب نے غیاث کو خشمگیں نظروں سے دیکھا، ان کا دل بری طرح ڈوبنے لگا بولے "غیاث! ہم تجھے تین سو ہی دے دیتے، اس کے علاوہ اگر تو چاہتا تو سو دو سو بطور قرض بھی دے دیتے!"

سوداگر نے بے مروتی سے کہا "مفتی صاحب! اگر تمہیں ریشمی اتنی ہی پسند آ گئی ہے تو میں اس کا ابھی معاملہ کرائے دیتا ہوں، جس نے اسے خریدا ہے، اسے قیمت خرید سے کچھ زیادہ دے دو، ریشمی تمہاری ہو جائے گی!"

انہوں نے پوچھا "ریشمی کتنے میں بکی ہے؟"

سوداگر نے سرگوشی میں جواب دیا "پانچ سو میں، تم چاہو تو چھ سو میں اب بھی لے سکتے ہو ورنہ ریشمی ذرا دیر بعد کسی کے گھر چلی جائے گی۔"

ریشمی، مفتی صاحب کو دل و جان سے پسند آ گئی تھی، انہوں نے مشورہ طلب نظروں سے نجیب کی طرف دیکھا، اس نے فوراً کہا "یہ چھ سو میں بھی بری نہیں حضور والا!"

مفتی صاحب نے کہا "بہتر ہے ریشمی کو لے کر ہمارے ساتھ گھر چلو ہم وہیں تمہیں چھ سو تنکے دے دیں گے!"

سوداگر نے ریشمی کو ایک دوسرے شخص سے باتیں کر کے اپنے ساتھ لے لیا، مفتی صاحب

نے چلتے چلاتے غیاث سے کہا "غیاث! تم گھر پر ہم سے ضرور ملنا"

گھر پہنچ کر مفتی صاحب نے چھ سو ٹکے ادا کر کے ریشمی کو زنان خانے میں پہنچا دیا۔

بعد میں سوداگر نے چار سو ٹکے غیاث کو دے دیئے اور دو سو خود رکھ لیئے اور ہنستا ہوا یہ کہہ کر رخصت ہو گیا "بہت ہوشیار بنتا تھا ایک ہی داؤں میں تین گنی قیمت وصول کر لی"

ریشمی کی آنکھیں کرنجی تھیں جس کے لئے نجیب نے ایک ایسی مثل سنا دی کہ مفتی صاحب کے دل میں ایک وہم سا بیٹھ گیا۔ نجیب نے بتایا کہ کالے برہمن اور کرنجے مسلمان پر کبھی بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے یہ ہمیشہ دھوکا دے جاتے ہیں، ریشمی کی آنکھیں بھی کرنجی تھیں اس لئے اس پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔

مفتی صاحب کی وہ رات بڑی بے لطفی میں گزری ریشمی رات بھر روتی رہی، جب بھی مفتی صاحب نے اسے پرچانا چاہا اس کی حالت غیر ہونے لگی اور اس پر اس شدت کی آتشی کیفیت طاری ہوئی کہ مسہری تک زلزلے سے لرزنے لگی، پوری رات اسی کش مکش میں گزر گئی، صبح فجر کی نماز اور تلاوت کلام پاک میں بھی جی نہ لگا۔ صبح تک وہ اتنے ہراساں ہو چکے تھے کہ سوچنے لگے، خدایا یہ چھ سو ٹکوں کے عوض کس مصیبت کو مول لے لیا ہے، اگر ہر شب یہی حال رہا تو گویا چھ سو کی رقم تو ڈوب گئی۔ اس دن وہ دکان پر بھی نہ جا سکے۔

دو گھڑی بعد غیاث ان سے ملنے آیا، وہ بہت چپ چپ اور غمگین تھا۔ مفتی صاحب نے سرد مہری سے پذیرائی کی۔

غیاث نے عاجزی سے درخواست کی بولا "مفتی صاحب! میں دہلی چھوڑ رہا ہوں، کہاں جاؤں گا کچھ پتہ نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ پھر کبھی واپسی نصیب بھی ہو گی یا نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو آخری بار ریشمی سے ملاقات کر لوں اور اسے آخری بار جی بھر کے دیکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دہلی سے دفعان ہو جاؤں!"

مفتی صاحب کو اس میں تامل ہوا، بولے "ریشمی کا تم سے کوئی رشتہ نہیں رہا، ہم تمہاری یہ خواہش نہیں پوری کر سکتے"

غیاث نے جواب دیا "میں کسی رشتے کی بات کہاں کر رہا ہوں، مفتی صاحب! میں ریشمی سے محبت کرتا تھا اسی محبت نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے اور اسی محبت کی بے غیرتی نے مجھے آپ سے اس غیر اصولی سوال پر اکسایا ہے!"

مفتی صاحب کو بدستور تامل تھا۔ غیاث کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا، بھرائی آواز میں [...]فلاس اور غریبی کو برا بھلا کہنے لگا جوش میں بولا "یہ افلاس ہی تو ہے جس نے مجھے بے غیرت [...]یا ہے اور یہ غربت ہی تو ہے جس نے مجھ سے میری ریشمی جیسی محبوبہ کو جدا کر دیا ہے!" پھر [...] صاحب سے ایک عجیب سا سوال کر دیا۔ پوچھا "مفتی صاحب! آپ تو دینی علوم پر [...] نظر رکھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ سے کچھ جاننا چاہتا ہوں!"

مفتی صاحب نے ذرا رعونت سے گردن اوپر اٹھائی اور مفتیانہ وقار سے کہا "[...]جھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

غیاث نے پوچھا "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اسلام کے کتنے ارکان ہیں؟"

مفتی صاحب نے جواب دیا "پانچ"

"کون کون سے؟"

"کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج!"

غیاث نے دکھے دل اور المیہ لہجے میں کہا "مفتی صاحب! ایک چھٹا رکن بھی ہے، جو [...]ت سب سے بڑا اور ضروری ہے!"

مفتی صاحب کی آنکھیں فرط حیرت سے کھل گئیں، پوچھا "چھٹا رکن کیسا؟ یہ کونسا [...] ہے جس کا ہمیں علم نہیں!"

غیاث نے پورے یقین سے جواب دیا "یہ چھٹا رکن روٹی ہے اور اس رکن [...]ے بڑا کوئی رکن نہیں"

مفتی صاحب آپے سے باہر ہو گئے، چیخ کر بولے "کیا بکتا ہے؟ یہ کوئی رکن نہیں [...]ین میں بدعت کرتا ہے، دین میں اضافہ کرنے والا تو کون ہوتا ہے ملعون، اسی [...]قت دفعان ہو جا یہاں سے!"

وہ غصے سے تھر تھر کانپنے لگے ان کے حلق سے آواز پھنس پھنس کر نکل رہی تھی۔

غیاث پر اس کا کوئی اثر نہ تھا، زنان خانے کے دروازے پر ایک چہرہ نمودار [...] غیاث کی نظریں ادھر اٹھ گئیں، سامنے ریشمی افسردہ اور اداس نظروں سے [...]ث کو دیکھ رہی تھی جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں، دلوں سے ہوکیں اٹھیں، لیکن [...] صاحب بھی کچھ زیادہ غافل نہ تھے فوراً اٹھے اور ریشمی کو اندر دھکیل کر [...]زہ باہر سے بند کر لیا۔ پھر غیاث کو شانے سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور جبراً باہر

لے جاتے ہوئے بولے "غیاث! افسوس کہ ہمارے گھر میں کسی بدعت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ!"

غیاث محبت کی آگ میں سلگتے ہوئے دل اور لڑکھڑاتے قدموں سے مفتی صاحب سے جدا ہو گیا اور پھر اس کے بعد اسے کسی نے بھی نہ دیکھا۔

ریشمی آہستہ آہستہ مانوس ہونے لگی، اور اس نے خود کو حالات کے حوالے کرنا شروع کر دیا۔ مفتی صاحب نے حد درجہ نوازشیں کیں اور ہر روز کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتے، لیکن یہ تحفہ ہمیشہ معمولی ہی قیمت کا ہوتا۔ ریشمی کو بالطبع مفتی صاحب بالکل ناپسند تھے، ان کا حد سے زیادہ بیضوی چہرہ ریشمی کو عجیب مضحکہ خیز سا لگتا، سر تو بہت بڑا اور گول تھا لیکن چہرہ دونوں کانوں اور رخساروں پر سے سمٹتا ہوا تھوڑی میں پہنچ کر ضرورت سے زیادہ نکیلا ہو گیا تھا، اس میں کھچڑی بال اس طرح اُگے ہوئے تھے جیسے غلیل کے اڈے کا دستہ۔ جب وہ جوش میں آ کر ریشمی سے بے تکلف ہوتے تو اسے کراہت کے ساتھ ساتھ وحشت سی ہونے لگتی۔ کچھ دنوں تک تو مفتی صاحب نے ریشمی کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اصرار کر کے زیادہ کھلایا لیکن ذہین ریشمی اس اصرار میں چھپے ہوئے کرب اور جبر کو بھی خوب محسوس کرتی رہی۔ ایسا لگتا جیسے وہ اُوپری دل سے کھانے پر اصرار کر رہے ہوں اور کئی دن بعد تو یہ حالت ہو گئی کہ جب وہ کھانے بیٹھتی تو مفتی صاحب کسی نہ کسی بہانے وہاں سے چلے جاتے اور جب وہ کھانے سے فارغ ہو جاتی اور برتن اٹھ جاتے تو مفتی صاحب پھر نمودار ہوتے۔

مفتی صاحب نے نجیب کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ ریشمی اس گھر میں گو کہ ایک کنیز کی حیثیت سے داخل ہوئی ہے لیکن اس کی حیثیت منکوحہ بیوی سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ انہیں ریشمی بہت زیادہ پسند آ گئی تھی اور شاید ان کا ارادہ تھا کہ وہ اس سے نکاح کر لیں گے۔

کئی دن سے مفتی صاحب بہت پریشان سے نظر آتے تھے۔ ان کا چہرہ بجھا بجھا اُداس اُداس محسوس ہوتا۔ جب وہ عشاء کی نماز پڑھنے جاتے تو ان کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر نجیب اور ریشمی کھانا کھا لیا کرتے تھے۔ ایک رات وہ جیسے ہی عشاء کی نماز کے لئے باہر نکلے ریشمی اور نجیب کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ابھی ان دونوں نے

چند ہی لقمے زہر مار کئے ہوں گے کہ خلاف توقع مفتی صاحب واپس آ گئے ان کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی تھا، اسے انہوں نے باہری بیٹھک میں بٹھایا۔ انہیں دیکھتے ہی نجیب کھانا لے کر کہیں روپوش ہو گیا لیکن ریشمی بدستور کھاتی رہی۔

مفتی صاحب افسردہ اور ملول انداز میں ریشمی کے قریب پہنچ گئے، بولے "ہم تمہیں کھانے سے نہیں منع کرتے لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ تم ہمارے سامنے کھانا نہ کھایا کرو، اس گھر کا ہر فرد ہم سے چھپ کر کھانا کھاتا ہے، تمہیں بھی اس دستور پر عمل کرنا ہو گا!"

ریشمی نے ذرا تیکھے سے آنکھیں گھما کر کہا "میں تو تمہارے سامنے ہی کھاؤں گی مجھے بھی تو بتاؤ کہ آخر یہ چکر کیا ہے؟"

مفتی صاحب نے جواب دیا "اس کا جواب ذرا تفصیل طلب ہے، باہر ہمارے ایک پرانے کرمفرما تشریف فرما ہیں، ہم پہلے ان سے کچھ باتیں کر لیں اس کے بعد تم سے کریں گے!"

ریشمی نے اک ادائے ناز سے کہا "بہر حال کچھ بھی ہو، میں تمہارے سامنے ہی کھاؤں گی!"

مفتی صاحب کوئی جواب دیئے بغیر بے زاری سے واپس چلے گئے، بیٹھک کے دروازے پر پہنچ کر مڑے اور ریشمی سے باآواز بلند کہا "جب نجیب کھانا کھا چکے تو اسے ہمارے پاس بھیج دینا!"

ذرا دیر بعد جب نجیب کھانا کھا چکا تو ریشمی نے مفتی صاحب کا حکم سنا دیا لیکن اس کے دل میں چند سوالات کانٹے کی طرح چبھ رہے تھے، مفتی صاحب کا عشاء کی نماز پڑھنے نہ جانا، بیٹھک میں دوست کی خاص آؤ بھگت کرنا، چہرے پر گہری فکر اور تردد کے آثار کا پایا جانا ایسی علامتیں نہ تھیں جنہیں ذہین ریشمی یوں ہی نظر انداز کر دیتی اس نے ادھر اُدھر دیکھ کر چپکے سے نجیب کو مخاطب کیا بولی "نجیب! میری ایک بات تو سننا!"

نجیب نے اس لہجے میں ایک اپنائیت اور ایک خوش کن پیغام سا محسوس کیا۔ سر تا پا عجز و انکسار بن گیا، پوچھا "کہئے کیا بات ہے؟"

ریشمی نے کہا "اس گھر میں ہم دونوں ہی یکساں حیثیت رکھتے ہیں، تم بھی غلام ہو، میں بھی کنیز ہوں۔"

نجیب نے سرد آہ بھری، بولا "ہاں ہم چوپایوں کی طرح ہیں، ہم اپنی قسمتوں ہی میں غلامی لکھوا کر آئے ہیں، اس کا کسی سے کیا گلہ کر سکتے ہیں!" پھر کچھ سوچ کر بولا "لیکن ریشمی!

میرے مقابلے میں تم خوش قسمت ہو، مفتی صاحب تمہیں زیادہ دنوں کنیز بنا کر نہیں رکھیں گے وہ تم سے نکاح کر کے باقاعدہ بیوی بنالیں گے۔ تم بہت جلد اس گھر کی خاتون بن جاؤ گی!"

"یہ تمہارا خیال خام ہے!" ریشمی نے کہا "یہ شخص جو بیٹھک میں مفتی صاحب سے باتیں کر رہا ہے میرے خیال میں کسی خاص اہمیت کا حامل ہے ان چند دنوں کے ساتھ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مفتی صاحب کا ہر کام کسی مقصد کے تحت ہوتا ہے عشاء کی نماز یونہی ترک نہیں کی گئی ہے ذرا سن گن لینے کی کوشش کرنا۔"

نجیب ریشمی کی ذہانت کا قائل ہو گیا، اسی لمحے نیم تاریکی میں بیٹھک سے ایک سایہ نمودار ہو کر ریشمی کی طرف بڑھا اور مفتی صاحب کی آواز گونجی "کیا نجیب ابھی تک کھانے میں لگا ہوا ہے؟"

نجیب بوکھلا کر مفتی صاحب کی طرف بڑھا اور باآواز بلند کہا "غلام حاضر ہوتا ہے۔"

مفتی صاحب نجیب کے قریب پہنچ چکے تھے، نہایت بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا، بولے "بیٹے نجیب! ہمیں اپنے دوست سے کچھ انتہائی ضروری باتیں کرنا ہیں، تم باہر ٹہل ٹہل کر اس بات کی نگرانی کرتے رہنا کہ کہیں آس پاس کوئی سرکاری آدمی تو ہماری باتیں نہیں سن رہا۔"

نجیب ہاں کئے بغیر باہر چلا گیا۔ مفتی صاحب پھر بیٹھک میں واپس چلے گئے۔

مفتی صاحب نے اپنے دوست سے کہا "جناب والا! وہ تو جو کچھ آپ نے فرمایا بجا ہے لیکن ہم رقم کے معاملے میں اعتبار نہیں کر سکتے۔ ہمیں رقم نقد درکار ہے، آپ چاہے یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ریشمی کو دو سو کی جگہ چھ سو میں خریدا ہے اس لڑکی کے معاملے میں جتنے بیوقوف ہم بنے ہیں کوئی کیا بنے گا!"

اجنبی نے جواب دیا "ہمیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، چلئے آپ کی خواہش کے احترام میں ساری رقم آپ کو یہیں ادا کر دی جائے گی۔ لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہماری چیز بحفاظت تمام گوالیار تک پہنچ ہی جائے گی؟"

مفتی صاحب نے گمبھیر آواز میں کہا "ہمارا آدمی تمہارے ساتھ ہی جائے گا!"

اجنبی نے کہا "تاجروں کا ایک قافلہ پرسوں جا رہا ہے، ہم تمہیں کل تک دس ہزار تنکے ادا کر دیں گے، تم پرسوں کو ذہن میں رکھ کر تیاریاں کر ڈالو۔"

مفتی صاحب کچھ سنے بغیر اندر چلے گئے اور ریشمی سے کہنے لگے "ریشمی! ذرا ہمارے ساتھ آؤ!"

ریشمی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اٹھی اور اٹھ کر پھر بیٹھ گئی۔ مفتی صاحب نے ذرا اکھڑ در سے لہجے میں کہا "کچھ سوچو مت جو ہم کہہ رہے ہیں اسے غور سے سنو اور پھر اس پر عمل کرو۔" پھر کچھ سوچ کر ٹھہر ٹھہر کر بولے "ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ تم دہلی میں کچھ زیادہ خوش نہیں ہو، تمہاری صحت بھی کچھ گر گئی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تم خوش رہو، کچھ دنوں کے لئے ہمارے دوست کے ساتھ گوالیار چلی جاؤ۔ اس طرح تمہاری آب و ہوا بھی بدل جائے گی اور تمہاری صحت بھی بن جائے گی!"

ریشمی نے تشویش سے پوچھا "کیا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

"نہیں!" مفتی صاحب نے جواب دیا "تمہارے ساتھ نجیب جائے گا!" پھر بیٹھک کی طرف جاتے ہوئے بولے "ہمارے ساتھ آؤ ریشمی!"

ریشمی کسی چوپائے کی طرح مفتی صاحب کے ساتھ بیٹھک میں داخل ہو گئی۔ مہمان احتراماً کھڑا ہو گیا۔ ریشمی نے اسے چکا چوند کر دیا تھا۔ اس نے زیر لب کہا "ماشاء اللہ، ماشاء اللہ!" اس کے بعد مسکرا کر مفتی صاحب کو داد دی "مفتی صاحب! ہم آپ کی خوش مذاقی کی داد دیں گے، خوب کیا انتخاب ہے جناب کا!"

مفتی صاحب کا فخر سے سینہ تن گیا، بولے "جناب والا یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اسے کچھ دنوں بعد حفاظت اور احتیاط کے ساتھ دہلی روانہ فرما دیں" پھر ذرا آنکھ دبا کر بولے "اور امانت میں خیانت بھی نہیں ہونی چاہئے!"

پہلے اگر کچھ تامل بھی تھا تو اب یہ مہمان دوسرے دن دس ہزار تنکوں کی ادائیگی پر دل و جان سے آمادہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد مفتی صاحب ریشمی کو پھر اندر لے گئے۔ ریشمی کو یہ معاملہ کچھ دگرگوں اور تشویش ناک محسوس ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں ڈبڈبائی آنکھوں سے مفتی صاحب کو دیکھا اور سوال کیا "کیا میں ایک بار پھر فروخت کی جا رہی ہوں؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں!" مفتی صاحب نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"پھر اصل معاملہ کیا ہے؟ مجھے کیوں نہیں بتاتے؟"

مفتی صاحب معنی خیز ہنسی ہنسے بولے "ریشمی! غیاث تو احمق تھا، اسے تمہاری اصل قدر و قیمت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ تمہاری اصل حیثیت اور واقعی قدر و قیمت کا تو ہم نے اندازہ لگایا ہے!"

رشیمی نے پھر سوال کیا۔ "کیا تم مجھے بیچ رہے ہو؟"

"نہیں، نہیں، نہیں!" مفتی صاحب نے مستحکم آواز میں کہا۔ "فضول سوالات مت کرو!"

رشیمی نے بھرائی آواز میں کہا۔ "تم نے مجھ سے نکاح کا وعدہ کیا تھا، کیا یہ وعدہ غلط تھا؟"

"نہیں، ہم نے تم سے غلط وعدہ نہیں کیا!" مفتی صاحب نے فانوس کی روشنی میں رشیمی کو غور سے دیکھ کر سوال کیا۔ "رشیمی! ایک بات تو بتاؤ؟"

رشیمی نے سوالیہ نظروں سے مفتی صاحب کو دیکھا۔

مفتی صاحب نے اپنی مخروطی داڑھی پر ہاتھ پھیرا، بولے۔ "کیا تمہیں ہمارا یہ نکیلا اور مضحکہ خیز چہرہ پسند ہے؟" پھر خود ہی جواب دیا۔ "شاید نہیں جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، تم نے ہمیں اب تک دل سے پسند نہیں کیا پھر تم ہم سے نکاح کی خواہش کیوں رکھتی ہو؟"

رشیمی نے جواب دیا۔ "یہ تم درست کہتے ہو کہ مجھے تم اچھے کبھی بھی نہ لگے لیکن پھر بھی عذاب سے نجات پانے کیلئے میں تم سے نکاح کر لینے پر آمادہ ہو گئی ہوں!"

"کس عذاب سے نجات پانے کے لئے؟"

"بار بار بکنے کے عذاب سے نجات پانے کے لئے!"

"اچھا۔" مفتی صاحب مسکرانے لگے۔ "سردست تم گوالیار ہو آؤ۔ پھر ہم تمہیں بار بار بکنے کے عذاب سے ضرور نجات دلا دیں گے، اب جاؤ، اور آرام کرو، ہم نصف رات کے بعد آ کر مزید باتیں کریں گے!"

جب رشیمی چلی تو مفتی صاحب نے تلخ مسکراہٹ ابھار کر خود سے کہا۔ "عورت! تجھے ہم خوب سمجھتے ہیں تو ایک سے بات کرتی ہے، دوسرے کو اضطراب کی نظروں سے دیکھتی ہے لیکن تیرا دھیان ہوتا ہے کسی تیسرے کی طرف، غیاث ہم اور کوئی تیسرا شخص؟ معلوم نہیں وہ تیسرا کون ہے لیکن وہ ہوگا ضرور، اسے ہونا ضرور چاہیے!"

عظیم الشان مسجد قوت الاسلام میں فجر کی نماز ختم ہو چکی تھی، بیشتر لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے کچھ لوگ اب بھی مختلف ستونوں سے ٹیک لگائے تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے، بہتوں کی ایک مخصوص آواز مسجد میں گونج رہی تھی، انہی لوگوں میں مفتی کاشانی، ان کا مہمان اور نجیب بھی شامل تھے، یہ تینوں مسجد کے داہنی سرے پر دوسروں سے بہت دور اپنے ہاتھوں میں کلام پاک کھولے بیٹھے تھے، بظاہر ان کی نظریں قرآن پاک کے اوراق پر تھیں لیکن وہ تینوں تلاوت کے بجائے آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔

مفتی کاشانی نے کہا۔ "ہمارے گھروں سے بہتر تو یہ خانہ خدا ہے، حیرت تو یہ ہے کہ گھروں میں جو باتیں کی جاتی ہیں ان کی تفصیلی اطلاع خلجی کو ہو جاتی ہے، ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ گھر کے ادنیٰ خدمت گار تک سلطان کے جاسوس ہیں جو ذرا سی بات سلطان تک پہنچا دیتے ہیں!"

مہمان نے جواب دیا۔ "کمال ہے لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ سلطان خلجی جاسوسی جیسے معیوب فعل کو کس انہماک اور تنظیم سے انجام دیتا ہے!"

مفتی نے نفرت اور بیزاری سے کہا۔ "یہ سراسر غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے، اسلام کا تو یہ فرمان ہے کہ لاتجسسو یعنی جستجو مت کرو اور یہاں سلطان کا یہ عالم ہے کہ باپ کی جاسوسی بیٹا اور بیٹے کی سراغرسانی باپ کے ذمے ہے، سلطان نے زندگی کے ہر شعبے کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے ہم اپنی چیزیں اپنے نرخوں پر نہیں بیچ سکتے، کیسا ظلم ہے یہ!"

کسی کسی لمحے ان کی نظریں قرآن پاک کے اوراق سے ہٹ کر ادھر ادھر بھی چلی جاتیں، وہ دیکھتے کہ کہیں کوئی انکی باتیں سننے کی کوشش تو نہیں کر رہا، ان پر کسی کی نظر تو نہیں ہے۔

یکایک مفتی صاحب نے پوچھا۔ "کیوں جناب! وہ دس ہزار تنکے کب اور کس طرح ہمیں مل رہے ہیں؟"

مہمان نے جواب دیا۔ "ظہر کے بعد ہم خود لے کر حاضر ہوں گے، ہمارا مال تیار رہنا چاہیئے!"

مفتی صاحب نے کہا۔ "تم اس کی کوئی فکر نہ کرو، قرآن پاک ہمارے ہاتھ میں ہے، کل تک تبریزی کمخواب دیوگیری اور دوسرے کپڑوں کے تھان تمہارے حوالے کر دیئے جائیں گے!" پھر نجیب سے کہا۔ "نجیب! تمہیں ان کے ساتھ گوالیار تک جانا پڑے گا۔ رشیمی بھی ساتھ جائے گی اور کوشش یہ رہنی چاہیئے کہ کپڑا راستے میں پکڑا نہ جائے، جہاں اس کا خطرہ محسوس ہو وہاں رشوت کا سہارا لیا جائے، ہمارا یہ کپڑا جو دہلی میں جیتلوں (پیسوں) اور ایک آدھ تنکے فی گز کے حساب سے بکتا ہے گوالیار میں دس گنی قیمت میں بک جائے گا۔"

نجیب سہم گیا بولا "لیکن جناب! سلطان کا تو یہ فرمان ہے کہ یہاں کا تجارتی مال باہر نہیں لے جایا جا سکتا، اس سنگین جرم کے مرتکب کے لئے بدترین اور اذیت ناک سزائیں مقرر کی گئی ہیں!"

مفتی نے تلخی اور تحکم آمیز لہجے میں کہا "تم کیوں ڈرتے ہو، ریشمی ساتھ کس لئے جائے گی۔ ریشمی اور تم ہر جگہ اس بات پر اڑے رہو گے کہ یہ تھان تجارت کی غرض سے نہیں لے جائے جا رہے بلکہ کسی تقریب میں تحفہ پیش کرنے کے لئے لے جائے جا رہے ہیں۔"

نجیب نے حیرت سے کہا "لیکن اتنے سارے تھان تحفے میں دینے کے لئے کون لے جا سکتا ہے اور سلطانی حکام ہماری اس بات پر کس طرح یقین کر لیں گے؟"

مفتی نے دلیری سے کہا "قافلے میں کوئی ایک ہماری ہی ریشمی تو نہ ہوگی اس میں دس اور ریشمائیں بھی تو ہوں گی۔ تمہیں تو بس اپنے حصے کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی بقیہ دوسرے جانیں!"

نجیب کو اس حکم کی تعمیل میں اب بھی تامل تھا مفتی کو شبہ گزرا کہ سلطانی عقوبت اور تعزیرات کا خوف کہیں نجیب کو بغاوت اور چغل خوری پر آمادہ نہ کر دے اب نجیب ان کے ایک بہت بڑے کاروباری راز سے واقف ہو چکا تھا، یہاں ان کے حکم اور برتری کا بھی کوئی اثر نہ تھا۔ معاملے کو ترغیب اور تحریص سے طے کرنا چاہا، بولے "اگر تم نے اسی نوع کی ہماری دو چار خدمات انجام دے دیں تو یہ ہمارا وعدہ ہے کہ ہم تمہیں آزاد کر دیں گے!"

نجیب میں کچھ ہمت پیدا ہوئی لیکن سلطانی خوف کا اب بھی غلبہ تھا مفتی نے لالچ کی مقدار میں اضافہ کر دیا "اور آزادی کے ساتھ ہی تمہیں دولت بھی عطا کی جائے گی!"

نجیب نے مردہ دلی سے کہا "یہ سب اسی وقت ہی تو ممکن ہو سکے گا جب میں زندہ بچوں گا خلجی کے کتے ہمارے جیسوں کی بو سونگھتے پھرتے ہیں!"

مفتی نے بخشش اور عنایات میں ایک رنگین اضافہ کر دیا "ریشمی بھی تمہیں بخش دی جائے گی!"

اب مزید سوچ وبچار کی ضرورت ہی باقی نہ رہ گئی تھی آزادی، دولت اور ریشمی ان گرانقدر انعامات کی توقع میں یہ خطرناک جوا کھیلا جا سکتا تھا، ان تینوں کے لئے زندگی کو داؤ پر لگایا جا سکتا تھا۔

نجیب نے آہستہ سے کہا "مجھے آپ کی بخشش کے عوض اپنے فریضے کی انجام دہی منظور ہے!"

چالاک مفتی نے فوراً ایک شرط لگا دی، بولا "قرآن پاک تمہارے ہاتھوں میں ہے تم اس کو واسطہ بنا کر قسم کھاؤ کہ اگر تم پکڑے گئے تو کسی مرحلے پر بھی ہمارا نام نہیں لو گے، ساری ذمہ داری خود قبول کر لو گے!"

کچھ پس وپیش کے بعد نجیب نے قرآن کو بیچ میں ڈال کر رازداری اور اپنی ذاتی ذمہ داری کا عہد کر لیا۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر بزرگ انہیں اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا، تینوں فوراً قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ مفتی صاحب نے سورہ الانفال کا ایک حصہ خوش الحانی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

"یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں خصوصاً ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔"

نجیب اپنے عہد پر سہم گیا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جان رہے یا جائے وہ عہد شکنی کا مرتکب ہرگز نہ ہو گا۔

جب ڈیڑھ دو ہزار افراد پر مشتمل تجارتی قافلہ جنوبی ہند کی طرف روانہ ہونے لگا تو مفتی کاشانی نے نجیب کو سمجھایا "نجیب! ریشمی تیرے ساتھ جا تو رہی ہے لیکن اس کا خیال رکھنا کہ یہ مشروط طور پر تیری امانت بھی ہے اس کی حفاظت اب تیرا فرض ہے اور اس کا بھی لحاظ رہے کہ ریشمی پر اس وقت تک تیرا کوئی حق نہیں جب تک تو اپنے کئے ہوئے عہد پر پورا نہ اتر جائے۔"

پورا پڑاؤ گھوڑوں کی ہنہناہٹ، گاڑیوں کی کھڑکھڑاہٹ اور آدمیوں کے بے ہنگم شور سے گونج رہا تھا۔ جگہ جگہ جانوروں کے بول وبراز سے زمین غلیظ ہو رہی تھی اور فضا میں بدبو اور سڑاند بسی ہوئی تھی، جو لوگ اپنے اعزا اور احباب کو الوداع کہنے آئے تھے ان کا ہجوم الگ تھا کسی کی آنکھیں پرنم تھیں تو کوئی گلوگرفتہ آواز میں الوداعی کلماتِ خیر ادا کر رہا تھا۔

مفتی صاحب بھی دور لاتعلق بنے قافلے کی روانگی کا منظر دیکھ رہے تھے

ایکا یک قافلے میں حرکت ہوئی اور جانوروں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کا شور آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا۔ گرد و غبار کی چادریں بلند ہونے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گرد و غبار کے دبیز بادل آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ گھنٹیوں کے شور میں اضافہ ہو گیا اور پھر فاصلوں کے ساتھ ساتھ جرس کی آوازیں بھی دور ہوتی چلی گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے گرد و غبار کے سمندر میں یہ قافلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تقریباً تین ماہ بعد جب نجیب واپس آیا تو ریشمی سے پتہ چلا کہ اس دوران اس نے پوری دیانت داری سے کام لیا ہے اور نہ صرف خود پاک باز رہا ہے بلکہ مفتی کے مہمان سوداگر کو بھی باز رکھا ہے، مہمان سوداگر نے ریشمی کو بڑے سبز باغ دکھائے لیکن وہ اس کے چکر میں نہیں آئی۔ جب سے ریشمی کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مفتی صاحب نے نجیب سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ جب وہ اس قسم کی چند خطرناک خدمات انجام دے چکے گا تو مفتی صاحب نجیب کو آزاد کر کے اسے دولت اور ریشمی سے نواز دیں گے تو اسے بڑی خوشی ہوئی تھی کنیز بن کر کسی معزز کے گھر رہنے سے یہ کہیں بہتر اور آبرومندانہ تھا کہ وہ آزاد بیوی کی حیثیت سے کسی معمولی آدمی کے ساتھ زندگی گزار دے۔

نجیب کا یہ خیال تھا کہ مفتی صاحب اس خطرناک کارگزاری کے صلے میں کچھ نہ کچھ انعام یا معاوضہ ضرور دیں گے۔ لیکن مفتی صاحب بالکل خاموش رہے۔ کچھ عرصے بعد نجیب نے اسی قسم کا دوسرا سفر کیا اور جب وہ واپس آیا تو اس سفر سے مفتی صاحب کو چھ ہزار تنکوں کا نفع ہوا تھا۔ اس بار بھی مفتی صاحب خاموش رہے، پھر تیسرا سفر کیا اور اس سفر میں نجیب کو کچھ غیر معمولی واقعات پیش آئے قافلے پر لٹیروں نے حملہ کر دیا تھا۔ قافلے کے جنگ جو جوانوں نے لٹیروں کو شکست دے کر قافلے کے مال و دولت کو بچا لیا تھا اس مقابلے میں نجیب بھی زخمی ہو گیا۔ قافلے کے ہمدرد اور نیک دل تاجروں نے نجیب کا علاج کرایا اور جب وہ صحت مند ہوا اور مفتی صاحب کا مال کئی گنی زیادہ قیمت پر بیچ کر دارالخلافے واپس آیا تو اس کی پیشانی پر زخم کی گہری لکیر دائمی داغ بن چکی تھی۔ مفتی صاحب نے اس سفر میں کمائے ہوئے تین ہزار تنکوں پر اپنی بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ نجیب نے دیکھا تھا کہ مفتی صاحب شاید اپنا عہد فراموش کر چکے ہیں، وہ اس سے اپنا کام تو برابر لئے

جا رہے تھے لیکن کسی قسم کی ہمت افزائی سے برابر گریز کر رہے تھے۔ نجیب نے سوچا کہ چوتھے سفر سے پہلے مفتی صاحب سے موجودہ معاملات پر گفتگو کر لینا بہت ضروری ہے۔ ریشمی اپنی جگہ دل برداشتہ ہو رہی تھی، اور اب تو اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ مفتی صاحب اپنا عہد بھول چکے ہیں، اس لئے نجیب سے کہا، "تمہیں کسی نئے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مفتی صاحب سے معاملہ صاف ضرور کر لینا چاہیئے۔"

"بے شک!" نجیب نے جواب دیا۔ "اگر مفتی صاحب نے مجھ سے بدعہدی کی تو اس کے نہایت بھیانک نتائج نکلیں گے!"

ریشمی فکر مند ہو گئی، بولی "مفتی صاحب آدمی اچھے نہیں ہیں، لالچی اور کنجوس بہت ہیں، پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ مفتی صاحب نے مجھے اپنے نفس کی تسکین کے لئے خریدا ہے لیکن اب ایک عرصے سے میں اپنی یہ رائے بدل چکی ہوں!"

نجیب نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر تمہارے خیال میں، تمہیں کس مقصد سے مفتی صاحب نے خریدا تھا؟"

ریشمی نے جواب دیا۔ "ان غلط دھندوں کے لئے انہیں عورت سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے وہ صرف دولت جمع کرنے کے قائل ہیں!"

نجیب نے حسرت سے کہا۔ "ریشمی! کبھی کبھی میں بہت زیادہ مایوس ہو جاتا ہوں، اگر تم مجھے نہ ملیں تو میرا کیا حشر ہوگا؟"

ریشمی نے محبت سے سرشار نظروں سے نجیب کو دیکھا، بولی "اب میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی!"

نجیب نے مایوسی سے کہا۔ "یہ بات ہم دونوں کے بس کی ہی کب ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، تم غیاث کو بھی چھوڑنے پر آمادہ نہ تھیں لیکن حالات اور وقت کی الٹی رفتار نے تمہیں یہ جبر اور صدمہ برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔"

ریشمی ایک دم زرد پڑ گئی جس سے نجیب نے یہ اندازہ لگا لیا کہ ریشمی کے دل میں غیاث کی محبت اب بھی موجود ہے، اس نے چھیڑنے کے لئے پوچھا "میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا؟"

ریشمی اس کے سینے سے لگ گئی، بولی "غیاث کا ذکر مت کیا کرو۔"

"کیوں؟"

اس لئے کہ اب اس ذکر سے فائدہ ؟"

نجیب نے اسے بھینچ لیا اور پھر پشت پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا، ریشمی نے نجیب کے کٹے ہوئے کان کو سہلاتے ہوئے کہا "نجیب! میرا دم گھٹنے لگا ہے، میں ان حالات سے تنگ آ چکی ہوں، نجانے کیوں مجھے اس مفتی پر اعتبار نہیں رہا۔"

نجیب نے ناامیدی سے کہا "میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر مفتی نے مجھ سے بدعہدی کی تو میں بھی اسے معاف نہ کروں گا اور ایک بالکل مایوس انسان حالتِ مایوسی میں جو انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے، میں بھی اٹھاؤں گا!"

"یعنی؟" ریشمی سراسیمہ ہو گئی۔

"یعنی یہ کہ جو تھے سفر میں میرا رخ شہر کوتوال یعقوب ناظر کے دفتر کا ہوگا اور وہ مفتی صاحب کے بارے میں سب کچھ جان چکا ہوگا اور اس کے بعد بدایوں دروازے کے سامنے دکاندار یہ شاندار تماشا دیکھیں گے کہ سخت گیر اور ظالم یعقوب ناظر کی لاتیں ہوں گی اور مفتی صاحب کا پیٹ، اور یہ کھیل جب ختم ہو چکا ہوگا تو مفتی صاحب کا سب کچھ بحق سلطان ضبط ہو چکا ہوگا اور شہر کا کوئی شخص بھی ننگے بھوکے اور معتوب مفتی کاشانی کو پہچاننے گا بھی نہیں۔"

ریشمی نے معصومیت سے کہا "اور ہمارا کیا حشر ہوگا۔"

"جو کچھ بھی ہو ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں، ایک بدعہد، دولت کے محتکر اور بخیل انسان کو کیفرِ کردار کو پہنچا کر جو خوشی حاصل ہوگی اس لذت کی خاطر میں تختہ دار پر بھی چڑھنے کو تیار ہوں!"

ریشمی اس خوفناک اور بھیانک منصوبے سے لرز گئی، بولی "نجیب! کچھ بھی ہو، ابھی میں مرنا نہیں چاہتی!"

نجیب نے اسے خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا اور کہنے لگا "زندگی سے کسے پیار نہیں، میں کوشش کروں گا کہ خود کو نقصان پہنچائے بغیر ہی اپنا مقصد حاصل کر لوں۔"

چند گھنٹوں کے لئے نجیب کو کسی کام سے باہر بھیج کر مفتی کاشانی نے ریشمی کو خلوتِ خاص میں لے جا کر سوالات کی بوچھاڑ کر دی، اس وقت وہ بہت برہم تھے نہیں معلوم نہیں کس طرح ان دونوں کی گفتگو کی ایک ایک بات معلوم ہو گئی، وہ آسانی سے ہار ماننے والے نہ تھے۔

انہوں نے ریشمی کو حکم دیا "سچ بتاؤ ریشمی! اس کن کٹے نے تم سے کیا کیا باتیں کیں؟"

ریشمی نے صاف انکار کر دیا، بولی "ہم دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی!"

مفتی نے آنکھیں میچ کر شرارت آمیز انداز میں کہا "اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ تم دونوں ہم آغوش بھی ہوئے تھے، تم دونوں نے ایک دوسرے کو بھینچ بھینچ کر کیا بوسے بازی نہیں کی؟"

ریشمی مزید جھوٹ نہ بول سکی۔

مفتی صاحب نے لال پیلے ہو کر کہا "تم دونوں ہم سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ آخر تمہیں یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ ہم آغوش ہو کر بوسے بازی کرو۔"

ریشمی نے ہمت کی جی کڑا کے بولی "آپ نے نجیب سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ جب وہ چند خطرناک تجارتی سفروں سے بخیر و خوبی خطیر نفع کے ساتھ واپس آ چکے گا تو آپ اسے آزاد کر کے دھن دولت کے ساتھ ہی مجھے بھی اس کے حوالے کر دیں گے، آپ کے وعدے اور عہد کے بعد سے نجیب مجھے اپنا سمجھنے لگا ہے اور میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ وہ ایسا سمجھنے میں حق بجانب ہے!"

مفتی صاحب یوں اچھل پڑے جیسے انہیں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو، یا پیروں تلے چنگاری آ گئی ہو، آواز دبا کے بولے "یہ سب جھوٹ ہے، ہم نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا، اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں، ہم اس سے اس قسم کا کوئی وعدہ کیوں کریں گے، نجیب ہمارا غلام ہے۔ ہمیں اس کا پورا اختیار حاصل ہے کہ اس سے اپنا کام لیں۔" ریشمی کا دل ڈوبنے لگا۔

مفتی صاحب نے مزید کہا "اور پھر اگر ہم اس سے اس قسم کا کوئی وعدہ کرتے بھی تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس سے خود تمہیں مطلع نہ کر دیتے۔"

ریشمی لاجواب ہو گئی۔ مفتی صاحب نے مزید ارشاد فرمایا "سخت بے وقوف انسان ہے نجیب بھی، خیر لیکن ابھی اسے ہماری اس گفتگو کا علم نہیں ہونا چاہئے!"

مفتی صاحب نے مدتوں بعد ریشمی سے دل بہلانے کی کوشش کی لیکن ریشمی کی سرد مہری نے انہیں جھنجھلا دیا۔ وہ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگی۔ مفتی صاحب

نے شانِ بے نیازی سے فرمایا "تمہاری یہ ٹھنڈی سانسیں صرف ہمارے لئے ہونی چاہئیں، یہ نہیں کہ تم ہماری آغوش میں لیٹ کر ٹھنڈی سانسیں کسی اور کے لئے بھرو۔"

انتہائی مایوسی میں نجیب کے لئے آزادی اور ریشمی کی حصولیابی کا جب کوئی چارہ نہ رہا تو وہی قدم اٹھانے پر مجبور ہو گیا جس کا اس نے ریشمی سے ذکر کیا تھا۔ ریشمی نے موقع پاکر اسے سب کچھ بتا دیا تھا لیکن جب وہ مفتی صاحب کے رویوں پر غور کرتا تو اس میں بہت زیادہ جھکاؤ اور نرمی محسوس کرتا۔ اس نے کئی بار مفتی صاحب سے گفتگو کا حوصلہ کرنا چاہا لیکن ہر بار لفظ ہونٹوں تک آکر رہ گئے۔ مفتی صاحب بھی ایک ہی شاطر اور نباض تھے نجیب کو اس بات کا پتہ تک نہ چل سکا کہ مفتی صاحب نہایت ہوشیاری سے اس کی نگرانی کر رہے ہیں،

املی آم اور نیم کے ملے جلے درختوں کے جھنڈ میں رئیس شہر یعقوب ناظر کا سُرخ محل دار العقوبت بنا ہوا تھا۔ درختوں کے نیچے بد دیانت اور بے ایمان تاجروں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جا رہی تھیں، یعقوب ناظر کے آدمی ڈنڈوں اور لاتوں سے انکی مرمت کر رہے تھے پٹنے والوں کی چیخ پکار اور آہ و واویلا سے فضا گونج رہی تھی۔ نجیب دُور کھڑے ہو کر یہ تماشا دیکھنے لگا۔ اسی مجمع میں، عالم تصور میں اس نے مفتی کاشانی کو بھی پٹتے دیکھا، اس نے دیکھا درشت مزاج اور جلادوں جیسی شکل رکھنے والے سخت دل یعقوب نے مفتی کاشانی کی داڑھی پکڑ رکھی ہے اور اسے کھینچ کھینچ کر اور جھٹکے دے دے کر گالیاں دے رہا ہے، پھر مفتی صاحب پر ڈنڈوں اور لاتوں کی بارش شروع ہو گئی۔ ان سزاؤں کے فوراً بعد اس کی خیالی آنکھیں ہزار ستونی قصرات کے صدر دروازے پر پہنچ گئیں، وہاں اس نے مفتی کاشانی کے بے سر لاشے کو لٹکا ہوا دیکھا اور ان کے کٹے ہوئے سر کو یعقوب ناظر کے آدمی گیند کی طرح ٹھوکریں مار مار کر ادھر اُدھر اُچھالتے پھر رہے تھے، پھر اس نے مفتی صاحب کے گھر اور ان کے مال و اسباب کو بحق سلطان ضبط ہوتے ہوئے دیکھا اور پھر کرنجی آنکھوں والی ریشمی یعقوب ناظر کے ساتھ اس کے سُرخ محل میں چلی گئی پھر یعقوب ناظر کے آدمیوں نے نجیب کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا، اور اس کے ساتھ بھی وہی سلوک شروع کر دیا۔ جس کے مفتی کاشانی شکار ہو چکے تھے۔ یہاں تک پہنچ کر وہ لرز گیا لیکن پھر اس نے یہ طے کر لیا کہ

جب ریشمی اور آزادی اس کی قسمت ہی میں نہیں تو پھر یہ زندگی کس لئے؟ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے، اپنی سوچ کے اس مرحلے پر پہنچ کر وہ سُرخ محل کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ کسی نے ــــ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی "نجیب!" "تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ آؤ، ہمارے ساتھ آؤ تاکہ ہم اپنے وعدے کو آخری شکل دے دیں!"

نجیب نے گھبرا کر پیچھے دیکھا مفتی صاحب کھڑے مسکرا رہے تھے، انہوں نے نجیب کو شانے سے پکڑ کر گھسیٹا۔ تھوڑی دور گھوڑا گاڑی کھڑی ہوئی تھی نجیب کسی سحر زدہ کی طرح ان کے ساتھ ہو لیا۔ مفتی صاحب نے اسے اپنے قریب ہی بٹھا لیا اور گاڑی ایک طرف چلدی، گھر پہنچ کر انہوں نے نہایت مختصر بات کی، بولے "کل نماز فجر کے بعد مسجد میں گفتگو ہوگی!"

نجیب نے ذرا ہمت سے کام لیا کیونکہ اس نے مفتی صاحب کی اس گھبراہٹ کا خوب اندازہ کر لیا تھا جو یعقوب ناظر کے محکمۂ تادیب و عقوبت کے قریب دیکھ کر ان میں پیدا ہوئی تھی، نجیب نے کہا "میں آزادی چاہتا ہوں اور ان وعدوں کا ایفا چاہتا ہوں جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، میں نے جن مشکلات اور مصائب سے گزر کر آپ کے کام کئے ہیں، اگر ان کا موعودہ صلہ نہ ملے تو پھر زندگی بیکار ہے اور جب زندگی سے دلچسپی ہی نہ رہ جائے تو پھر دنیا کے آداب اور مراتب کے لحاظ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

مفتی صاحب کے سارے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی، بولے "تمہیں یہ غلط فہمی کیوں ہوئی کہ ہم اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے؟"

نجیب نے کہا "میں اپنے حصے کا کام انجام دے چکا ہوں، اب آپ کو بھی اپنے وعدے پورے کر دینا چاہئیں!"

مفتی صاحب نے بے رخی سے کہا "تم غلط فہمی کے شکار ہو، ابھی تمہیں آخری بار، ہمارا ایک کام انجام دینا ہے۔ اس کے بعد تم ہم سے ایفائے عہد کی بات کر سکتے ہو!"

نجیب نے بھی بے مروتی سے جواب دیا "اب میں کوئی کام نہ کروں گا۔ کیونکہ آپ کی سرد مہری اور مشتبہ خاموشی نے میرا دل توڑ دیا ہے!"

اسی لمحے ریشمی بھی آگئی۔ نجیب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ آخر کار میری خدمات کے صلے میں آپ ریشمی میرے حوالے کر دیں گے، اور اب آپ ڈانواڈول ہو رہے ہیں بچ بچ کر رہے ہیں!"

مفتی صاحب مشکل میں پھنس گئے۔ ریشمی کے سامنے اس موضوع پر وہ کوئی بات بھی نہیں کرنا چاہتے تھے، پیچھا چھڑانے کے انداز میں بولے "اس مسئلے پر کل صبح فجر کے بعد بات ہو گی!"

نجیب نے جواب دیا "صبح بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہے لیکن یہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ بات چیت فیصلہ کن ہی ہو گی، آزادی، ریشمی اور خدمات کا نقد معاوضہ!"

مفتی صاحب نے ریشمی کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا "ہم تمہارے مالک ہیں، تم ہمیں کسی بات پر مجبور تو نہیں کر سکتے ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں، تم اپنا انداز گفتگو ضرور بدل دو!"

نجیب نے جواب دیا "اپنی بات پر قائم رہ کر اپنے بڑے پن کا وقار برقرار رکھیے اور میری اس امانت اور دیانت کا اعتراف کیجیے کہ میں اگر چاہتا تو بآسانی آپ کے مال اور ریشمی کو لے کر کہیں فرار ہو جاتا!"

مفتی صاحب نے ہونٹ بھینچ لیے۔ غصّے اور نفرت سے کہا "ایسا کرنا تمہارے لیے ناممکن تھا۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم ہے کہ ہماری ایک تنظیم ہے، ہم تاجر لوگ ایک باقاعدہ نظام رکھتے ہیں، ہماری تنظیم تمہیں کہیں بھی نہ چھوڑتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم ہلاک کر دیئے جاتے!"

نجیب نے کچھ زیادہ جرأت سے کام لیا، باغیانہ انداز میں اٹھا اور ریشمی کا ہاتھ پکڑ لیا، بولا "ریشمی! تم میری ہو، میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ یا تو تمہیں حاصل کر لوں گا یا جان دے دوں گا"

مفتی صاحب کرب کے عالم میں آگے بڑھے اور نجیب کے ہاتھ کو ایک شدید جھٹکے سے الگ کر دیا۔ گرج کر بولے۔

"نجیب! تم زیادہ مت بڑھو ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم کیا ہو اور کیا کر سکتے ہو!"

پھر ریشمی کو حکم دیا "تم یہاں کس کے حکم سے آئی تھیں، چلی جاؤ یہاں سے" سلطان خلجی لوگوں میں مساوات چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے لوگوں کے پاس زیادہ دولت نہ جمع ہو سکے، جب سب غریب ہوں گے تو لوگ خود بخود مساوی ہو جائیں گے لیکن سلطان

ان پڑھ ہے جاہل ہے، اسے کیا معلوم کہ دنیا میں عدم مساوات کتنی ضروری ہے"

نجیب کی سرکشی کمزور پڑنے لگی، مفتی صاحب کا پُر رعب اور دبدبے کا لہجہ طبع غلامی پر اثر کر گیا۔ اس نے مایوسی اور خوفزدہ نظروں سے مفتی صاحب کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔

مفتی صاحب اور زیادہ بپھر گئے "ہم جب چاہیں تمہیں پسّو کی طرح مسل سکتے ہیں" اس کے بعد انہوں نے تالی بجائی، جواب میں ایک بد وضع غلام حاضر ہو گیا مفتی صاحب نے اسے حکم دیا "تنبیہہ!"

غلام نے کمر سے خنجر نکالا اور چیتے کی طرح جھپٹ کر نجیب کو زمین پر گرا دیا اور خنجر کی ذرا سی نوک پہلو میں اتار دی، نجیب کی چیخ نکل گئی مفتی صاحب کی آواز گونجی "بس!"

غلام نے خنجر کی نوک نکال لی۔

مفتی صاحب نے اسی شان آمرانہ سے فرمایا "ہم چاہیں تو تم ہلاک بھی کیے جا سکتے ہو لیکن ہم تاجر بھی ہیں، اور دین دار بھی، ہم خون خرابے کے قائل نہیں ہیں، پھر غلام کو اشارہ کیا کہ نجیب کو چھوڑ دیا جائے۔ غلام نجیب کی چھاتی سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ نجیب بھی درد سے کراہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مفتی صاحب کو دیکھا اور زخم سے رستے ہوئے خون کو ہاتھ کی ہتھیلی سے داب کر روکنے کی کوشش کی۔

مفتی صاحب نے اسے نیا حکم دیا "اب تم جا سکتے ہو، کل صبح حسب وعدہ، فجر کی نماز کے بعد مسجد میں تفصیلی گفتگو ہو گی، اس درمیان تم آرام کر سکتے ہو، اور ہاں گھر سے نکلنے کی کوشش بالکل نہ کرنا، ورنہ تم خود سمجھ چکے ہو گے کہ اس جسارت کا انجام کیا ہو گا؟"

نجیب نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ واپسی کے لیے جیسے ہی قدم اٹھائے مفتی صاحب نے نیا حکم سنا دیا "ریشمی سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے وہ ہماری کنیز ہے، اگر تم نے اس کے سلسلے میں بے جا جسارت سے کام لیا تو تم پر شرعی حد جاری کی جائے گی!"

نجیب شرابی کی طرح لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

مفتی صاحب غصّے اور طنز کی نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے، جب وہ

نظروں سے اوجھل ہوگیا تو آہستہ سے بولے "غلامی، آزادی کی ہمسری کا مقابلہ کرنے چلی ہے، مساوات، خلجی نے ان کا دماغ خراب کر دیا ہے کہتا ہے کہ لوگوں کے پاس دولت نہیں رہنی چاہئے، اگر یہی ہے تو اپنا خزانہ لٹا کیوں نہیں دیتا!"

دونوں قرآن پاک کھول کر مسجد کے ایک گوشے میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ آج مفتی کاشان میں پچھلے دن جیسی سختی نہیں پائی جاتی تھی، انہوں نے کلام پاک کے اوراق پر نظر جمائے ہوئے دریافت کیا "ہاں اب یہ بتاؤ کہ تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

سہمے ہوئے نجیب نے جواب دیا "میں آپ سے کیا طلب کر سکتا ہوں؟"

"نہیں!" مفتی صاحب نے شفقت سے کہا "یہاں ہم دونوں اس لئے بیٹھے ہیں کہ جو حساب کتاب ہونا ہے، یہاں ہو جائے!"

نجیب میں پھر ہمت پیدا ہوئی، بولا "جناب والا! حساب کتاب کی کیا بات ہے، آپ نے میرے لئے جو حساب کتاب اپنے ذہن میں تجویز کر رکھا ہے اس کا اظہار فرما دیں!"

مفتی صاحب اس جواب سے خوش ہوئے، بولے "ہاں تو سنو، ہم تمہیں آزاد کر دیں گے لیکن ابھی نہیں، ہم غلّے کا کاروبار کرنا چاہتے ہیں اس کاروبار کو تم سنبھالو گے اور جب اس سے خاطر خواہ دولت کما لو گے تو ہم تمہیں اس مجموعی رقم کا معتدبہ حصّہ دے کر آزاد کر دیں گے اور یہ خواہش کریں گے کہ تم ہمیں دہلی میں نہ نظر آؤ!"

نجیب نے ناامیدی سے کہا "لیکن غلّے کے کاروبار سے ہم زیادہ نہیں کما سکیں گے، بادشاہ نے ان کے نرخ اتنے کم مقرر فرمائے ہیں کہ سالہا سال میں بھی ہم زیادہ پس انداز نہ کر سکیں گے"

مفتی صاحب نے کہا "لیکن پھر بھی وہ تمہارا اپنا کاروبار ہوگا، یہ کاروبار محض تمہارے لئے شروع کریں گے۔ بس اصل سرمایہ ہم واپس لے لیں گے نفع سب ہی تمہارا رہے گا!"

نجیب کو کچھ اطمینان ہوا، پھر بھی مفتی صاحب کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ کچھ اور بھی جاننا چاہتا ہے لیکن اس سلسلے میں زبان کھولنے کی ہمت

نہیں کر پا رہا۔

مفتی صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو کر یوں غائب ہو گئی۔ جیسے لمحوں کے لئے چاند جھلک دکھا کے دبیز اور کثیف بادلوں کی اوٹ میں چلا جائے "تم یہ کہنا چاہتے ہو، ہم خوب سمجھتے ہیں!" پھر کچھ سوچنے لگے اور خاصے توقف کے بعد بولے "تم اس کا خیال اپنے دل سے نکال دو، ہم نے معلوم نہیں کیوں اس کے بخش دینے کا تم سے وعدہ کر لیا۔ لیکن اب ہم یہ سوچتے ہیں کہ تم اسے خوش نہیں رکھ سکو گے تم دونوں ایک دوسرے کے لئے بالکل موزوں نہیں ہو، ہم ہی اسے قابو میں رکھ سکتے ہیں، تمہارے بقول یہ بلی جیسی آنکھیں رکھنے والی حسینہ کسی کی وفادار بن کر نہیں رہ سکتی، اس لئے وفا کا خیال دل سے نکال دو"

نجیب نے رقت سے کہا "لیکن جناب! آپ کے وعدے پر میں نے اس سے حسین توقعات قائم کر لی تھیں اب اس سے مایوسی میرے لئے سوہان روح ہوگی!"

مفتی صاحب پھر حقارت سے بولے "اس کا پہلا عاشق اور مالک غیاث بہت سمجھدار تھا وقت پڑتے ہی اس نے اسے علیحدہ کر دیا۔ بس اس کی ایک ہی بات ہمیں بری لگی، کہتا تھا اسلام کا چھٹا رکن بھی ہے اور یہ رکن روٹی ہے ہم اس کی یہ بات کس طرح مان سکتے تھے ہم نے اسے اس کفر کہنے پر دلی سے نکلوا دیا، روٹی کوئی چیز نہیں چھٹا رکن کس طرح بن سکتی ہے ہاں تمہارے لئے اس میں اتنی صداقت ضرور ہے کہ تم اس مفروضہ چھٹے رکن کی عدم موجودگی میں ریشمی کو خوش نہیں رکھ سکتے!"

نجیب نے افسوس سے کہا "پھر آپ جو مناسب سمجھئے۔ کیجئے!"

مفتی صاحب نے اپنا فیصلہ دو ٹوک سنا دیا، بولے "ریشمی ہمارے ساتھ رہے ہم خود بھی اسے بے حد پسند کرتے ہیں، اور پھر وہ ہمارے کچھ ایسے رازوں سے بھی واقف ہے جن کو تمہارے ساتھ رہ کر فاش کر سکتی ہے، رازوں کے اخفا کے لئے ضروری ہے ہم اپنے پاس سے ریشمی کو کسی صورت میں بھی الگ نہ ہونے دیں!"

نجیب خاموش رہا، مفتی صاحب پھر گویا ہوئے "خدا کہتا ہے کہ لوگوں کے راز افشا نہ کرو، اس کا بڑا عذاب ہے!"

نجیب نے کوئی جواب نہ دیا، مفتی صاحب بولے "تب پھر جو کچھ کہا وہ طے رہا، تم اپنی زبان بند رکھو گے۔ اگر خدانخواستہ تم نے ناعاقبت اندیشی سے کام لیا تو تمہارا ہم کوئی ذمہ نہ لے سکیں گے!"

نجیب نے ہاں یا نہ میں کوئی جواب نہ دیا۔

مفتی صاحب نے کہا "اور ایک نصیحت میری یاد رکھنا، زندگی میں اشتعال کسی کام نہیں آتا۔ راز، راز، راز بس اس نکتے کو ہمیشہ یاد رکھنا، بہت کام آئے گا۔"

حسبِ وعدہ مفتی صاحب نے نجیب کو غلّے کی دکان کھلوا دی، اور نجیب بھی تن دہی سے کام کرنے لگا۔ اس کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ بظاہر اس نے ریشمی کو اپنے دل سے نکال دیا تھا لیکن دل کی گہرائیوں میں ریشمی اب بھی موجود تھی، کبھی کبھی ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ ریشمی بھی زبان سے نکل جاتا۔ ریشمی بھی اس سے دُور ہی دُور رہتی، اگر کبھی اتفاق سے دونوں کا آمنا سامنا بھی ہو جاتا تو گھبرا کر دونوں ہی نظریں جھکا کر اِدھر اُدھر ہو جاتے اور جب یہ توقعات پوری نہ ہوئیں تو دونوں کے دلوں میں گھاؤ پڑ گئے اور ایک دوسرے کے لئے کُڑھنے لگے۔

نظام الدین اولیاؒ کا بڑا شہرہ تھا ان کے کشف کا علاء الدین خلجی تک قائل تھا۔ نجیب نے سوچا کہ ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ سے ضرور ملنا چاہئے اور ان سے اپنے اور ریشمی کے مستقبل کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

ظہر کے بعد دکان بند کر کے وہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں پہنچ گیا، وہاں لوگوں کا ایک اژدہام لگا ہوا تھا۔ بڑی مشکلوں سے وہ اندر پہنچا وہ سوچ رہا تھا۔ آزادی؟ ریشمی؟ خوشحالی؟ مفتی کا انجام؟؟

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ایک اچٹتی نظر نجیب پر ڈالی اور فرمایا۔

"دیانت کوٹھے کا آدھ سیر گوشت این خیال است و محال است۔ مفتی چھٹے رکن کا شکار، واپس جاؤ۔"

ان ناقابلِ فہم الفاظ کو حافظے میں محفوظ کر کے وہ فوراً باہر نکل آیا، اور دیر تک ان کے معنی مطالب نکالنے میں گم رہا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔

مفتی کو حضرت نظام الدین اولیاؒ پر اعتبار نہ تھا لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ نجیب وہاں گیا تھا تو انہوں نے نجیب سے دریافت کیا۔

"تم اس قاطع شرع انسان کے پاس کیوں گئے تھے؟"

نجیب نے جواب دیا "جناب والا! آج کل میں سخت ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوں، دن میں پانچ پانچ چھ چھ بار سلطانی حکام دکان میں آ کر مختلف قسم کے سوالات

کرتے رہتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مصیبت میں نہ مبتلا ہو جاؤں انہی فکروں اور الجھنوں کو دور کرنے کے لئے نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں چلا گیا تھا۔"

"نظام الدین قاطع شرع ہیں" مفتی نے نفرت سے کہا "تمہیں وہاں نہیں جانا چاہئے۔ شرعاً سماع حرام ہے لیکن نظام الدینؒ سنتے ہیں، ہم ایسے انسانوں کی شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے!"

نجیب خاموش رہا، پھر مفتی صاحب نے پوچھا "نظام الدینؒ نے کیا کہا؟"

نجیب نے صاف صاف بتا دیا "انہوں نے میری شکل دیکھتے ہی کہا، "دیانت، کوٹھے کا آدھ سیر گوشت۔ این خیال است و محال است، مفتی چھٹے رکن کا شکار، واپس جاؤ!"

مفتی صاحب ابتدائی چاروں حصّوں پر مسکرائے لیکن آخری دونوں فقروں پر سنجیدہ ہو گئے۔

دوسرے ہی دن ظہر اور عصر کے درمیان مفتی صاحب خود بھی حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضری دے رہے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے مفتی صاحب کو دیکھتے ہی فرمایا "ہم تو لوگوں کے بقول قاطع شریعت ہیں لیکن جو لوگ ہمالا کی سے کپڑوں کے تھان دہلی سے باہر بھجوا کر غیر قانونی کام کرتے ہیں، ان کی یہ حرکت کتنی شرعی ہے؟"

مفتی صاحب سہم گئے۔ انہوں نے دل میں خیال کیا "چھٹے رکن روٹی کا شکار؟ اس کا کیا مطلب ہے؟"

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا "کسی کے لئے کنواں مت کھودو، آسمان سے آوازیں آ رہی ہیں، الغیاث الغیاث (المدد المدد) لبیک کا انتظار کرو! اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے!"

مفتی صاحب نے گستاخی سے کہا "روٹی کوئی مسئلہ نہیں حضرت۔ اسے خواہ مخواہ کیوں زیرِ بحث لا رہے ہیں آپ؟"

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا "نادان! یہ روٹی ہی تو تھی، جو آدمؑ کو بہشت سے اس دنیا میں لائی تھی، اور یہ روٹی ہی تو ہے جس کی محتاجی انسان کو خدا سے برگشتہ بلکہ منکر کر دیتی ہے اور یہ روٹی ہی تو ہے جس کی نسبت سے خدا رازق اور رزاق کہلاتا ہے اور یہ روٹی ہی تو ہے جو اگر

نہ ہو تو آدمی دین و دنیا کی روسیاہی سے دوچار ہو جاتا ہے!"

مغرور مفتی نے ہونٹ سیکڑ لئے، نہایت عالمانہ انداز میں بولا "ہم بھی دینی علوم سے واقف ہیں، ہم جانتے ہیں کہ دین میں روٹی کی کیا حیثیت ہے؟"

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے تحمل اور صبر سے جواب دیا "جو روٹی کی قوت کا منکر ہو وہ کچھ نہیں جانتا۔ تو انسان کو غلام بناتا ہے کس قوت سے؟ یہ روٹی ہی تو ہے جو انسان کو انسان کی غلامی پر مجبور کر دیتی ہے۔ آدمی، آدمی کا نہیں، روٹی کا غلام ہوتا ہے، اس دنیا میں نہ کوئی عزت دار ہے نہ معتبر، نہ کوئی بے اعتبار ہے نہ کوئی ذلیل اور حقیر، یہ سارے تماشے روٹی کے ہیں، یہ اگر ہے تو آدمی معتبر ہے اگر نہیں ہے تو آدمی حقیر ہے!"

مفتی نے غصے میں کہا "حضرت! پہلے تو ہم آپ کو سماع سے دلچسپی اور اسے جائز رکھنے کی وجہ سے یوں ہی سا سمجھتے ہیں لیکن اب تقوے کے بجائے روٹی کی باتیں کرنے سے آپ اور زیادہ ہماری نظروں سے گر گئے، روٹی! روٹی!!! یہ روٹی آخر ہے کیا؟"

حضرت نظام الدین اولیاؒ نے کہا "تمہیں تو روٹی کی قدر و قیمت سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ آگاہ ہونا چاہیئے۔ تم بخیل انسان، اپنے گھر میں دوسروں کو کھاتا نہیں دیکھ سکتے اور وہ کھانا کھانے کے دوران تمہیں سر پر آیا ہوا دیکھ کر اپنی روٹیاں لے کر ادھر ادھر روپوش ہو جاتے ہیں، وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ تمہیں اپنی کنجوسی جیسی بدخصلت کی وجہ سے انہیں کھاتا ہوا دیکھ کر دکھ پہنچتا ہے۔ تم روٹی کے سب سے بڑے عاشق اور پرستار ہونے کے باوجود اس کی قوت اور بڑے پن کے منکر ہو رہے ہو!"

مفتی نے چڑ کر کہا "حضرت! اب بس بھی کیجیے!"

نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا "بس چند باتیں اور انہیں بھی سُن لیے خانۂ خدا اور تلاوتِ کلام پاک کی آڑ میں روٹی کی باتیں کرنے والے روٹی کی عظمت اور بزرگی سے کس طرح منحرف ہو سکتے ہیں!" پھر آپ نے نہایت دکھ سے کہا "دولت ...... کی ذخیرہ اندوزی سے باز آجاؤ، دولت کے احتکار سے بچو، اسے اپنی ذات اور لوگوں پر خرچ کرو۔ جن سے جو وعدے کئے ہیں انہیں پورا کرو، ورنہ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جو شخص اپنے مال و زر کو نہ تو اپنی ذات پر

خرچ کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو دیتا ہے اس کی زندگی لوہار کی دھونکنی کے مانند ہے جو سانس تو لیتی ہے لیکن اس کا شمار زندوں میں نہیں کیا جا سکتا۔"

مفتی صاحب دل ہی دل میں نظام الدینؒ کو برا بھلا کہتے چلے آئے، وہ حیران تھے کہ آخر اس درویش کو ہو کیا گیا ہے جو غنیاث کی طرح روٹی روٹی کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔

گھر کی کھانا پکانے والی بڑی بی کو چھوٹی موٹی رشوت دے کر مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں نجیب نے ریشمی سے ایک طویل ملاقات کر ہی لی۔ ریشمی اس سے وحشت زدہ، سہمی ہوئی ہرنی کی طرح ملی۔ نجیب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنے دل پر رکھ کر بولا "ریشمی! کیا تم نے مجھے واقعی فراموش کر دیا؟"

ریشمی نے ہاتھ کھینچنا چاہا لیکن نجیب نے اسے مضبوطی اور سختی سے داب رکھا تھا۔ ریشمی نے کہا "میرا ہاتھ چھوڑ دو، ورنہ مفتی ہم پر شرعی حد جاری کرا دے گا۔"

نجیب نے کہا "بس کچھ دنوں کی بات اور ہے، میں نے غلے کا کاروبار سنبھال لیا ہے جو میرا اپنا کاروبار ہے کچھ دنوں بعد میں اس میں لگی ہوئی اصل مفتی صاحب کو لوٹا دوں گا اور اس کا نفع خود رکھوں گا پھر مفتی صاحب مجھے آزاد کر دیں گے اور میں اطمینان کی سانس لوں گا!"

ریشمی ساری باتیں سن کر پھیکی ہنسی ہنس دی گویا اسے اس شیخ چلی کی باتوں پر یقین ہی نہ ہو۔

نجیب نے پوچھا "تمہیں یہ ہنسی کیوں آرہی ہے؟"

ریشمی نے کہا "تم کپڑوں ہی کے کاروبار میں واپس جاؤ، ورنہ کوئی نقصان اٹھا جاؤ گے!"

نجیب نے کہا "تم اس کی فکر نہ کرو ریشمی، اب منزل قریب ہے!" پھر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا "تم یہ بتاؤ کہ کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لئے کوئی گنجائش ہے؟"

ریشمی کسمسائی، بولی "اب ایسی باتیں نہ کرو نجیب، یہ سمجھ لو ہم دونوں نے

ایک دلچسپ اور پُرکیف خواب دیکھا جب آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ تھا۔"

نجیب نے جذباتی آواز میں کہا "تمہیں دل سے نکال دینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ جان رہے یا جائے میں تمہیں نہیں بھلا سکتا۔"

ریشمی نے پوچھا "کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ مفتی تمہیں آزاد کر دے گا؟"

"ہاں، مجھے اس کا یقین ہے!"

"تب پھر تم کچھ زیادہ سمجھ دار نہیں ہو، وہ تمہیں کبھی بھی آزاد نہ کرے گا!"

نجیب نے رنج سے کہا "ایسی بُری پیش گوئی نہ کرو ریشمی، تمہیں تو یہ دعا کرنی چاہیے کہ خدا مجھے آزادی دلائے اور تمہیں میرے حوالے کر دے۔"

ریشمی سہمی ہوئی اس کی آغوش میں دبی تھی بولی "نجیب! میرا کہنا مانو میرا خیال دل سے نکال دو، میں ذرا صاف باتیں کرتی ہوں انہیں غور سے سن کر ان کا اصل مطلب نکال لو، اگر ایسا نہ کیا تو پچھتاؤ گے اور زندگی بھر روتے رہو گے!"

نجیب اس کی شکل دیکھنے لگا، بولا "بتاؤ، تم کہنا کیا چاہتی ہو ریشمی؟"

ریشمی نے کہا "تمہاری باتوں نے مجھے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا اور میں خود بخود تم پر مائل ہوتی چلی گئی تھی لیکن بعد میں جب حقائق سامنے آئے تو مجھے بڑی کوفت اٹھانی پڑی اور یہ صدمہ میں نے کس طرح جھیلا ہے یہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے!"

نجیب نے اکتا کر کہا "ریشمی! جو کچھ کہنا ہے کھل کر صاف صاف کہو، پہیلیاں نہ بجھاؤ!"

ریشمی نے کہا "اب تمہارا کوئی مستقبل نہیں، تم غلام ہو غلام ہی رہو گے، میں کنیز ہوں لیکن کس کی؟ مفتی کاشانی کی، جس کے پاس مال و زر کی کوئی کمی نہیں ان حالات میں کوئی بھی عورت مفتی کاشانی ہی کا انتخاب کرے گی میں نے بھی اس کا انتخاب کر لیا ہے!"

نجیب کا دل ٹوٹ گیا۔ ریشمی کی صاف صاف باتوں نے اس کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس نے ریشمی کو چھوڑ دیا۔ اور غصے میں بولا "او کرنجی آنکھوں والی بلی کی نسل کی عورت، میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ تو بے وفا ہے، میں تو تجھے آزما رہا تھا۔"

ریشمی نے تلخی سے کہا "اچھا اب تم اپنا راستہ لو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ آخری بار پھر میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ غلے کے کاروبار سے کنارہ کشی اختیار کرو، یہ تمہارے لئے اچھا بیوپار نہیں ہے!"

نجیب نے بے رخی سے کہا "غلے کا بیوپار میرے لئے اچھا ہو یا بُرا، تجھے اس سے کیا مطلب، میں آزاد ہو کر دکھاؤں گا اور یہ بھی دیکھوں گا کہ ——"

ریشمی نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور باہر نکل گئی، اس کے جاتے ہی نجیب اپنے بستر پر گر گیا اور اوندھے منہ بستر سے چہرہ رگڑ رگڑ کر دیر تک روتا رہا آنکھیں سرخ اور چادر تر ہو گئی۔

گیہوں، جو، چنے، دھان، ماش اور موٹھ کے الگ الگ ڈھیر لگے ہوئے تھے، صبح سے کئی آدمی ان کے نرخ معلوم کرنے آ چکے تھے، نجیب کا کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، وہ بے دلی سے کام کرتا رہا۔ دوپہر سے ایک گھڑی پہلے ایک دس گیارہ سالہ بچہ اس کی دکان میں داخل ہوا، بچے کا غلام ساتھ تھا، بچہ بہت تیز طرار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دکان میں داخل ہو کر نجیب سے پوچھا "کیوں جناب! گیہوں کا کیا نرخ ہے؟"

نجیب نے بے دلی سے جواب دیا "ساڑھے سات جتیل کا ایک من۔"

"اور جو؟"

"فی من چار جتیل!"

"چنے کا نرخ بتایئے؟"

نجیب نے پوچھا "بچے! تمہیں لینا کیا ہے؟"

لڑکے نے سادگی سے جواب دیا "مجھے اس دکان کے سارے ہی اجناس درکار ہیں، پہلے دام تو بتاؤ ان سبھوں کے!"

نجیب رٹے ہوئے طوطے کی طرح فرفر اشیاء کے نرخ سنانے لگا دھان پانچ جتیل کا ایک من، ماش فی من پانچ جتیل، ایک من موٹھ تین جتیل کے۔"

پھر نجیب نے پوچھا "تمہیں کیا کیا درکار ہے میاں صاحبزادے؟"

لڑکے نے کہا "ہر غلہ ایک ایک سیر تول دو۔"

جب تولنے کے لئے باٹ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے تو اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ باٹ نئے اور خوبصورت تھے، اس نے خیال کیا یہ باٹ یقیناً مفتی صاحب رکھ گئے ہوں گے۔

اس نے لڑکے کو ایک ایک سیر غلہ تول دیا، لڑکے نے غلہ غلام کے حوالے کیا اور خود اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا لیکن اسی لمحے وہ لڑکا، غلام اور ایک اجنبی دوبارہ دکان میں داخل ہو گئے۔ نجیب نے پہچان لیا کہ یہ اجنبی بازار کا سخت دل اور ظالم شحنہ (کوتوال) ہے۔

شحنے کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ اس نے یہ ڈنڈا نجیب کی کمر پر رسید کیا اور بگڑ کر بولا "ہمیں تمہاری تول میں کچھ شک ہے۔ تمہارے بانٹ غلط معلوم ہوتے ہیں!"

نجیب نے کہا "بانٹ حاضر ہیں تول لئے جائیں!"

شحنے نے تالی بجائی، دو جلاد صورت نوجوان دکان میں داخل ہو گئے شحنے نے انہیں حکم دیا "بانٹوں کا وزن کرو!"

نجیب کے سامنے ہی بانٹوں کا وزن کیا گیا تو پتہ چلا کہ وہ کم وزن کے ہیں؟ اس کے بعد حساب کیا گیا تو پتہ چلا کہ لڑکے کو غلّہ آدھ سیر کم دیا گیا ہے۔

شحنے نے اسی وقت کسی قسم کا لحاظ کئے بغیر نجیب کو دکان کے باہر کھینچ اور اس کی پٹائی شروع کر دی، ڈنڈے اور لاتوں کا ایسا بے باکانہ استعمال ہوا کہ نجیب کو دن میں تارے نظر آ گئے، آس پاس لوگ جمع ہونے لگے اور یہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کرنے لگے، انہی میں ایک جھلک مفتی صاحب کی بھی دکھ دی لیکن پھر وہ روپوش ہو گئے۔ باتیں کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہی تھیں، غلے کا کاروبار، ملکیت مفتی صاحب کی، بانٹ بھی انہی کے تھے، بانٹوں کے کم وزن ہونے کی وجہ سے آدھ سیر کم غلّہ لڑکے کے ہاتھ بیچا گیا اور بازار کے شحنے نے کم تولنے کے جرم میں اسے گرفتار کر لیا۔

پھر شحنے نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "غلّہ آدھ سیر کم تھا۔ اس کی جگہ اس کے دونوں کولھوں سے گوشت کاٹ لیا جائے"

شحنے کے آدمیوں نے نجیب کو زمین پر گرا دیا اور قربانی کے جانور کی

ل جتیل تانبے کے ایک پیسے جتنے ہوتا تھا اور چوبیس تولے کا ایک سیر، چالیس سیروں کا ایک من، گویا اس اعتبار سے جتیل کی وہی قیمت تھی جو پیسے کی انگریزی عہد میں تھی۔

طرح اسے ذبح کرنا بیٹھے۔ اس نے کسمپرسی سے کہا۔

"لوگو! میری بات تو سنو، میرے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔" اس کے بعد اس نے مفتی صاحب کے کرتوتوں پر سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا۔

شحنے نے چیخ کر کہا "زبان بند کر بددیانت تاجر! غلہ تو نے کم تولا ہے اس کی سزا بھی تو ہی بھگتے گا۔ اپنا گناہ کسی اور کے سر منڈھنے کی کیوں کوشش کر رہا ہے؟"

تماشائی یہ عبرت کا تماشا ذوق و شوق سے دیکھ رہے تھے۔

نجیب کے کولھوں پر سے کپڑا ہٹا دیا گیا اور ان پر چھریاں چلنے لگیں نجیب نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

ذرا سی دیر میں اس کے دونوں کولھوں میں سے آدھ سیر گوشت نکال لیا گیا۔ کم تولنے کی یہی علاء الدین خلجی کی مقرر کردہ سزا تھی۔ اس کے بعد اس کی دکان بحق سلطان ضبط کر لی گئی۔

جب نجیب گھر پہنچایا گیا تو لوگوں نے کراہت سے اپنے منہ پھیرنے شروع کر دیئے اس کے کولھوں پر بے ایمانی اور بددیانتی کے دو داغ لگ چکے تھے، مفتی کا نشانی بھی اس سے ناراض ہو گئے۔ نجیب بہت زیادہ ذہنی کرب میں مبتلا تھا، کچھ لوگوں نے اسے یہ کہہ کر ڈرایا کہ کبھی کبھی ان زخموں میں کیڑے بھی پڑ جاتے ہیں ریشمی نے دبی زبان میں یاد دلایا "کیا میں نے تمہیں یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ تم غلے کا کاروبار مت کرو لیکن تم نہیں مانے اور کولھوں کا گوشت اتروا آئے!"

لیکن یہ ساری باتیں تو زخموں پر نمک چھڑکنے کے مصداق تھیں۔

رئیس شہر یعقوب ناظر نے نجیب کو اپنے دفتر میں طلب کیا اور اس سے بہت سارے سوالات کر ڈالے۔ نجیب نے سب کچھ بتا دیا۔ لیکن اپنے پورے بیان میں ریشمی کا نام نہیں لیا۔ یعقوب ناظر نے مفتی صاحب کو ان کی دکان سے اٹھوا لیا اور نجیب کے بیانات کی روشنی میں اس نے سوالات کرنے شروع کر دیئے، پہلے تو مفتی صاحب نے جھوٹ کا سہارا لیا لیکن جب ظالم اور سخت گیر یعقوب ناظر ڈنڈے اور زنجیر کے ساتھ ان کے روبرو آ کر کھڑا ہو گیا تو وہ لرز گئے۔

یعقوب ناظر نے انبر (لوہے اور لکڑی کی ملاوٹ سے بنا ہوا زدوکوب کرنے کا آلہ) کی چند شدید ضربیں مفتی کے کولھوں پر لگائیں تو وہ بدحواس ہو گئے۔ یعقوب ناظر نے کہا "ہم تجھے ایک رات سوچنے کا موقع دیں گے اگر تو کل بھی جھوٹ بولا تو تیرا سارا اثاثہ اور کاروبار بحق سلطان ضبط کر لیا جائے گا اور تجھے تیرے جیسے سیاہ کرتوت لوگوں کے لئے کھدوائے جانے والے کنوئیں میں قید کر دیا جائے گا۔"

مفتی صاحب کو ان کے گھر میں قید کر دیا گیا۔ انہوں نے زخمی نجیب اور ریشمی کو اپنے کمرے میں بلا کر دروازے اندر سے بند کر لئے انہوں نے نجیب کو سخت سست سناتے ہوئے کہا "تو نے ہمیں آفت میں مبتلا کیا ہے، اگر ہم چاہیں تو تجھے اب بھی ہلاک کر سکتے ہیں، کیا تو اپنے بیان سے منحرف نہیں ہو سکتا؟"

نجیب نے جواب دیا "میرے منحرف ہو جانے کا یہ مطلب ہے کہ میں جھوٹا قرار پا کر قتل کرا دیا جاؤں!"

مفتی نے لالچ دیا "ہم رئیس شہر کو رشوت میں خطیر رقم پیش کر کے تجھے بچا لیں گے!"

نجیب نے جواب دیا "لیکن آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کہ رئیس شہر اور اس کے ماتحت رشوتیں نہیں لیتے!"

مفتی نے گردن کو تکبر سے اکڑا کر کہا "رشوت کون نہیں لیتا، رشوت تو خدا کے گھر بھی چلتی ہے برے نامۂ اعمال کو صدقات، خیرات اور نیک اعمال کی رشوت سے دھویا جا سکتا ہے!"

نجیب بھی اکڑا رہا۔ بولا "میرے کولھے زخمی ہیں اور درد کی ٹیسوں نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا ہے آپ چاہے مجھے ہلاک ہی کر دیں، میں یہی کہتا رہوں گا کہ میں نے آپ کی اشیائے تجارت کو ناجائز طریقوں سے دہلی کے باہر منڈیوں میں فروخت کیا ہے، آپ نے یہ سارے معاملات خانۂ خدا میں تلاوت قرآن پاک کی آڑ میں طے کئے تھے!"

مفتی صاحب نے ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر جڑ دیا "ہم تجھے قتل کر دیں گے!"

ریشمی ان کے درمیان آ گئی، بولی "اسے مت مارو اس پر رحم کرو۔"

مفتی صاحب نے قہر کی نظروں سے ریشمی کی طرف دیکھا اور غصے میں بولے "او بھوری بلی! تو خاموش رہ۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس نے اپنے بیانات میں تیرا نام کیوں نہیں لیا۔ تو خوب یاد رکھ، جب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارا بری ہونا مشکل ہے تو ہم اپنے ساتھ تجھے بھی لے جائیں گے کیونکہ ہمارے جرائم کی ایک شریک تو بھی ہے!"

ریشمی نے جواب دیا "اور یہ بھی یاد رکھو کہ جب تم میرا نام لوگے تو میں تمہاری طرح جھوٹ کا سہارا ہرگز نہ لوں گی، نجیب سے کچھ زیادہ انکشافات میں کر گزروں گی!"

مفتی صاحب نے سوالیہ نظروں سے ریشمی کو گھورا۔ پوچھا "تو کون سے انکشافات کرے گی؟"

ریشمی نے تکلیف دہ لہجے میں کہا "کیا یہ نجیب تیری ہی سازش کا شکار نہیں ہوا۔ کیا تو نے اسے ایک سازش کے ماتحت غلے کا بیوپار نہیں کرایا تھا۔ کم تولنے کے جرم میں کولھوں کا گوشت اتروا دینا کیا تیری سازش کا حصہ نہیں تھا۔ دکان میں کم وزن کے بانٹ کس نے رکھے تھے؟ تو نے، تو نے، تو نے!"

اس انکشاف پر نجیب مظلومیت سے مفتی کی شکل دیکھنے لگا۔

"اچھا!" مفتی صاحب نے کہا "تو تم سب اس برے وقت میں ایک دوسرے کے ساتھی ہو گئے ہو کوئی پروا نہیں ہم دیکھ لیں گے کہ تم سب مل کر بھی ہمارا کس طرح بال بیکا کرتے ہو!"

کمرے کے باہر سے جھاڑو دینے کی آواز آ رہی تھی، مفتی نے چونک کر دریافت کیا "یہ اس وقت کون جھاڑو دے رہا ہے؟"

ریشمی نے ہاتھ اور سر ایک ساتھ مٹکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

مفتی صاحب نے دروازہ کھول دیا۔ بھنگن صحن کی صفائی کر رہی تھی مفتی نے ڈانٹ کر پوچھا "تم یہاں اس وقت کیسے؟"

بھنگن نے گھگھیا کر جواب دیا "حضور! کل صبح نہ آ سکوں گی، اس لئے اس وقت صفائی کئے جا رہی ہوں۔"

مفتی صاحب نے مشتبہ نظروں سے اسے گھورا اور حکم دیا "اس وقت صفائی

کی کوئی ضرورت نہیں تم بھاگ جاؤ۔"

بھنگن چلی گئی اور یہ لوگ ایک بار پھر اسی کمرے میں بند ہو کر بیٹھ رہے۔

یعقوب ناظر کے روبرو تینوں کھڑے ہوئے تھے مفتی صاحب۔ نجیب۔ اور ریشم۔ یعقوب نے انبر کی شدید ضرب مفتی کے سر پر لگائی۔ ان کا سر گھوم گیا اور وہ بلبلا اٹھے۔ یعقوب ناظر نے کہا "رشوت تو خدا کے گھر میں بھی چلتی ہے بول تو ہمیں کتنی رشوت دے گا؟" پھر ریشمی کی طرف گھوما۔ پوچھا "تو بھی اس کے جرم کی شریک کار رہی ہے؟"

ریشمی نے اثبات میں گردن ہلادی اور نظریں جھکالیں۔

یعقوب ناظر نے نجیب کو مخاطب کیا "اور تو نے اب تک اس لڑکی کا نام کیوں نہیں لیا تھا؟"

نجیب نے گردن جھکا کر جواب دیا "میں عورت ذات کی بے عزتی نہیں چاہتا تھا!"

یعقوب ناظر نے آگے بڑھ کر محبت سے نجیب کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کردی، بولا "تو مظلوم ہے تجھ پر ظلم ہوا ہے تو اس دیندار بھیڑیئے کی سازش کا شکار ہو گیا۔ ہمیں افسوس ہے لیکن اس افسوس کا کوئی فائدہ بھی نہیں اس لئے ہم افسوس بھی نہیں کرتے، تو نے شریک جرم ہو کر اس کا ساتھ دیا، ہم تیرے کوطول والی تعزیر کو اس جرم میں محسوب کئے لیتے ہیں اس جرم کی جس میں مفتی مجرم قرار دے دیا گیا ہے تجھے مزید کوئی سزا نہ دی جائے گی۔" یکایک وہ ریشمی کی طرف مخاطب ہو گیا "اور تو! تو تو بے حد حسین ہے آخر تو نے اس گرگ کا ساتھ کیونکر گوارا کرلیا۔ لیکن تو بھی کیا کرتی تو تو اس دین و دنیا کے سب سے بڑے تاجر کی کنیز تھی۔ تو نے وہی کیا جس کا تیرے آقا نے تجھے حکم دیا۔ لیکن اب تیرے مصائب کا زمانہ گزر گیا۔ تیری شکل و صورت کہتی ہے کہ تجھے کسی معزز انسان کے دل اور اس کے شاندار محل میں رہنا چاہیئے!"

پھر مفتی صاحب کو مخاطب کیا "تو اس شہر کا ایک معزز تاجر ہے اور تیری دینی حیثیت بھی ہے، جہاں پناہ کو تیرے مقدمے کی تفصیلات سے مطلع کر دیا گیا ہے، وہ تیری قسمت کا آخری فیصلہ صادر فرمائیں گے!"

اس کے بعد ان تینوں کو مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں علاء الدین خلجی کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

جب یہ تینوں شاہی محل کے پہلے دروازے پر پہنچے تو نقاروں اور نفیریوں نے شور برپا کر دیا، نقارے اور نفیری بجانے والوں کو ان کی آمد سے پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا، انہوں نے اپنے سازوں کی آواز میں آنے والوں کے ناموں کی نشر و اشاعت شروع کردی، پہلے دروازے کے باہر چبوتروں پر جلاد ننگی تلواریں لیئے بیٹھے ہوئے تھے مفتی صاحب کا خون خشک ہو گیا۔ پھر جب یہ لوگ پہلے دروازے سے گزر کر دوسرے دروازے کی طرف بڑھے تو وہاں بھی نوبت اور نقارے والوں کی چوکیاں بیٹھی ہوئی تھیں تیسرے دروازے پر متصدیوں (منشیوں) نے ان تینوں کے نام اور بارگاہ سلطانی میں حاضری کی غرض و غایت کا اندراج کر کے اندر چلا جانے دیا۔ بالکل اندر ایک شہ نشین پر خلجی ایک ریشمی گاؤ تکیے سے پشت لگائے بیٹھا ہوا تھا اس کے دائیں بائیں بھی چھوٹے چھوٹے گاؤ تکیئے رکھے ہوئے تھے جن پر سلطان نے دونوں ہاتھ ٹکا رکھے تھے وزراء اور امرا مؤدب کھڑے ہوئے تھے، تینوں کو سلطان کے روبرو لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔

خلجی مفتی کے مقدمے کی تفصیلات سے آگاہ ہو چکا تھا، رعب سلطانی سے مفتی کو تھرتھری لگ گئی۔

خلجی نے تحقیر آمیز لہجے میں مفتی کو مخاطب کیا "ہم نے سنا ہے کہ ایماندار تاجر کو قیامت کے دن شہدا کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا کیا تو نے مفتی اور عالم دین ہونے کے باوجود رسول اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا تھا!"

مفتی نے آہستہ سے کہا "سنا تھا"۔

خلجی نے اور زور سے کہا "اور تجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ما بدولت کے قوانین کتنے سخت ہیں اور ہم اپنے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو کتنی سخت سزائیں دیتے ہیں!"

مفتی کی نحیف آواز ابھری "جہاں پناہ!"

"تو اپنے گناہوں کا انکار نہیں کر سکتا۔ تیرے غلام نجیب نے تیرے خلاف جو گواہی دی ہے وہ مشتبہ ہو سکتی تھی لیکن اپنے خلاف خود تیری اپنی شہادت کس طرح غلط ہو سکتی ہے؟"

مفتی کاشانی نے اتنا خوف کبھی بھی محسوس نہ کیا تھا۔ بہت ہمت کی تو چند الفاظ ادا کر سکا "جہاں پناہ غلام نے تو اپنے خلاف ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"

خلجی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ ذرا خشمگیں لہجہ اختیار کیا۔ کہا "کیا تو نے اکثر و بیشتر یہ نہیں کہا کہ ما بدولت خواہ مخواہ مساوات کی بات کرتے ہیں، کیا تو نے اپنے غلام نجیب اور کنیز سے ناجائز کام نہیں لئے اور کیا تو نے اس غریب کو بلا وجہ سازش میں پھانس کر اس کے کولھے سے آدھ سیر گوشت نہیں کٹوا دیا اور کیا تو نے کل رات ان دونوں کو کمرے میں اکٹھا کر کے خود اپنی زبان سے اپنی سازش اور جرم کا اعتراف نہیں کیا؟"

مفتی صاحب حیران تھے کہ ان تمام باتوں کا سلطان کو کس طرح علم ہو گیا۔ خلجی نے آنکھ کے اشارے سے کسی کو کوئی حکم دیا۔ اشارہ پاتے ہی ایک ادھیڑ عمر کا شخص آگے بڑھا اور ادب سے جھک کر عرض کیا "جہاں پناہ! اگر یہ شخص کہے اس کے گھر کی بھنگن کو اس کے روبرو شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے، اس کی گھر یلو گفتگو، اس کے گھر کی بھنگن کے ذریعے جہاں پناہ کے مخبروں کو معلوم ہوتی رہی ہے جن سے یہ شخص کسی طرح بھی انکار نہیں کر سکتا۔"

اس شہادت کے بعد خلجی نے مفتی کی طرف دیکھا اب مفتی میں یارائے گفتگو بالکل نہ رہا تھا۔

خلجی نے فوراً اپنا فیصلہ سنا دیا "مجرم کا سارا کاروبار اور اثاثہ بحق دولت خلجیہ ضبط کر لیا جائے اور مجرم کو بندی خانے (قید خانے) میں قید تنہائی دی جائے اور تا فرمانِ ثانی اسے مختلف ذہنی اور جسمانی اذیتیں دی جائیں۔" اس [illegible] وہ ریشمی اور نجیب سے مخاطب ہوا "لڑکی کو ہم [illegible] ناظر کو بخشتے ہیں اور یہ شخص جس نے آزادی اور لڑکی کی [illegible] یں جو آئین شاہی کے خلاف افعال کا ارتکاب کیا، اس کو محض اس لئے رہا کر دیا جائے کہ یہ پہلے ہی بے گناہ سزا پا چکا ہے لیکن رہائی کے بعد یہ شخص کسی کاروباری ادارے جمعیت یا شخص کی ملازمت نہیں کر سکتا۔"

ریشمی یعقوب ناظر کے حوالے کر دی گئی، نجیب نظام الدین اولیاؒ کی خدمت

میں جا کر طمانیت قلب کا انتظار کرنے لگا۔ مفتی کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اسے جس کوٹھڑی میں رکھا گیا تھا اس کے آس پاس دُور دور تک کسی جاندار کا گزر نہ تھا۔ پہلے ہی دن قید خانے کے نگران نے انبر سے مار مار کر اسے بُری طرح لہولہان کر دیا، اس تشدد سے شانے ہتھیلیاں پنڈلیاں اور پیٹ پر گہرے زخم آئے اس کا کھانا پانی بھی بند کر دیا گیا نگران ہر دو گھنٹے بعد آتا اور پٹائی اور گالیوں سے نواز کر چلا جاتا دو دن گزر گئے لیکن اسے کھانا نہیں دیا گیا۔ پانی کے لئے اس کا دل ڈوبنے لگتا لیکن اب وہ آنکھوں تک میں نہ رہا تھا۔ دماغ سنسنانے لگا۔ اعصاب جواب دینے لگے، دل بیٹھنے لگا۔ نقاہت کے دورے پڑنے لگے، زبان خشک ہو چکی تھی حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے، لعاب دہن تک خشک ہو چکا تھا۔

تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پتھر کا تکیہ لگائے لہولہان مفتی صاحب بھوک اور پیاس سے بے تاب ادھ کھلی آنکھیں درِ زنداں سے لگائے لیٹے تھے یکایک دروازہ کھلا اور نگران اندر داخل ہوا مفتی کاشانی بے سدھ پڑے رہے نگران ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ بولا "مفتی! ہمیں افسوس ہے کہ تمہیں اس وقت تک کھانے اور پانی سے دور رکھیں گے جب تک تم پر نزع کا عالم نہ طاری ہو جائے۔ موت سے بچانے کے لئے آخری لمحات میں تمہیں کھانا پانی نہایت معمولی مقدار میں فراہم کر دیا جائے گا یہی سلطانی فرمان ہے اور ہم اس کی تعمیل پر مجبور ہیں!"

مفتی صاحب نے خفیف آواز میں کہا "ہم مر رہے ہیں کچھ کھانا اور پانی فراہم کردو، انسانیت کے نام پر، اللہ کے نام پر، ہمارا دم کھنچ رہا ہے، اب تکلیف ناقابل برداشت ہے!"

نگراں نے سرد مہری سے جواب دیا "شاہی فرمان کے خلاف ایک شرط پوری ہونے پر اپنے طور پر ہم تمہارے لئے اچھے اچھے کھانے اور ٹھنڈے پانی کا انتظام کر سکتے ہیں!"

مفتی صاحب نے سوالیہ نظروں سے نگراں کو دیکھا اور کمزور آواز میں پوچھا "کس شرط پر؟"

نگراں نے جواب دیا "ہم نے شاہی فرمانوں کی تعمیل میں سینکڑوں انسانوں کو قتل کیا ہے اور ہزاروں گناہ کئے ہیں ہمارا نامہ اعمال گناہوں کی سیاہی سے تاریک ہو چکا ہے ہم اسے دھو دینا چاہتے ہیں!"

مفتی کاشانی نے حسرت سے پوچھا "اس سلسلے میں ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

نگراں نے کہا "ہمیں معلوم ہوتا ہے تم نے بے شمار نمازیں پڑھی ہیں، تہجدیں ادا کی ہیں اور ہزاروں بار قرآن ختم کیا ہے، ہم چاہتے ہیں تم اپنی نمازوں کا ثواب تحریری طور پر ہمارے نام کر دو!"

مفتی صاحب نے حیرت سے نگراں کو دیکھا، پوچھا "لیکن یہ کس طرح ممکن ہے؟ کیا خدا اس منتقلی کو قبول کر لے گا؟"

نگراں نے جواب دیا "اس کی فکر تم کیوں کرو، یہ ہم پر اور خدا پر چھوڑ دو، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تم ہماری تحریر پر بس دستخط کر دو، دستخط کرتے ہی تمہیں کھانا پانی فراہم کر دیا جائے گا!"

مفتی صاحب کے نفس نے انہیں مشورہ دیا "تین فاقوں میں تو حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے اور پھر کیا تحریر دینے سے ہماری نمازوں کا ثواب اس شخص کو منتقل ہی ہو جائے گا؟"

انہوں نے نگراں سے کہا "لاؤ وہ تحریر کہاں ہے؟"

نگراں نے کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا، اس میں لکھا تھا۔

"اگر نگراں دبندی خانہ، ہمیں پیٹ بھر کھانا اور ٹھنڈا پانی عطا کر دے گا تو اس کے عوض ہم اپنی جملہ نمازوں کا ثواب بخوشی اسے دے دیں گے اور خدا سے دعا کریں گے کہ وہ ہماری نمازیں اس کے نام منتقل کر دے۔"

تحریر پڑھ کر مفتی صاحب نے کہا "پہلے کھانے پینے کا انتظام تو کر دو۔"

نگراں نے آہستہ سے تالی بجائی، جواب میں ایک شخص کھانے کی قاب لے کر اندر داخل ہو گیا، کھانے کی لطیف اور لذیذ خوشبو ناک کی راہ سے معدے میں داخل ہو کر انقلاب برپا کرنے لگی، آدمی کے دوسرے ہاتھ میں پانی کا لوٹا تھا۔ اب ان میں صبر کا یارا۔ نہ رہا تھا، قاب کی طرف بے چینی سے بڑھے لیکن نگراں نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر روک لیا، بولا "نہیں، پہلے دستخط، بعد میں کھانا!"

مفتی صاحب نے بے جھجک کاغذ پر دستخط کر دیئے، کھانا ان کے حوالے کر دیا گیا۔ مفتی صاحب کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ نگراں نے کاغذ کرتے کی جیب میں رکھ لیا۔ مفتی صاحب کھانے پر ٹوٹ پڑے نگراں نے کاغذ کرتے کی جیب میں رکھ لیا۔ مفتی صاحب اس بے صبری سے کھانا کھا رہے تھے کہ کچھ منہ میں جا رہا تھا اور کچھ گر رہا تھا، شکم سیر ہونے سے پہلے کئی بار

لوٹے کو منہ سے لگا لیا، خوب اچھی طرح کھا پی چکنے کے بعد ان پر نشہ سا طاری ہو گیا اور بے دم ہو کر گر گئے۔ نگراں آدمی کے ساتھ خالی برتن اور لوٹا لے کر واپس چلا گیا۔

مفتی صاحب خوش تھے کہ چلئے کھانے پینے کا تو انتظام ہو گیا لیکن یہ ان کی خام خیالی ثابت ہوئی۔ شام گزر گئی، رات آگئی، پھر رات بھی گزر گئی، دن طلوع ہوا، پھر دن بھی ڈھل گیا، شام سے رات ہو گئی مگر کھانے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ معدے اور آنتوں کا پھر وہی حال ہو گیا اور وہ دو دن بعد پھر اسی پچھلی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ اور جب مفتی صاحب پر پھر بھوک پیاس کا شدید غلبہ ہوا تو حریص اور گناہگار نگراں نے ان کے آگے پھر ایک کاغذ بڑھا دیا۔ اس میں لکھا تھا "ہم اپنی جملہ تہجدوں کا ثواب نگراں بندی خانے کے نام منتقل کر رہے ہیں، یہ ہمیں اس کے صلے میں پیٹ بھر کھانا اور پانی فراہم کرے گا۔"

کاغذ پر دستخط ہو گئے اور مفتی صاحب کو پیٹ بھر کھانا پانی مل گیا۔

مفتی صاحب کو بہت غصہ آرہا تھا۔ بندی خانے کا نگراں تو بڑا ہی کاروباری اور لالچی نکلا۔

اس کے بعد مفتی صاحب کو تین دن پھر بھوکا رہنا پڑا۔ اور اس بار پھر انہیں ایک اور کاغذ پر دستخط کرنے پڑے جس پر لکھا تھا "ہم اپنی جملہ تلاوتوں کا ثواب بندی خانے کے نگراں کے نام منتقل کر رہے ہیں، یہ ہمیں اس کے صلے میں پیٹ بھر کر کھانا اور پانی فراہم کرے گا!"

شکم سیر ہو چکنے کے بعد مفتی صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے نگراں کو روک لیا اور نہایت لجاجت سے پوچھا "اب ہمارے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں رہا، کیا تم ہمیں پھر بھوکا پیاسا رکھو گے؟"

نگراں نے بے مروتی سے جواب دیا "ہم تمہیں جو کچھ دے رہے ہیں شاہی فرمان کے خلاف دے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب تمہیں کسی معاوضے کے بغیر کس طرح دیا جا سکتا ہے؟"

مفتی صاحب نے آنے والے دنوں کی اذیتوں کے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور رونے لگے۔

لیکن مفتی صاحب کو مزید مصیبتیں نہیں جھیلنا پڑیں، ایک خصوصی شاہی فرمان کے ذریعے انہیں رہا کر دیا گیا لیکن اس میں یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ اب یہ کوئی کاروبار نہیں

کرسکیں گے۔

قید خانے سے نکل کر انہوں نے اپنا منہ چادر میں چھپالیا اور چوروں کی طرح چھپتے چھپاتے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے اور دور سے حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ اب اس میں کوئی شحنہ رہتا تھا۔ دنیا تاریک ہوچکی تھی دہلی میں کوئی پناہ کی جگہ نہ نظر آتی تھی، لے دے کے ایک ہی در پناہ گاہ نظر آرہا تھا وہ در تھا نظام الدین اولیاؒ کی بارگاہ، جب یہ چادر میں منہ چھپائے وہاں پہنچے تو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

کچھ دیر بعد جب انہیں باریابی کی اجازت ملی تو مفتی صاحب کے قدم ڈگمگانے لگے۔

حضرت نظام الدینؒ نے مفتی صاحب کو اس طرح دیکھا جیسے انہیں کسی بات کی خبر ہی نہ ہو، پوچھا "کہو، کیسے آنا ہوا؟"

مفتی کاشانی نے خوشامدانہ عرض کیا "حضور اگر اجازت دیں تو یہ ناکسار کچھ عرصے آپ کی خدمت میں رہ لے۔"

حضرت نظام الدینؒ نے کہا "ہم قاطع شرع ہیں تم ہمارے ساتھ کس طرح رہ سکتے ہو؟"

مفتی شرمندہ ہوکر بولے "حضرت! ہم شرمندہ ہیں ناچیز کو معاف کردیا جائے!"

حضرت نظام الدینؒ نے اچانک سوال کیا "کیا تمہیں اسلام کے چھٹے رکن پر یقین ہے؟"

مفتی صاحب کی ہٹ دھرمی پھر عود کر آئی۔ نگراں قید خانے کے ساتھ جو معاملہ پیش آچکا تھا اس کا کسی اور کو کوئی علم نہ تھا۔ مفتی صاحب نے رک رک کر بدقت تمام عرض کیا۔

"حضرت! ہم نے دینی علم حاصل کیا ہے، جو چیز دین میں داخل نہیں ہے، اسے ہم کس طرح مان لیں، روٹی اسلام کا چھٹا رکن ہے یہ ہم کس طرح کہہ دیں!"

حضرت نظام الدینؒ نے مصلے کا کونا اٹھایا اور نگراں قید خانے کو دی ہوئی تینوں تحریریں نکال کر مفتی صاحب کے حوالے کردیں، بولے "انہیں حفاظت سے اپنے پاس رکھ لو۔"

مفتی صاحب نے شرمندہ ہوکر تینوں تحریریں لے لیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور آہستہ آہستہ کہا "حضرت! ہم نادم ہیں، اس چھٹے رکن سے کون انکار کرسکتا ہے بھلا؟"

یہیں نجیب بھی موجود تھا، مفتی صاحب کی جب اس سے نظریں چار ہوتیں تو ان کی کچھ عجیب کیفیت ہوجاتی۔

نجیب کے زخم مندمل ہوگئے تو اسے ریشمی بے اختیار یاد آئی۔ یہاں کا روحانی

ماحول بھی اس کے سوزِ نہانی پر غالب نہ آسکا۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ ریشمی کے لئے حضرت نظام الدین رحؒ سے درخواست کرے لیکن ہمت نہ پڑی۔

ایک دن چاشت کے وقت نجیب حضرت نظام الدینؒ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اور درخواست پیش کرنے کے لئے مناسب لفظوں کی تلاش میں تھا کہ بارگاہ کا خادمِ خاص اندر داخل ہوا اور عرض کیا "حضرت! یعقوب ناظر حاضری کا طلب گار ہے۔"

آپ نے لاپروائی سے جواب دیا "بلاؤ!"

تھوڑی دیر بعد یعقوب ناظر اندر آگیا۔ اس کے پیچھے چادر میں لپٹی ہوئی ریشمی بھی موجود تھی۔ یعقوب ناظر آپ کے قدموں میں بیٹھ گیا اور مؤدبانہ عرض کیا "ارشاد مبارک کی تعمیل میں غلام حاضر ہے!"

آپ نے اپنے پاؤں کھینچ لئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے، نجیب سے فرمایا "نجیب! تو اس روحانی ماحول ۔ کبھی نہ حاصل کرسکے گا۔ تیرا دل صنم آشنا ہے!" پھر چادر میں لپٹی ہوئی ریشمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "جس سراب کے لئے تو سرگرداں تھا تیرے پیچھے موجود ہے، اسے لے اور کہیں چلا جا۔"

یعقوب ناظر نے عاجزانہ عرض کیا "ریشمی جہاں پناہ کا عطیہ تھی، غلام نے جہاں پناہ کو حضور کی منشا سے آگاہ کیا تو ہمیں فوراً ہی یہ حکم ملا کہ ریشمی کو حضرت کے حوالے کردیا جائے، وہ جسے چاہیں عطا کردیں۔"

حضرت نظام الدینؒ نے متبسم ہوکر فرمایا "ہاتھی کی بخشش دنیاداروں کے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔ لیکن ہاتھی کا رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ریشمی بھی نجیب کے حق میں ہاتھی ہے اس ہاتھی کی پرورش کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔"

یعقوب ناظر نے مؤدبانہ جواب دیا "یہ غلام حضور کی منشاء سے جہاں پناہ کو آگاہ کردے گا۔"

"اس وقت تک" حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا "ان دونوں کو اپنے ساتھ رکھو!"

اس کے بعد آپ نے حاضرینِ مجلس سے باآوازِ بلند ارشاد فرمایا "لوگو! اس واقعے میں بڑی عبرتیں ہیں" پھر اپنے سامنے سر جھکائے ہوئے مفتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ مفتی جو ہمارے سامنے سر جھکائے بیٹھا ہے اس نے زندگی بھر اپنے نفس کی اطاعت کی اور خدا کے عذاب کو بھول گیا۔ اس نے زر و جواہر کا ذخیرہ کیا اور یہ بھول گیا کہ اس طرح وہ پانی کی سطح پر اپنے گھر کی تعمیر کررہا ہے، اس نے حقداروں کے حق مارے اور یہ بھلا بیٹھا کہ دولت مثل بچھو کے ہے جس کے ڈنک سے اس کا مالک بھی محفوظ نہیں رہتا۔ اس نے ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ

کیا لالچی نفس نے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیا اور یہ اتنی سی بات نہ سمجھ سکا کہ دولت گزیدہ پر سانپ کے زہر جیسا نشہ چڑھتا ہے جو بالآخر اسے ہلاک کر دیتا ہے' لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ تمہارے وہ مال اور دولت جو حاجت مندوں پر نہ خرچ کئے گئے ہوں گے قیامت کے دن یہ سانپ بن کر تمہیں ڈسیں گے ذرا چشم عبرت سے دیکھو کیا یہی سانپ اور بچھو تمہیں اس دنیا میں ہی نہیں ڈس رہے ہیں؟"

ان ارشادات کا سب ہی نے اثر قبول کیا لیکن مفتی پر ان کا کچھ اور ہی اثر ہوا وہ سر جھکائے بچشم تر فرمودات کی صداقت کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کر رہے تھے۔

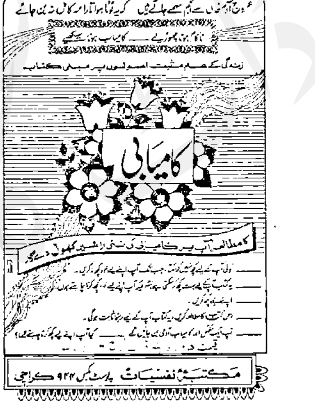

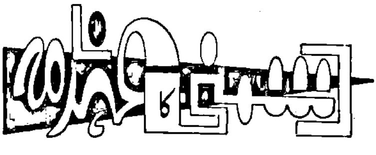

نادر شاہ کے دور میں دو دوستوں نے آپس میں دوستی اور یگانگت کا ایک بے مثل معاہدہ کیا۔ لیکن بعد میں دونوں بے حالات اور واقعات کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئے۔ انسانی نصیب کے عروج و زوال کی اس عبرتناک کہانی میں مصنف کا سحر طراز قلم ناقابلِ فراموش کام کر گزرا ہے۔ ایک غیر معمولی خوبصورت کہانی۔

وہ دونوں ہم مکتب تھے، دونوں نے نظام الملک طوسی کی ایک یادگار درس گاہ سے تعلیم حاصل کی تھی، دونوں ہی بلا کے ذہین تھے لیکن مزاج اور طبیعتیں مختلف رکھتے تھے، فیروز تند خو، گرم مزاج، حاسد، مطلب پرست اور خونخوار طبیعت رکھتا تھا تو اسدی نرم مزاج، مصلحت اندیش، فکر و تدبر کا پیکر اور دوسروں کی ترقی اور خوشحالی پر خوش ہونے والا مخلص انسان تھا لیکن جنگجو دونوں تھے، اسدی کے ہتھیار اور شجاعت دشمنوں کے لئے تھے، مگر فیروز کی دلیری اور ہتھیار ہر ایک کے لئے تھے، تند خو اور طرار فیروز زندگی کی بابت بڑا غلط نظریہ رکھتا تھا وہ کہتا تھا کہ اصل چیز مطلب برآری ہے وہ کسی طرح بھی نکلے چوکنا نہیں چاہیئے لیکن اسدی کا کہنا تھا کہ زندگی کوئی بھی ہو اس کا کوئی اصول ضرور ہونا چاہیئے۔

ایک دن اُن دونوں نے تین بڑوں کے عجیب و غریب پیمان کا سبق پڑھا اور اس سے بہت متاثر ہوئے، یہ تین بڑے انسان نظام الملک طوسی، عمر خیام اور حسن بن صباح تھے، یہ تینوں ہم مکتب تھے، طالب علمی کے دوران ان تینوں نے آپس میں یہ عہد کیا تھا کہ جب تینوں درس گاہ سے فارغ التحصیل ہو کر زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھیں گے تو ان میں جو ہم سبق غیر معمولی ترقی کر جائے گا وہ بقیہ دونوں کی مدد کرے گا۔ بعد میں نظام الملک طوسی ملک شاہ سلجوق کا وزیر اعظم بن گیا۔ عمر خیام نے علم نجوم، شاعری اور فلسفے میں نام پیدا کیا اور ملک شاہ سلجوق کا ندیم ہو گیا۔ حسن بن صباح کچھ بھی نہ بن سکا اور دونوں ساتھیوں کو بچپن کا عہد یاد دلا کر تعاون اور امداد کا طالب ہوا جب ان دونوں نے یہ سبق پڑھا تو اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی طبیعت بے ساختہ اسی نوع کے عہد و پیمان پر راغب ہونے لگی، چنانچہ ایک دن دونوں نے کلام پاک کو درمیان میں رکھ کر اس پر اپنے اپنے ہاتھ رکھے اور عہد کیا۔

"میں اسدی، شاندیز کا رہنے والا عہد کرتا ہوں کہ اپنے دوست اور ہم سبق

فیروز کی ہر مرحلے پر مدد کروں گا۔ یہاں تک کہ جان تک دینے سے گریز نہ کروں گا۔ لیکن ناجائز معاملوں میں پہلے خود غور کروں گا پھر اس پر عمل یا لاتعلقی اختیار کروں گا!"

فیروز نے عہد کیا۔

"میں فیروز، متوطن تبریز اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ اپنے دوست اور ہم سبق اسدی کی ہر مرحلے پر مدد کروں گا یہاں تک کہ جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں گا اور اس سلسلے میں جائز اور ناجائز کی کوئی تخصیص نہ ہوگی!"

فیروز نے کہا۔ "اسدی!" تمہیں بھی اسی قسم کا عہد کرنا چاہیے!"

اسدی نے جواب دیا۔ "ناممکن، افسوس کہ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں اور جائز معاملوں ہی میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

دونوں فارغ التحصیل ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے، فیروز تبریز چلا گیا اور اسدی نے شاندیز کا رخ کیا۔ اس بات کو دس سال گزر گئے۔ فیروز تبریز کے حاکم کے پاس ملازم ہو گیا اور اسدی درس و تدریس کر کے گزر اوقات کرنے لگا۔ بظاہر دس سال کا عرصہ یوں گزرا جیسے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف یا عہد فراموش ہیں لیکن یہ بات نہیں تھی۔ دونوں اس دس سالہ عرصے میں اپنی لیاقت اور قابلیت کے مطابق وہ منصب اور مرتبہ نہیں حاصل کر سکے تھے جس سے وہ اپنا عہد نباہ سکتے۔ فیروز سوچتا تبریز کے حاکم کی حیثیت ہی کیا، جب تک ایران کے حکمران کے دربار سے کوئی اعلا منصب نہ حاصل ہو ایفائے عہد کے لئے کچھ سوچنا ہی فضول ہے، اسی طرح اسدی یہ سوچتا کہ درس و تدریس کی زندگی ہی کیا، اس میں خواری کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔

ایک دن رات کے پچھلے پہر فیروز اسدی کے دروازے پر یوں پہنچا کہ گھوڑے پر اس کے آگے ایک حسین لڑکی بیٹھی تھی، اور دروازہ کھلنے پر فیروز لڑکی کو لے کر ڈرا سہما گھر کے حجرے میں داخل ہوا۔ مچھلی کی چربی کا چراغ اسدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ اس کی روشنی میں اپنے ہم مکتب کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ فیروز نے اندر داخل ہوتے ہی دروازے بند کر لئے اور اس سے پشت بھڑا کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی اس کے سامنے وحشی ہرنی کی طرح کھڑی تھی۔

اسدی نے پریشان ہوتے ہوئے لکنت زدہ آواز میں کہا۔ "تم.... تم یہ تم ہو، شاید فیروز؟"

فیروز کی پیشانی پر ناگواری سے لکیریں ابھر آئیں آواز کو داب کر درشت لہجے

میں کہا۔ "ہاں، یہ میں ہوں فیروز، شاید نہیں یقیناً اور واقعی فیروز ہوں، کیا تم اپنے ہم مکتب کو اتنی جلدی بھول گئے جس نے تم سے تین بڑوں جیسا ایک عہد کر رکھا ہے!"

پریشان حال اسدی یہ سمجھا کہ شاید فیروز اپنا عہد نبھانے آیا ہے اور وہ عنقریب کسی بڑے منصب پر فائز ہونے والا ہے، بولا۔ "ہاں ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم فیروز ہو اور وہ عہد بھی یاد ہے جو تم نے مجھ سے کر رکھا ہے!"

فیروز نے تلخ مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "صرف میں نے ہی نہیں ہم دونوں نے جو عہد کیا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے، اور آج اسی عہد کے پیش نظر تم سے مدد کا طالب ہوں!"

پریشان اور فکر مند اسدی، فیروز کی صورت دیکھنے لگا۔

فیروز نے کہا۔ "اسدی! میری صورت مت دیکھو، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے!" پھر لڑکی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "یہ تمہارے دوست فیروز کی بیوی شیریں ہے میں اصفہان جا رہا ہوں، نادر شاہ افشار کے دربار میں قسمت آزمائی کی نیت سے اگر کام بن گیا تو شیریں کے ساتھ ہی تمہیں بھی بلا لوں گا اور نہ بنا تو واپس آ کر اپنی امانت واپس لے لوں گا!"

اسدی نے تشویش سے کہا۔ "لیکن یہ معاملہ کیا ہے؟ اپنی بیوی شیریں کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے اور یہ کہ ایک حسین اور نوجوان لڑکی کو میرے پاس ایک غیر معینہ مدت کے لئے چھوڑ کر مجھے آزمائش میں کیوں مبتلا کئے جا رہے ہو، آخر یہ اسرار کیا ہے؟"

فیروز نے برا سا منہ بنایا۔ بولا۔ "تم پہلے سے کچھ زیادہ ہی منطقی ہو گئے ہو، افسوس میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، تعاقب میں آنے والے چند ساعتوں بعد یہاں پہنچ گئے، میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے ہی یہاں سے فرار ہو جاؤں!"

اسدی جو کچھ جاننا چاہتا تھا وہی نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ فیروز نے کچھ سکوت کے بعد کہا۔ "اسدی! اگر میں تمہاری بابت یہ نہ جانتا ہوتا کہ تم شریف النفس اور ایک صاحب کردار انسان ہو تو کبھی بھی اپنی بیوی شیریں کو یہاں تمہارے پاس نہ چھوڑتا۔ میری بیوی ہے اسے تم امانت کی طرح اس وقت تک اپنے پاس رکھو گے، جب تک کہ میں خود واپس نہ آؤں یا اسے بلا نہ لوں، بس اور کچھ نہیں!"

شیریں ٹکا ٹکا اسدی کو دیکھ رہی تھی، فیروز نے شیریں سے کہا۔ "شیریں! مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے کئی صدمے جھیلنے پڑے لیکن ان صدموں سے مفر کی

کوئی راہ بھی تو نہ تھی، مجھے امید ہے کہ تم میرے بعد زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤ گی اور خود کو وفادار، صابر، محبوب پرست اور ہر حال میں تابع لڑکی ثابت کرو گی!"

اسدی نے اپنی الجھن ظاہر کی بولا "فیروز! یہ میرا حجرہ ہے میں اس حجرے میں بچے پڑھاتا ہوں، حجرے کے دوسری طرف اندر میرے والدین رہتے ہیں، یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم سیدھے میرے حجرے میں آگئے اور بہت سارے اُن سوالات سے بچ گئے جو میرے والدین تمہیں شیریں کے ساتھ بدحواس دیکھ کر کرتے لیکن یہ بھی طے ہے کہ جب تم شیریں کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو میرے والدین وہی سوالات مجھ سے کریں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے اور شیریں کے بارے میں ذرا تفصیل سے کچھ بتا دو!"

فیروز نے کہا "میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اپنی داستان سناؤں، لوگ میرے تعاقب میں ہیں، چلتے چلتے میں تم سے یہ درخواست کروں گا کہ اگر پیچھا کرنے والے یہاں تک آجائیں تو شیریں کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا، یہ میری امانت ہے!"

اسدی جیسے خواب دیکھ رہا تھا، ایک پریشان کن خواب، فیروز آگے بڑھا شیریں کو اپنی آغوش میں لے کر کئی بوسے لئے بولا "میری جان! خدا حافظ۔ میں نے تمہارے لئے اپنی زندگی داؤں پر لگادی ہے!"

اس نے شیریں کے گال تھپتھپائے اور واپسی کے لئے مڑا۔ شیریں نے پریشان لہجے میں پوچھا "میں تمہارا کب تک انتظار کروں گی؟"

"کم از کم ایک سال!"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد!" فیروز کچھ سوچتا ہوا بولا "اس کے بعد تم آزاد ہو گی، اپنے بارے میں خود فیصلہ کرو گی کہ تمہیں کس طرح زندگی گزارنی ہے!"

فیروز خواب و خیال بن کر آیا اور اسی طرح چلا گیا۔ اسدی کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت؟

شیریں رو رہی تھی، پھر ہچکیوں کی آواز آنے لگی اسدی اس کے قریب گیا اور اسے بیٹھنے پر مجبور کرنے لگا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ہوا کا جھونکا داخل ہوا اور چراغ جھلملانے لگا اس نے دروازہ بند کیا لیکن پھر معلوم نہیں کیا سوچا کہ

باہر نکال کر کچھ دیکھنے لگا فیروز رات کی تاریکی اور تاروں کی ہلکی روشنی میں سائے کی طرح ایک طرف جاتا دکھائی دیا۔ اسدی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور شیریں سے کہنے لگا "میں تمہاری داستان سنوں گا، خوب تفصیل سے سنوں گا لیکن شاید یہ وقت داستان سننے کا نہیں ہے کیونکہ فیروز کے بقول چند پیچھا کرنے والے یہاں پہنچنے ہی والے ہیں، تمہیں ذرا پریشانی تو ضرور ہو گی لیکن یہ پریشانی جلد ہی راحت اور اطمینان میں بدل جائے گی، میں تمہیں حجرے میں بند کر کے چراغ بجھا کر اندر چلا جاؤں گا اور جب متعاقبین کا خطرہ ٹل جائے گا۔ تب میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گا اور تم سے تمہاری داستان سنوں گا" پھر کچھ رک کر بولا "اور یہ دشوار مسئلہ بھی میرے لئے دردِ سری کا باعث بن گیا ہے کہ تمہارا اپنے والدین سے تعارف کس طرح کراؤں گا!"

شیریں کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ بدستور آنسو بہاتی رہی اسدی نے ذرا سختی سے کہا۔

"رونا دھونا بند کرو، ہچکیوں کی آواز نہیں آنی چاہئے کیا تم اپنے ساتھ ہمیں بھی برباد کر دینا چاہتی ہو، تمہاری آہٹ ہمیں تباہ و برباد کر دے گی!"

شیریں کی ہچکیاں بند ہو گئیں، اسدی اسے تنہا چھوڑ کر اندر چلا گیا وہ بہت پریشان تھا اور خوب جانتا تھا کہ گھوڑے کی ٹاپوں کے نشانات کی رہنمائی میں پیچھا کرنے والے اس کے حجرے کے دروازے تک آکر رہیں گے اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پیچھا کرنے والوں کی آمد میں جتنی تاخیر ہو رہی تھی اس سے وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچ رہا تھا کہ رات کی تاریکی میں فیروز انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ضرور ہو گیا ہے اور اندھیرے میں گھوڑے کی ٹاپوں کے نشانات تلاش کرنا آسان بات نہیں ہے، یہ خطرہ صبح تک تو ٹل سکتا تھا لیکن دن کے اجالے میں وہ لوگ بآسانی یہاں تک آجائیں گے، خطرے سے بچنے کے لئے اسے ایک انوکھی ترکیب سوجھی، وہ کلہاڑی لے کر باہر نکل گیا پھر اس نے اپنا گھوڑا نکالا اور اس پر سوار ہو کر اس شاہراہ پر پہنچ گیا جس سے فیروز آیا تھا اور بڑی دیر تک گھوڑے کو ادھر اُدھر بھگاتا رہا یہاں سے وہ ادھر اُدھر دور دور تک گھوڑے کی ٹاپوں کے لاتعداد نشانات بچھ گئے اور ان میں فیروز کے نقش پا تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر میں اس نے اس شاہراہ پر دور تک گھوڑا دوڑایا جس سے فیروز آیا تھا اور اسدی سے مل کر اسی پر آگئے

روانہ ہوگیا تھا۔ اِدھر سے فارغ اور مطمئن ہوکر اسدی گھر چلا آیا۔ بوڑھا باپ اس عجیب و غریب ذہنی کیفیت اور جنون کا کوئی مطلب نہ نکال سکا۔

صبح فجر کی نماز کے بعد اسدی اپنے حجرے میں چوروں کی طرح داخل ہوا۔ شیریں فرش پر دراز نظریں چھت سے گاڑے بے سُدھ لیٹی ہوئی تھی اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر شیریں سے کہا "صبح بخیر، کہو رات کیسی گزری؟"

شیریں نے اُچاٹ اور دل گرفتہ لہجے میں جواب دیا "بہت ہی بُری، جب ذرا آنکھ لگی۔ بڑے ڈراؤنے خواب دکھائی دیئے!"

اسدی نے جستنی اَن سُنی برابر کردی، بولا "میں آج تمہیں اپنے والدین سے مِلادوں گا۔ کیا تم اپنی داستان سُنانا ناپسند کروگی؟"

شیریں نے رُک رُک کر جواب دیا "میری کوئی داستان نہیں، میں تبریز کے حاکم کی بیٹی ہوں، فیروز میرے باپ کا ملازم تھا وہ مجھ سے محبت کرنے لگا۔ پھر میں بھی محبت کرنے لگی۔ فیروز نے شادی کرنی چاہی لیکن میرا باپ آمادہ نہ ہوا۔ فیروز نے اپنی مجبوری اور بے بسی کا بڑے دُکھ سے اظہار کیا۔ میں نے اس سے وعدہ کرلیا کہ کچھ بھی ہو، میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی، اسی درمیان میرے والد کو طوس کی طرف آنا پڑا۔ میں نے ساتھ چلنے کی ضد کی، والد صاحب راضی ہوگئے، فیروز سایے کی طرح لگا ہوا منصوبے کے جز و کُل سے آگاہی حاصل کر رہا تھا اور مجھے ذرا بھی نہیں معلوم تھا کہ فیروز نے اتنا بھیانک اور غیر انسانی منصوبہ بنا رکھا ہے اس نے طوس پہنچتے پہنچتے اپنا کام کر ڈالا وہ گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا شیریں! یہاں سے فوراً نکل چلو، ورنہ ہم دونوں قتل کردیئے جائیں گے، ایک گڑبڑ ہوگئی ہے، میں تیاری کے بغیر فیروز کے ساتھ ہوگئی اور ہم دونوں ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ کر تمہارے پاس آگئے۔ تمہیں راستے میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارا پیچھا کیا جارہا ہے۔ اور راستے ہی میں فیروز نے یہ بھی بتایا کہ اس نے دھوکے سے میرے باپ کو قتل کردیا ہے اور قتل کے بعد مجھے دھوکے سے لے اُڑا ہے"۔ اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسدی نے کہا "شیریں رو نہیں، اور کچھ سُنانا باقی رہ گیا ہے یا بس؟"

شیریں نے رو رو کر کہا "یہ میری کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل سے محبت کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنے والی ہوں!"

اسدی نے بمشکل کہا "فیروز سے شادی کرنے کی تم پابند تو نہیں ہو، مت کرو اس ظالم اور قاتل سے شادی!"

شیریں نے کینچلی بدلی، بولی "واہ کیوں نہ کروں اس سے شادی، میں اس سے محبت کرتی ہوں، وہ ظالم ہے، قاتل ہے، بہت بُرا انسان ہے لیکن میرا محبوب ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتی!"

اسدی نے جواب دیا "تو مت چھوڑو اسے کرلو اس سے شادی، میری بھی یہی رائے ہے لیکن میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ فیروز سچا اور وفادار شوہر یا عاشق کبھی بھی نہ ثابت ہوگا!"

"آپ کی بلا سے!" شیریں نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے کسی نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دونوں کی جان نکل گئی، اسدی نے شیریں کو اشارے سے حکم دیا "دروازہ مت کھولنا، میں اندر جاتا ہوں اور دوسرے دروازے سے نکل کر دیکھتا ہوں کہ دروازہ کون پیٹ رہا ہے!"

شیریں چُپ چاپ بیٹھ رہی، اسدی دوسرے دروازے سے نکل کر باہر پہنچا، وہاں ایک شاگرد کتابیں دابے کھڑا تھا۔ اس نے اسدی کو دیکھتے ہی سلام کیا اور پوچھا "جناب خیریت تو ہے؟"

اسدی نے جواب دیا "آج میں نہیں پڑھاؤں گا۔ واقعی میری طبیعت خراب ہو رہی ہے!"

فرماں بردار شاگرد نے ہنس کر کہا "بہتر ہے میں جاتا ہوں لیکن باتیں ذرا آہستہ آہستہ کیجئے گا۔ حجرے کی آواز باہر تک آجاتی ہے!"

شاگرد امیر زادہ تھا اور اسدی مفلس، شاگرد کا طنز نشتر کی طرح دل میں اُتر گیا۔

طلوعِ آفتاب کی دو ساعتوں بعد دس بارہ گھڑ سواروں کا ایک دستہ خاک دھول اُڑاتا ہوا بستی میں داخل ہوگیا، وہ لوگ دیر تک گھوڑے کی ٹاپوں کی رہنمائی میں اپنی منزل کا سراغ لگاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچے، پھر انہوں نے بستی کے مختلف لوگوں سے طرح طرح کے سوالات کرکے فیروز کا پتہ چلانے کی کوشش کی، اسدی آگے بڑھا اور انہیں بتایا کہ "ہاں آج صبح طلوعِ آفتاب سے ذرا قبل میں نے ایک نوجوان کو اس طرح بھاگتے دیکھا ہے کہ اس نے اپنے آگے ایک نوجوان لڑکی بٹھا رکھی تھی، لڑکی مچل رہی تھی لیکن گھڑ سوار

لئے اسے بُری طرح اپنی گرفت میں لے رکھا تھا!"

ایک سوار جستجو آمیز انداز میں بولا "وہ کدھر گیا ہے؟ اور ہم اسے کتنی دیر میں پکڑ سکتے ہیں؟"

اسدی نے فیروز کے فرار کی صحیح سمت بتاتے ہوئے جواب دیا "اگر کہیں دم نہ لو اور ٹاپوں کی رہنمائی میں اس کا پیچھا کرتے رہو تو شام تک اسے ضرور پکڑ لوگے!"

گھڑسوار طول طویل شاہراہ پر بھاگ نکلے، اور اسدی مطمئن ہو کر گھر واپس آگیا۔

اسدی کے والدین شیریں کو بآسانی قبول کرنے پر تیار نہ تھے انہیں شیریں کی داستان پر جھوٹ کا گمان بھی نہ تھا لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اسدی کے بھولے پن، سادگی اور دوست داری پر پورے خاندان کو ہلاکت میں ڈال دیا جائے، وہ کہتے تھے کہ آخر پاس پڑوس والوں کو شیریں کی بابت بتایا کیا جائے گا۔ اور اگر خود شیریں کی زبان سے ایسی ویسی باتیں کسی غیر کے سامنے نکل گئیں تو ایسا بھانڈا پھوٹے گا کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے لیکن اسدی یہ کہتا تھا کہ میں نے اپنے دوست سے شیریں کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس لئے جان دے کر اس وعدے کو پورا کروں گا اور اگر گھر والے شیریں کی موجودگی پسند نہیں کرتے تو شیریں کو لے کر کہیں چلا جاؤں گا۔"

گھر والے یہ سمجھے کہ اسدی انہیں یوں ہی دھمکی دے رہا ہے اس لئے انہوں نے اسدی کو واشگاف انداز میں بتا دیا کہ شیریں کو تبریز بھیج دیا جائے اس طرح وہ مقتول اسی کے خاندان کی ہمدردی اور مہربانی کا مستحق قرار پائے گا!

لیکن اسدی اس پر ذرا بھی آمادہ نہ ہوا۔ پھر اس نے ایک دن بالکل غیر متوقع انداز میں گھر والوں کو یہ فیصلہ سُنا دیا کہ وہ شیریں کو تبریز لئے جا رہا ہے اور اسے ان کے حوالے کر کے واپس آجائے گا!

اس کے گھر والوں نے اس تجویز پر خوشی کا اظہار کیا۔

ایک دن اسدی شیریں کو لے کر چلا گیا۔ چلے جانے کے کئی دن بعد باپ کو معلوم نہیں کس طرح اسدی کا ایک خط ملا۔ اس میں لکھا تھا۔

"ابا جان! "میں ایک سال کے لئے گھر سے نکل رہا ہوں، کیونکہ فیروز نے اپنی واپسی کی یہی مدت مقرر کی ہے۔

میں فیروز کا دوست ہوں، اس نے مجھ پر جس قسم کا اعتبار اور اعتماد کیا ہے، میں اسے کسی طرح بھی شکست نہ ہونے دوں گا۔ آپ لوگ مطمئن رہیں میں اکثر و بیشتر کسی بھی طرح

یہ معلوم کرتا رہوں گا کہ فیروز آیا یا نہیں، اس کے آنے کی خبر سُن کر میں شیریں کو لے کر آجاؤں گا اور حسبِ سابق زندگی گزارنے لگوں گا!"

بوڑھے والدین پر اس کی جُدائی بہت شاق گزری لیکن بدرجۂ مجبوری انہیں اسدی کا فیصلہ ماننا پڑا۔ اور اُس گھڑی کا انتظار کرنے لگے جب فیروز واپس آئے اور اس کی آمد کی خبر سُن کر اسدی بھی واپس آجائے۔

اسدی کو اپنے فیصلے پر بہت پریشان ہونا پڑا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ شیریں کو لے کر تنہا رہنا کتنا خطرناک عمل ہے، وہ کسی نہ کسی طرح تہران پہنچا اور تہران سے اصفہان چلا گیا۔ اصفہان پہنچ کر اس نے بدرجۂ مجبوری شیریں سے ایک ایسی بات کہی کہ وہ چونک پڑی، اس نے شیریں سے کہا "شیریں! اگر تم ہمارے والدین کے ساتھ رہتیں تو تمہیں بہت زیادہ پریشان ہونا پڑتا، شاندیز میں ہمارا کوئی مستقبل نہ تھا۔ فیروز بھی اصفہان ہی چلا آیا ہے، اس لئے میں نے یہ سوچا کہ میں خود بھی کیوں نہ اصفہان چلا چلوں اور تمہیں فیروز کے حوالے کر کے ذمّے داری کا بوجھ اُتار دوں!"

شیریں نے کہا "اصفہان میں آپ کیا کریں گے؟"

اسدی نے جواب دیا "قسمت آزمائی، خراسان کے ایک گمنام گاؤں کا گڈریا نادر قلی نادر شاہ کے نام سے ایرانی تاج و تخت سنبھال چکا ہے اسے آدمیوں کی ضرورت ہے ہو سکتا ہے میں بھی کہیں کھپ جاؤں!"

شیریں نے کچھ سوچ کر پوچھا "یہاں ہم دونوں کس طرح رہیں گے؟"

"کس طرح سے تمہاری کیا مُراد ہے؟"

شیریں نے ہچکچاتے ہوئے کہا "لوگ ہم دونوں کا رشتہ معلوم کریں گے۔ لوگوں کی زبانیں کس طرح بند کی جائیں گی؟"

اسدی ہنسنے لگا۔ بولا "بظاہر یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے لیکن خطرناک مسئلہ ضرور ہے!"

شیریں سمجھی اسدی اس کا کوئی معقول جواب دے گا لیکن اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس کی خاموشی سے اکتا کر شیریں نے بے چینی سے سوال کیا "آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟"

اسدی نے نرمی سے جواب دیا "ممکنہ رشتوں پر غور کر رہا تھا، سمجھ میں نہیں آتا کہ خود کو تمہارا کیا ظاہر کروں؟"

شیریں نے سادگی سے کہا "بھائی کیسا رہے گا؟"

اسدی دہاڑ کھینچنے کے انداز میں بولا "نہ نہ مجھے اپنا بھائی ہرگز نہ کہنا۔ میں تمہیں اپنی بہن کہہ کر ہرگز متعارف نہ کراؤں گا، مجھے اس رشتے سے نہ صرف چڑ ہے بلکہ اس کے کچھ مضر پہلو بھی ہیں!"

شیریں سناٹے میں آ گئی، اسے پہلی بار اسدی کی نیت میں کچھ فتور سا محسوس ہوا لیکن قبل از وقت بدگمانی سے کچھ کہنا سننا اچھا نہ تھا۔ اس لئے نہایت ہوشیاری سے دل کی بات اگلوانا چاہی، پوچھا "میں خود بھی کسی کو بھائی بنانا پسند نہیں کرتی۔ اسی لئے پریشان ہوں کہ کیا رشتہ ظاہر کروں!"

اسدی نے کہا "اگر تم برا نہ مانو تو ایک ہی رشتہ ایسا ہے جو لوگوں کی زبانیں بند کر دے گا!"

شیریں سوالیہ انداز میں صورت تکنے لگی۔

اسدی نے آنکھیں بند کر لیں اور زبان کھول دی "ہم دونوں خود کو میاں بیوی کیوں نہ ظاہر کریں؟"

شیریں تلملا گئی گویا زور کی چٹکی لے لی گئی ہو۔ گرم ہو کر بولی "اسدی! میں تمہارا احترام کرتی تھی لیکن آج تم نے خود کو میری نظروں سے گرا دیا۔ ایسا کہتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے تھی!"

اسدی نے شرماتے ہوئے جواب دیا "ایسا کہتے ہوئے واقعی میں شرما گیا لیکن یہ ایسی ضروری بات تھی کہ جلد یا بہ دیر مجھے کہنا ہی تھی۔"

شیریں نے فیصلہ کن لہجہ اختیار کیا، بولی "تب میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔"

"کہاں جاؤ گی مجھے چھوڑ کر؟"

"جہاں بھی مناسب سمجھوں گی!"

"غلطی کرو گی، سنگین اور شرمناک غلطی جس پر آخرکار تمہیں پچھتانا پڑے گا!"

شیریں نے کہا "میں فیروز کو تلاش کروں گی!"

"اسے تو میں خود بھی تلاش کروں گا!" اسدی کہنے لگا "تم نے پوری بات نہیں اور میرے بارے میں غلط رائے قائم کر لی!"

شیریں نے دکھ سے کہا "تم نے بات ہی ایسی کہی کہ میری جگہ جو لڑکی بھی ہوتی اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی!"

اسدی نے صفائی پیش کی، بولا "ہم دنیا پر خود کو میاں بیوی ظاہر کریں گے، لیکن رہیں گے بھائی بہن کی طرح کیونکہ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو لوگ ہمیں تنگ کرنا شروع کر دیں گے، شیریں! فرض کرو تم میری بہن بن کر رہو گی تو لوگ مجھ سے رشتوں کی بات شروع کر دیں گے، تمہارے امیدوار میرا ناطقہ بند کر دیں گے لیکن میاں بیوی بن کر رہنے میں یہ خطرہ ٹل جائے گا اس طرح گویا تمہارا حق ملکیت میرے نام محفوظ ہو جائے گا، پھر فیروز جیسے ہی ہمیں مل جائے گا۔ میں تمہیں اس کے حوالے کر دوں گا!"

شیریں، اسدی کی باتیں سنتی رہی، وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کہیں اسدی بات تو نہیں بنا رہا۔ اور جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے یا زمانہ سازی اور موقع پرستی، اس نے اسدی سے سوال کیا "میں کس طرح یقین کروں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ دل سے کہہ رہے ہو؟"

اسدی نے خوش اخلاقی اور نرمی سے کہا "میں تمہیں یقین کر لینے پر مجبور تو نہیں کروں گا کیونکہ دل کے شبہات باتوں اور وعدوں سے دور نہیں ہوتے لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ اگر تمہاری طرف سے میری نیت صاف نہ ہوتی تو کیا تم اس طرح باآسانی پاک صاف یہاں تک آ جاتیں۔" وہ چپ ہو گیا اور کچھ سوچنے لگا۔

شیریں بھی اس محکم دلیل سے ذرا متاثر ہوئی اور اسدی کے چہرے کو چوری چھپے دیکھ کر اس کی اندرونی کشمکش کا اندازہ لگانے لگی۔

اسدی نے نہایت سنجیدگی سے کہا "جو کچھ میں نے کہا تھا، اس میں میری بدنیتی ہرگز شامل نہ تھی لیکن اگر تمہیں میری تجویز سے اتفاق نہیں ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، ہم دونوں بھائی بہن بن کر ہی رہ لیں گے!"

اسدی شیریں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پیچیدہ ترین شخصیت، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اسدی کو کیا سمجھے، اسدی پھر بولا "شیریں! میں تمہیں کسی قیمت پر بھی خود سے جدا نہ کروں گا تم میرے پاس فیروز کی امانت ہو، تم میرے اختیار میں ہو اور تمہیں فیروز ہی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے اس کے خلاف نہ تو میں خود کچھ کر سکتا ہوں اور نہ تم کوئی قدم اٹھا سکتی ہو!"

شیریں نے بے مروتی اور بے رخی سے کہا "اگر میں جانا چاہوں گی تو مجھے کوئی روک بھی نہ سکے گا!"

اسدی سینہ تان کر سامنے کھڑا ہو گیا، بولا "تمہیں میں روکوں گا تم ایک سال

میرے ساتھ رہو گی اس دوران اگر فیروز آ گیا یا ہمیں مل گیا تو تم اس کے پاس سے کہیں بھی چلی جانا اور اگر فیروز نہ ملا اور ہم تک نہ پہنچ سکا تو تم آزاد اور خود مختار رہو گی۔ کیونکہ فیروز نے تمہیں ایک سال کا پابند کیا ہے!''

شیریں یہ سوچ کر چپ ہو رہی کہ پہلے کچھ دن رہ کر حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے اگر اسدی کی نیت کا فتور ثابت ہو جائے تو اس سے جبراً علیحدگی اختیار کر لی جائے گی، اس فیصلے کے بعد اس نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا لیکن ازراہِ احتیاط اس نے ایک خنجر اپنے نیفے میں مستقلاً اڑس لیا تاکہ بوقت ضرورت کام آ سکے۔

قزوین میں نادر شاہ کی تاج پوشی ہو چکی تھی اس نے شاہی شمشیر زیب کمر کی، اور تاج شاہی سر پر رکھتے ہوئے اعلان کیا ''میں نادر قلی افشار عہد کرتا ہوں کہ رسول مقبول صلعم کے مقررہ احکام کے مطابق رعایا پر حکومت اور دشمنوں کو پامال کروں گا!''

رسم تاج پوشی کے فوراً بعد اصفہان آ گیا اور قندھار پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں، مارچ ۱۷۳۵ء میں اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور دسمبر ۱۷۳۶ء تک قندھار پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتا رہا۔ اسدی اور شیریں جب اصفہان میں داخل ہوئے اس وقت تک بادشاہ اسی ہزار سپاہ تیار کر چکا تھا' وہ افغانوں سے بہت ناخوش تھا اس ناخوشی کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس سے پہلے ایران پر افغانوں ہی کا تسلط تھا اور متعدد موقعوں پر انہوں نے ایرانیوں کو بہت ذلیل کیا تھا چنانچہ نادر شاہ پہلے تو انہیں مختلف محاذوں پر شکستیں دیتا رہا اور جب وہ صفوی خاندان کے برائے نام حکمران کو معزول کرنے میں کامیاب ہوا تو اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

نادر قلی نے چونکہ ایران اور ایرانیوں کو سرفرازی اور سربلندی بخشی تھی اور تقریباً ہر محاذ پر ایران کے دشمنوں کو ہزیمتوں سے دوچار کیا تھا، اس لئے ایران نے بھی اپنا سب کچھ نادر قلی کے حوالے کر کے اسے نادر شاہ بنا دیا۔ نادر شاہ نے برسرِ اقتدار آتے ہی قندھار پر حملے کا منصوبہ تیار کیا اور سپاہی بھرتی کرنے لگا۔ اسدی ان اسی ہزار سپاہیوں میں فیروز کو تلاش کرتا رہا اور کئی ماہ کی مسلسل کوشش کے باوجود ناکام رہا، اس دوران اس کی گزر اوقات درس و تدریس پر ہوتی رہی، فیروز کی تلاش کے ساتھ ہی وہ اس تاک میں بھی تھا کہ نادر شاہ تک پہنچنے کا کوئی موثر اور معقول ذریعہ حاصل کرنے کے لئے شاندار جیسی چھوٹی سی جگہ

کا یہ عالم اصفہان میں جگنو کی طرح داخل ہوا تھا لیکن جلد ہی زہرہ کی طرح چمکنے لگے اور پھر یہ چمک اتنی بڑھی کہ چاند کی طرح روشن ہو گیا، اس کی فرماں روائی اور امور فرماں روائی سے متعلق معلومات غیر معمولی تھیں، اسدی چاہتا تھا کہ نادر شاہ تک اگر اس کی کسی طرح رسائی ہو جائے تو اسے فوج میں نہ بھرتی کیا جائے اور نہ کسی ایسے محکمے میں جگہ ملے جو فوج سے متعلق ہو اور فوج کے ساتھ اسے بھی سفر اختیار کرنا پڑے، وہ اصفہان ہی میں رہنا چاہتا تھا اور اس خواہش کے پیچھے شیریں کا وجود کارفرما تھا۔ وہ شیریں کو چھوڑ کر کہیں کس طرح جا سکتا تھا اور شیریں کو ساتھ لئے لئے پھرنا اور زیادہ دشوار کام تھا۔

مہینوں کے ساتھ نے شیریں کو اسدی کے کردار کی جانب سے مطمئن کر دیا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے مشہور تھے۔ لیکن عالم یہ تھا کہ دونوں میں بھائی بہن کے رشتے سے بھی زیادہ فاصلہ موجود تھا۔ اسدی کوئی فرشتہ تو تھا نہیں، شیریں کے حسن نے اسے بھی متاثر کیا تھا اور وہ بھی ایک عام آدمی کی طرح شیریں کا والا و شیدا ہو چکا تھا۔ جب وہ سو جاتی تو وہ چوروں کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوتا اور سوئے ہوئے فتنے کو حریص اور مجبور نظروں سے دیکھتا رہتا۔ اگر فیروز کی دوستی اور عہد درمیان میں نہ ہوتے تو وہ شیریں کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ عشق اور دوستی میں زبردست جنگ جاری تھی، وہ دل ہی دل میں دعا مانگتا کہ خدا کرے فیروز ایک سال تک غائب رہے اور لوٹ کر نہ آئے لیکن پھر وہ یہ بھی سوچتا کہ اگر اپنی روانگی کے ایک سال بعد تک فیروز واپس نہ آیا اور شیریں کو آزادی اور خود مختاری حاصل ہو گئی تو کیا ضروری ہے کہ وہ اسدی کو بھی اپنی محبت میں شریک کر لے، اس نے سوچا کہ فیروز کی کئی ماہ کی تلاش میں مایوسی کے بعد اب اسے شیریں پر اپنے احساسات اور جذبات کا بتدریج اظہار کر دینا چاہئے، چنانچہ اس نے شیریں پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی' وہ شیریں سے خواہ مخواہ باتیں کرنے لگتا۔ اور دوران گفتگو کچھ ایسے موضوع اختیار کرتا کہ شیریں بھی اس کے اندر کی تبدیلی محسوس کرنے لگی۔

سہ پہر کو اسدی پڑھانے نکل جایا کرتا تھا اس روز بھی نکل گیا تھا لیکن ابھی وہ ٹیلے والی مسجد کی محراب کے سامنے ہی پہنچا تھا کہ ایک سپاہی نے اسے پکڑ لیا اور کہا ''تم ابھی تک فوج میں بھرتی کیوں نہیں ہوئے ہو؟''

اسدی نے جواب دیا ''میں عالم ہوں خدمت بھی ایسی ہی چاہتا ہوں' کیا تم مجھے فوج میں اسی نوع کا کام دلا سکتے ہو؟''

سپاہی ایک طرف نظریں ڈال کر درشت لہجے میں بولا "تمہیں اسی وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضری دینا ہے، پھر جیسا وہاں سے حکم ملے گا تم اس پر عمل کرو گے!"

اسدی نے پوچھا "کہاں ہے تمہارا بادشاہ؟"

سپاہی نے نیام سے تلوار کھینچ لی، غصے میں بولا "تمہارا بادشاہ!! کیا مطلب؟ وہ ہم سب کا بادشاہ ہے!"

اسدی کو بھی غصہ آگیا چیں بہ جبیں ہو کر بولا "میں شاعر ہوں اور درس و تدریس میرا پیشہ ہے لیکن اس کے باوجود میں ایک سپاہی بھی ہوں۔ اگر تمہیں اپنی شجاعت پر ناز ہے تو ایک تلوار مجھے بھی دو اور مقابلہ ہو جائے!"

سپاہی غصے میں واپس ہو گیا۔ جاتے وقت کہتا گیا "او نادان انسان کہیں جانا مت میں ابھی واپس آیا!"

اسدی کھڑا رہ گیا اور سپاہی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ ذرا دیر بعد وہ چند سپاہیوں کو ساتھ لے کر واپس آگیا، اسدی یہ سمجھا کہ سب اس پر ایک ساتھ حملہ کریں گے تحقیر آمیز اور طنزیہ لہجے میں بولا "میں باری باری سب سے لڑ سکتا ہوں لیکن اتنے بہت سوں سے مقابلے پر مجبور کرنا سپاہی کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔"

سپاہی نے ایک تلوار اسدی کی طرف اچھال دی، بولا "تجھ سے میں تنہا مقابلہ کروں گا۔" پھر بقیہ سپاہیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "یہ سب تماش بین ہیں ان کی فکر مت کر!"

اسدی اس ذلت آمیز طرزِ تخاطب سے مشتعل ہو گیا۔ تلوار سونت کر مقابلے پر ڈٹ گیا۔ دونوں پیادہ تھے اور پیدل مقابلہ کر رہے تھے، یہاں کے مقابلے کے دوران لمحہ بھر کے لئے اسے شیریں کا خیال آیا کہ اگر وہ خود مارا گیا تو شیریں کا کیا ہوگا۔ تماش بین سپاہی ہنس رہے تھے ان کے ہنسنے کا انداز یہ بتاتا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کی کامیابی پر پورا یقین رکھتے ہیں، اسدی نے ایک عرصہ بعد تلوار سنبھالی تھی، مہارت کی جگہ ذہانت تھی، اس نے کاوے دے دے کر وار خالی دینا شروع کر دیئے، اس سے اس کا یہ مقصد تھا کہ وہ پہلے اپنے حریف کو تھکا دے چنانچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور سپاہی کا بازو شل ہو گیا اب اسدی کی باری تھی اس نے پے در پے اتنے سخت وار کئے کہ سپاہی کی تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری اس نے نہایت پھرتی سے آگے بڑھ کر سپاہی کو زمین پر گر جانے پر مجبور کر دیا اور جب اس نے زمین پر گر کر دونوں ہاتھ حفاظتِ خود حفاظتی میں اوپر اٹھائے تو اسدی کی تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی جا چکی تھی اور اگر وہ اسے واقعی ذرا زور سے داب دیتا

تو تلوار اس کے پیٹ میں اتر چکی ہوتی، اسدی نے اسی عالم میں کہا "میں تجھے مقابلے میں شکست تو ضرور دینا چاہتا تھا لیکن قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اب تو آزاد ہے جہاں جی میں آئے چلا جا لیکن خبردار جو دوبارہ مقابلے پر آنے کی دعوت دی!"

سپاہی شرمندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا لیکن دوسرے سپاہیوں نے اسدی کو گھیر لیا اور کہا "جب تم فنِ سپہ گری میں بھی طاق ہو تو فوج میں کیوں نہیں آجاتے ہم تمہیں بادشاہ کے حضور میں لے چلیں گے!"

اسدی گھبرایا کہ یہ لوگ اسے بادشاہ کے روبرو لے جا کر معلوم نہیں کیسی الٹی سیدھی شکایتیں کریں اور وہ بلاوجہ کسی مصیبت کا شکار ہو جائے اور یوں ہی نادر شاہ کی سخت گیری اور تشدد کا بڑا چرچا سن رکھا تھا۔

یہ لوگ اسے ایک نیم مدور گنبد والی عمارت میں لے گئے اور کئی مرحلوں کے بعد سے نادر شاہ کے روبرو کھڑا کر دیا۔ اڑتالیس سالہ تقریباً چھ فٹ اونچا چھریرے اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک نادر شاہ اس کے روبرو کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ روشن اور بڑی بڑی تھیں، اسدی کو جس شخص کے ذریعے نادر شاہ کے روبرو پیش کیا گیا تھا اس نے ذرا مبالغے اور جانب داری سے بادشاہ کے روبرو اسدی کا جرم بیان کیا۔ پیش کار نے کہا۔

"حضور والا! یہ جاہل شخص جو خود کو عالم کہتا ہے شاہ افشار کو اپنا بادشاہ نہیں تسلیم کرتا جب حضور کے ایک جاں نثار نے اس شئے تلوار کی نوک سے اس گستاخی کا جواب طلب کیا تو اس چھپے رستم نے چالاکی سے حضور کے جاں نثار کو زیر کر لیا حضور کے چند دوسرے جاں نثاروں نے حضور کے نمک خوار کی جان بچالی اور اس گستاخ کو حراست میں لے کر یہاں آگئے تاکہ حضور خود دستِ مبارک سے اس ناہنجار کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیں!"

نادر شاہ نے ایک نگاہِ غلط انداز اسدی پر ڈالی اور پاٹ دار آواز میں سوال کیا "تو کون ہے؟"

اسدی نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا "حضور والا کا ایک غیر معروف اور نادیدہ جاں نثار شاندیز کا اسدی۔"

بادشاہ نے پوچھا "یہ شاندیز وہی ہے نا جو طوس اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے؟"

"جی حضور والا!" اسدی نے جواب دیا۔

بادشاہ نے گرجدار آواز سے پھر سوال کیا "تو نے اپنا جرم سُنا صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

"بہت کچھ!" اسدی نے جرأت سے کام لیا پھر پوری روداد سنا کر بولا۔ "حضور والا کا جاں نثار تو میں خود بھی ہوں، ایک بہادر جاں نثار نے بزدل جاں نثار کو زیر کر لیا۔ بس اتنی سی بات ہے اور کچھ نہیں، حضور جو سزا مناسب سمجھیں دیں ناچیز اسے جھیلنے کو تیار ہے!"

بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا لیکن خوشی کا اظہار اپنے بُشرے سے نہیں ہونے دیا بدستور کرخت لہجے میں کہا "کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ ہمیں قندھار پر حملے اور تسخیر کی خاطر جاں نثاروں کی سخت ضرورت ہے؟"

اسدی نے جواب دیا "خوب اچھی طرح!"

"پھر تو نے خود کو سپاہی کی حیثیت سے حاضر کیوں نہیں کیا؟ تیرا پہلا جرم قابلِ معافی لیکن یہ دوسرا جرم ناقابلِ معافی ہے، بول اس سلسلے میں تو کیا صفائی پیش کرے گا؟"

اسدی نے سرفروشانہ روش اختیار کی بولا "ناچیز کا سَر شاہ کی امانت ہے جب مزاجِ شاہ میں آئے اُتار لیں مجھے کوئی عذر نہیں لیکن جہاں تک صفائی کا تعلق ہے یہ ناچیز جھوٹ سے بچے گا، جو حقیقت ہے صاف صاف بیان کر دے گا اور اس کی ذرّہ بھر بھی پروا نہ کرے گا کہ ناچیز کا سچ کہیں مصیبت اور ہلاکت نہ ثابت ہو!"

نادرشاہ نے ناگواری سے کہا "فضول تمہید سے پرہیز کیا جائے!"

اسدی نے کہا "ناچیز کا اس زمین اور آسمان کے درمیان حضورِ والا کی ذات بابرکات اور ایک بیوی کے سوا تیسرا کوئی بھی نہیں ہے، اگر حضور اسے اپنے ساتھ قندھار کی مہم پر لے چلیں تو اس سے زیادہ خوش نصیبی کی اور کیا بات ہو گی لیکن میری عدم موجودگی میں میری بیوی کا کیا بنے گا، بس یہ فکر مضطرب رکھتی ہے!"

نادرشاہ کو اسدی کی باتیں اچھی لگیں بولا "اسے بھی قندھار کی مہم میں ساتھ لے چلو!"

اسدی نے خوشی کا اظہار کیا "پھر بندہ بھی سر کٹانے پر آمادہ ہے!"

نادرشاہ نے لاپروائی سے پوچھا "تو عالم ہے؟"

"حضور سے بڑا کسی طرح بھی نہیں!" اسدی نے انکسار سے جواب دیا۔

"اور تلوار کا دھنی بھی ہے؟"

"جی بندہ پرور، لیکن حضور والا سے کمتر!"

"خوب" شاہ نے کہا "جس سپاہی کو تو نے زیر کیا ہے اسے ہمارے روبرو لایا جائے!"

حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ شاہ نے اس سپاہی سے سوال کیا "تو نے فنِ سپاہ گری کب سیکھا تھا؟"

سپاہی نے لرزتی سہمی آواز میں جواب دیا "دس سال پہلے!"

شاہ نے پھر پوچھا "درمیان میں کبھی اس فن سے تغافل بھی برتا؟"

"نہیں کبھی نہیں!" سپاہی نے جواب دیا۔

شاہ نے اسدی سے سوال کیا "اور تو نے یہ فن کب سیکھا تھا؟"

اسدی نے جواب دیا "دس سال سے زائد کا عرصہ گزرا!"

شاہ نے وہی سوال پھر کیا۔ پوچھا "درمیان میں کبھی اس فن سے تغافل بھی برتا؟"

اسدی نے جواب دیا "کبھی کبھی مشق کرتا رہا ہوں، ورنہ درس و تدریس کے دوران اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی!"

شاہ ایک دم چراغ پا ہو گیا۔ بولا "ایک سپاہی عالم کی تلوار سے زیر ہو گیا، نہایت شرم کی بات ہے، ایک ایسا جرم جو معاف نہیں کیا جا سکتا، تجھے اس کی سزا ملے گی!"

سپاہی کانپنے لگا۔ نادرشاہ نے حکم دیا "اس کے دونوں کان کاٹ دیئے جائیں!"

دو فیل تن سپاہی آگے بڑھے اور سپاہی کو زمین پر گرا دیا اور بکرے کی طرح اپنی گرفت میں لے کر خنجر سے دونوں کان تراش لئے سپاہی کی چیخ و پکار سے در و بام گونج اُٹھے، خون کی دھار کانوں سے جاری ہو گئی اور وہ اپنا سَر اِدھر اُدھر مارنے لگا۔ اسدی لرز گیا۔ نادرشاہ نے کہا "کانوں کی کمی اسے ہمیشہ اپنی بزدلی اور شکست کا احساس دلاتی رہے گی!" پھر اسدی کو حکم دیا "ہمیں تجھ جیسے آدمیوں کی سخت ضرورت ہے جو بیک وقت صاحبِ سیف و قلم ہوں، تو اپنا نام و پتہ درج کرا دے اور آج کے چوتھے دن فرائضِ منشی سنبھال لے"

اسدی نے نیم مدور گنبد کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے گنجے منشی کو اپنا نام اور پتہ درج کرایا اور چپ چاپ گھر چلا گیا، اُس دن وہ بہت خوش تھا۔ اس کی دیرینہ

خواہش اتفاقیہ پوری ہوگئی تھی۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا شیریں زکام میں مبتلا ملی، اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے پیشانی کو رومال سے جکڑ رکھا تھا۔ اسدی خوش خوش گھر میں داخل ہوا تھا لیکن شیریں کو مضمحل اور بیمار دیکھ کر خود بھی اداس اور فکر مند ہوگیا۔ پیشانی کی پٹی نے اس کا حسن دوبالا کر دیا تھا آنکھوں میں بے پناہ خمار اتر آیا تھا اور حسن بیمار کی دلکشی قیامت بن کر اسدی کے دل و دماغ کو تہ و بالا کر رہی تھی، اس نے سوچا کہ شیریں سے غم خواری کے ذریعے قربت حاصل کرنے کا شاید اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے، وہ اس کے قریب ہوا اور نظروں میں پیام لے کر کھڑا ہوگیا، شیریں نے اسے بخار زدہ سرخ آنکھوں سے دیکھا اور اٹھنا چاہا لیکن اسدی نے پہلی بار بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور لیٹے رہنے پر اصرار کرتے ہوئے کہا: "شیریں! تم مت اٹھو، آرام کرو، یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟"

شیریں نے اس کی اس نئی روش کو کسی خاص انداز میں نہیں محسوس کیا، بولی: "شاید زکام ہوا ہے، جوڑ جوڑ درد کر رہا ہے۔"

اسدی نے ایک قدم اور بڑھایا، بولا: "شیریں! اگر تم برا نہ مانو اور اجازت دو تو تمہارا سر دبا دوں۔"

شیریں نے کہا: "نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں!"

لیکن اسدی نہیں مانا۔ اس کے سرہانے بیٹھ کر زبردستی سر دبانے لگا۔ شیریں گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور اس سے ذرا دور ہٹ گئی: "یہ کیا کرتے ہیں آپ؟ کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا؟"

اسدی نے ناگواری سے جواب دیا: "کوئی گھر میں داخل ہو کر کچھ دیکھنے کیوں لگا؟"

شیریں نے کہا: "کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اپنا ضمیر تو زخمی ہو جائے گا!"

اسدی، اب یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ کچھ بھی ہو اس وقت وہ اندر کے انقلاب کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتا کر رہے گا۔ بولا: "شیریں! ہمیں اصفہان آئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟"

شیریں نے لاپروائی سے جواب دیا: "پتہ نہیں!"

اسدی نے کہا: "یہ تو یاد ہی ہوگا کہ فیروز کو گئے ہوئے کتنا عرصہ گزرا؟"

شیریں اس کا کچھ کچھ مطلب سمجھ گئی، جواب دیا: "آٹھ ماہ گزر چکے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، کیا فیروز اپنے وعدے کے مطابق سال کے اندر اندر تمہیں لینے کے آجائے گا؟"

شیریں نے تردد سے جواب دیا: "میں کیا کہہ سکتی ہوں، اس سلسلے میں!"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر وہ واپس نہ آیا تو تم کیا کرو گی؟"

شیریں نے کہا: "اول تو وہ آئے گا ضرور اور اگر نہ آیا تو میں اپنے فیصلے سے آپ کو کیوں مطلع کروں؟"

اسدی نے نفرین کرتے ہوئے کہا: "وہ شخص جس نے تمہارے باپ کو قتل کیا، کیا تمہارا کامیاب اور محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو سکے گا؟"

شیریں نے جواب دیا: "یہ بات میرے سوچنے کی ہے آپ کی نہیں اور اس نوع کا سوال کرنے سے پہلے یہ بات اپنے ذہن میں ضرور رکھیں کہ فیروز نے بابا جان کو میری خاطر قتل کیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، آنسو پونچھتی ہوئی بولی: "حالانکہ فیروز نے جو کچھ کیا ہے میں اسے شاید زندگی بھر معاف نہ کر سکوں!"

اسدی نے کہا: "تم یہ سن کر یقیناً خوشی محسوس کرو گی کہ میں نے نادر شاہ کی قربت حاصل کر لی ہے اور آج سے میں اس کے ملازمین کے زمرے میں داخل ہو چکا ہوں، اس دوران جیسا کہ تم خود بھی جانتی ہو، میں فیروز کو برابر تلاش کرتا رہا ہوں اور اب اس کی طرف سے بالکل مایوس ہونے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شاید فیروز اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے، جو لوگ اس کا پیچھا کر رہے تھے انہوں نے یقیناً کہیں نہ کہیں گھیر کر اس کا کام تمام کر دیا ہوگا!"

شیریں نے بھرائی آواز میں کہا: "میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچی ہوں لیکن میں یہ باتیں اپنی زبان سے نہیں ادا کر سکتی!"

اسدی نے پرامید انداز اختیار کیا۔ بولا: "میں چند دنوں بعد شاہی لشکر کے ساتھ قندھار چلا جاؤں گا۔ میں نے بادشاہ کے سامنے اپنی ساری کیفیت بیان کر دی تھی اس نے مجھے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ میں اس مہم میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جا سکتا ہوں!"

"بیوی؟ کون بیوی، کس کی بیوی؟" وہ کچھ زیادہ پریشان ہوگئی۔

اسدی نے جواب دیا: "تم! اگر میں تمہیں بادشاہ کے روبرو اپنی بیوی نہ ظاہر کرتا تو معلوم نہیں، کیا افتاد آن کھڑی ہوتی!"

شیریں نے دل برداشتہ انداز میں کہا: "یہ آدمی کی فطرت ہے کہ اپنا کام نکالنے کے لیے بڑے سے بڑا جرم یا گناہ کر سکتا ہے، خدا کے لیے آپ میری نظر میں ویسے ہی اسدی رہیں، جو شاندیز میں تھے اور جو ابھی تک رہ چکے ہیں!"

"یہ کس طرح ممکن ہے!" اسدی بولا: "اب میں نادر شاہ کی ملازمت اختیار کر چکا ہوں اور تمہیں اپنی بیوی ظاہر کر چکا ہوں، اب اگر میں تمہیں کسی طرح چھوڑ دوں

یا تم مجھ سے علیحدگی اختیار کر لو تو میں بادشاہ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟"

شیریں کو اپنے گرد پھندے کا تناؤ کم اور تنگ ہوتا محسوس ہوا۔ بولی "میں فیروز کا انتظار کروں گی، یہاں تک کہ خواہ میں انتظار کرتے بوڑھی ہی کیوں نہ ہو جاؤں!"

اسدی نے کہا "اگر فیروز واپس نہ آئے تو اس صورت میں، میں تم سے ایک درخواست ضرور کروں گا!"

شیریں اس کے لب و لہجے اور تیوروں سے سب کچھ سمجھ چکی تھی، بولی "مجھے جو فیصلہ کرنا ہے خود کروں گی اور کسی بات پر کوئی شخص بھی مجھے مجبور نہیں کر سکتا!"

اسدی نے کھسیا کر کہا "مجبور کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہم دونوں اب تک جس رشتے سے متعارف رہے ہیں وہ ہمیشہ قائم اور باقی رہے اور کچھ ایسا ہو جائے کہ اس رشتے کا جھوٹ ختم ہو جائے!"

شیریں کے سر میں چمک سی ہوئی اور درد کی ایک لہر ادھر سے ادھر تک دوڑ گئی۔ اس نے بادل نخواستہ کہا "جناب! میں آرام کرنا چاہتی ہوں، آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ سردست طبیعت ٹھیک ہو جائے تو بقیہ بات پھر ہو جائے گی!"

اسدی واپسی کے ارادے سے کھڑا ہو گیا۔ بولا "شیریں! تم سے یہ درخواست کروں گا کہ فیروز کے بعد تم میرے لئے کچھ ضرور سوچنا اور میں تو یہاں تک کہوں گا کہ تمہیں اپنے باپ کے قاتل سے نفرت کرنی چاہیئے!"

شیریں نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے خیال میں یہ باتیں ایسی تھیں بھی نہیں جن کا سنجیدگی سے کوئی جواب دیا جاتا۔ اسدی چپ چاپ کھڑا شیریں کی صورت دیکھتا رہا اور اپنے دل اور پورے جسم میں درد و کسک کی ایک لہر سی محسوس کرتا رہا۔ شیریں نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور کہا "آپ جاتے کیوں نہیں؟ آپ جائیے اور مجھے آرام کرنے دیجئے!"

اسدی پر جنون کا بھوت سوار تھا۔ بولا "میں اس وقت یہاں سے ہٹوں گا جب تم مجھے اس بات کا یقین دلا دو گی کہ تم فیروز کے بعد میرے معاملے میں سنجیدگی سے غور کرو گی!"

شیریں نے ٹالنے کے لئے کہہ دیا "جیسا آپ چاہتے ہیں وہی ہوگا لیکن اس وقت مجھے تنہائی میں پڑا رہنے دیجئے، بڑا کرم ہوگا۔"

اسدی نے غیر معمولی جرأت سے کام لیا۔ شیریں کی ہمت افزا اور امید زدہ بات

نے اس میں جسارت پیدا کر دی، تیزی سے آگے بڑھا اور پھرتی سے شیریں پر جھک کر اس کی پیشانی کا بوسہ لے لیا۔ شیریں تڑپ کر دراز ہو گئی اور اوندھے منہ بستر پر گر کر مزید بوسوں سے چہرے کو بچا لیا۔

بعد میں اپنے کئے پر اسدی بہت پشیمان ہوا۔ شیریں کے سامنے جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور نہ جانے کی صورت میں ایک اذیت ناک کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ شیریں بھی اس سے منہ چھپائے اپنے کمرے کے اندر بند تھی، اسدی نے کئی بار یہ سوچا کہ چل کر معافی مانگ لے لیکن یہ سوچ کر باز رہا کہ اب شیریں اسے اپنے کمرے میں گھسنے بھی نہ دے گی، سنسان اور تاریک رات نے اس کی اداسی اور افسردگی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ کر دیا۔ تقریباً نصف رات گزر جانے کے باوجود دونوں بھوکے الگ الگ کمروں میں پڑے ہوئے تھے، وہ جذبۂ عشق جس نے اسے شیریں پر جھکا کر بوسے لینے پر مجبور کر دیا تھا پشیمانی اور انفعال سے پوری طرح مفتوح نہیں ہوا تھا، وہ دل میں اب بھی موجود تھا لیکن اب اس نے ذرا چولا بدل لیا تھا اور پشیمانی اور ندامت میں گھل مل کر اسدی کو شیریں کے پاس دوبارہ لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ رات بہت زیادہ بھیگ چکی تھی یکایک اسدی کے دل میں شکوک اور اوہام نے گھر کرنا شروع کر دیا اسے شبہ گزرا کہ کہیں شیریں اس کی نازیبا جسارت سے دل برداشتہ ہو کر کوئی الٹا سیدھا قدم نہ اٹھا بیٹھے، یہ وسوسہ اسپرنگ ثابت ہوا وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ شیریں کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا، اسدی کی تشویش میں اضافہ ہونے لگا۔ اس نے زور زور سے دستک دینی شروع کی، کچھ دیر بعد نزلہ زدہ سیں سیں کرتی آواز میں شیریں نے پوچھا "کیا ہے؟ کیوں پریشان کرتے ہیں آپ؟"

اسدی نے کہا "شیریں! میں نے جو کچھ کیا اس پر شرمندہ ہوں اور معافی مانگنے آیا ہوں!"

شیریں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اسدی اس خلاف توقع عمل پر حیرت زدہ رہ گیا۔ شیریں اپنے بستر پر واپس چلی گئی اور اسدی مجرم کی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، سر جھکائے ہوئے اس کے بستر کے قریب جا کھڑا ہوا — شیریں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ "شیریں!" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

شیریں خاموش رہی۔

"شیریں! مجھے معاف کر دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی!"

شیریں نے برہمی سے جواب دیا۔" مجھ سے وعدہ نہیں اپنے دل سے عہد کرو کہ آئندہ تم اس بے ہودگی کے مرتکب نہیں ہو گے!"

اسدی نے کہا۔" میں نے اپنے دل سے یہ عہد بھی کر لیا ہے اور تم سے وعدہ کرتا ہوں!"

شیریں نے بیزاری سے کہا۔" تو اب واپس جاؤ، یہاں کیوں کھڑے ہو!"

اسدی نے کہا۔" ادھر میری طرف منہ تو کرو، اور مجھ سے نظریں ملا کر معافی کا اعلان کرو!"

شیریں نے کہا۔" ایسا نہیں ہو سکتا!"

"تب پھر میں رات بھر اسی طرح کھڑا رہوں گا!"

"کیا زبردستی ہے!"

"زبردستی نہیں درخواست ہے!"

شیریں نے تھک کر کہا۔" جاؤ میں نے معاف کر دیا اور اس شرط پر معاف کیا کہ تم آئندہ ایسی غلطی نہیں کرو گے!"

"نہیں اس طرح نہیں شیریں ادھر منہ کرو میری طرف پھر معافی کا اعلان کرو!"

شیریں کو ہنسی آ گئی ایسی ہنسی جس میں درد بھی شامل تھا۔ ایک جھٹکے سے کروٹ بدلی اور اسدی سے نظریں چراتی ہوئی بولی۔" اب تو پیچھا چھوڑ دیں آپ!"

اس ہنسی نے اسدی میں چھپے ہوئے جذبۂ عشق کو پھر بیدار کر دیا اور ندامت اور پشیمانی بھاپ کی طرح اڑ گئے، اس نے کہا۔" شیریں! ایک وعدہ تمہیں بھی کرنا ہو گا!"

"کیسا وعدہ؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ میری بات کا برا تو نہیں مانو گی؟"

"بات ایسی نہ ہو کہ بری لگے تو کیا میرا دماغ چل گیا ہے کہ ہر بات بری لگنے لگے"

اسدی نے کچھ تامل کے بعد کہا۔" اگر فیروز واپس نہ آئے تو تم مجھے نظر انداز نہیں کرو گی!"

"پھر چل نکلے"! وہ پھر ہنس دی۔" یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے!"

اسدی خلاف توقع تبدیلی کے آثار دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا لیکن اس خیال نے اس کی خوشیاں غارت کر دیں کہ شیریں لڑکی ہے ایک ایسی لڑکی جو اسدی کے رحم و کرم پر ہے اس کی عزت آبرو عصمت عفت اس کے بس میں ہے کہیں چالاک شیریں خوش اخلاقی اور مسکراہٹ کے ہتھیار سے متوقع جبر اور زبردستی سے دفاع

تو نہیں کر رہی اور موقع پا کر اس کا ساتھ چھوڑ کر کہیں رفوچکر نہ ہو جائے۔

"سوچنے کیا لگے، اب جائیے!"

اسدی نے جواب دیا۔" سوچ یہ رہا ہوں کہ تمہارے دل کا حال کس طرح پڑھوں، میں صرف ایک بات چاہتا ہوں، اگر تم مجھے نظر انداز کرنا چاہو تو بشوق نظر انداز کر دو، لیکن اس کا اعلان بھی کر دو میرے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہو گا کہ تم مجھے دھوکے مغالطے اور خوش فہمی میں مبتلا رکھ کر راہِ فرار اختیار کرو!"

شیریں نے کہا" معینہ عرصے کے اندر تو میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتی لیکن یہ وعدہ کرتی ہوں کہ اس کے بعد فیروز کے نہ آنے کی صورت میں تمہاری بابت ہمدردانہ غور کروں گی!"

اتنا کہہ کر اس نے دوبارہ کروٹ بدلی اور منہ پھیر لیا۔ اسدی تھوڑی دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ شیریں یہ سمجھی کہ اسدی شاید چلا گیا۔ اس نے آہستہ سے منہ پھیر کر پیچھے دیکھا اور اسدی کو کھڑا دیکھ کر جلدی سے پھر منہ پھیر لیا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔

اسدی یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا۔" شیریں! اب میں مطمئن ہوں تم زبان سے کوئی وعدہ کرو یا نہ کرو لیکن تمہاری آنکھیں اس کا وعدہ کر رہی ہیں، زبان کا وعدہ غلط بھی ہو سکتا ہے لیکن آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں وہ دل کی صحیح پیامبر ہیں، سچی پیام رساں!"

نادر شاہ نے اسدی کی اس کی توقع سے زیادہ عزت کی اور شاہی خط و کتابت کا منصب عطا ہوا۔ نادر شاہ قندھار کی مہم پر روانہ ہونے ہی والا تھا۔ شیریں بھی اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔ نادر شاہ کے عزائم بلند تھے اور اس کی فوج کا نظم و ضبط مثالی تھا۔ احکام کی تعمیل میں وہ چوں و چرا کا قائل نہ تھا۔ جب یہ طوفان اصفہان سے قندھار کی طرف چلا تو اس کے گرد و غبار نے سورج اور زمین کے مابین ایک پردہ سا تان دیا۔ راستے میں نادر شاہ کا ایک فوجی افسر طہماسپ خان بھی بیس ہزار سواروں کے ساتھ آن ملا۔

نادر شاہ نے قندھار کو محاصرے میں لے لیا۔ یہ محاصرہ طول پکڑتا رہا۔ افغان بھی بآسانی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے، یہاں انہوں نے نادر شاہ کو بہت قریب سے دیکھا، جو لوگ اس کے خیمے پر خدمت گاری اور حفاظت کا فرض انجام دیتے تھے انہیں بیٹھے

یا بستا لنے کی اجازت نہیں تھی، انہیں اپنے فرائض کی بجا آوری کے دوران حکماً کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ وہ دن بھر انتہائی مشغول رہتے لیکن شام کے بعد انہیں دوست اور رفیق کی حیثیت بھی حاصل ہو جاتی لیکن ایک دوست اور رفیق کو بھی نادر شاہ کے دبدبے اور سخت گیری سے نہایت محتاط اور ہوشیار رہنا پڑتا، اسدی کو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ دیکھئے کب کیا ہوتا ہے اور کس وقت کیسا بھیانک حکم نادری سنایا جاتا ہے

نادری دبدبے اور احکام کی بجا آوری میں ایک سال گذر گیا، اس دوران اس نے نادری سپاہ میں فیروز کی تلاش جاری رکھی لیکن نتیجہ مایوسی نکلا، قلعے کی تسخیر کے لئے برج تعمیر کرائے گئے اور ان برجوں پر توپیں چڑھا دی گئیں، نادر شاہ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ قندھار کے محاصرے میں ایک سال ضائع ہو چکا تھا اور سرکش افغان ہتھیار نہیں ڈال رہے تھے، افغانوں کے خلاف اس کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعض مطلوب افغان سردار ہندوستان بھاگ گئے ہیں اور ہندوستان کے مغل فرماں روا محمد شاہ نے انہیں پناہ دے رکھی ہے۔ حالانکہ ایران مغل فرماں روا کا نہ صرف حلیف بلکہ محسن رہ چکا تھا۔ اس نے اسدی کے ذریعے ہندوستان کے مغل بادشاہ کے نام ایک مراسلہ لکھوایا۔ اس کے لب و لہجے میں احتیاط اور تحکم کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ اس نے لکھوایا۔

"ہندوستان کے عظیم مغل فرماں روا سے اس کا بھائی نادر شاہ جو اس کا معاصر اور پڑوسی ملک ایران کا بادشاہ ہے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کے جو معتوب اور مفرور دشمن آپ کی مملکت میں داخل ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے ہیں ان کے لئے مغل فرماں روا کا کیا منصوبہ ہے؟ بادشاہ کو چاہئے کہ انہیں ہمارے حوالے کر کے دوست کی خوشنودی حاصل کریں یا اگر اس میں کوئی قباحت ہو تو مغل بادشاہ انہیں گرفتار کرا کے قید خانوں میں ڈلوا دے کیونکہ وہ اسی طرح حق دوستی ادا کر سکتا ہے لیکن اگر دہلی کے فرماں روا نے چشم پوشی اور تساہل سے کام لیا تو مجبوراً یہی کام ہمیں خود انجام دینا پڑے گا، اور جب ہم اپنے مخالفین کے تعاقب میں آپ کی مملکت کے حدود میں داخل ہوں گے تو ہمیں امید ہے کہ آپ ایک مہمان کی حیثیت سے ہمارا شاندار استقبال کریں گے، دوستی کی حدود دوستی تک ہیں ان حدود کا احترام آپ پر واجب ہے بصورت دیگر ہم آپ سے اسی طرح ملیں گے جس طرح آپ ملنا چاہیں گے اور ہمارا عمل اور رویہ آپ کے عمل اور رویے کا تابع ہوگا۔

آپ کی طبیعت میں سکون اور ٹھہراؤ بہت ہے، ہمارے اس نامے کے جواب میں اپنے روایتی تساہل اور بے نیازی سے کام نہ لیجئے گا، یہ نامہ اس لئے اور ضروری ہے کہ ہم عنقریب قندھار کو فتح کرنے والے ہیں اور یہاں کے بھی بعض سرکش اور باغی فرار ہو کر آپ کی مملکت میں پناہ کی خاطر داخل ہوں گے آپ اس نامے کے پاتے ہی اپنی ان سرحدوں کی نگرانی کے سخت احکامات نافذ کر دیں جو افغانستان سے ملتی ہیں، اور ہمارے باغیوں اور مفروروں کو اپنی حدود میں ہرگز نہ داخل ہونے دیں!"

اسدی کی مکتوب نگاری سے نادر شاہ بہت خوش ہوتا تھا جب یہ مکتوب اسے پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے ہونٹوں کی ہلکی سی مسکراہٹ سے اسدی کو داد دی، شب کی قدرے بے تکلف محفل میں اس نے تقریباً آدھ سیر شراب پی اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسدی سے کہا: "ہم تمہارے مکتوب سے بہت خوش ہوئے، بخدا اس میں تم نے وہی کچھ لکھا ہے جو ہم چاہتے تھے، لو یہ رہا تمہارا انعام!" نادر شاہ نے اپنے گلے کا قیمتی ہار اتار کر اسدی کے حوالے کر دیا۔

مصاحبت میں موجود امرا میں بعض جل گئے اور اسدی کے خلاف حسد میں مبتلا ہو گئے، نادر شاہ کی چہروں کے پیچھے موجود کیفیات اور احساسات میں اتر جانے والی تیز نظریں ان کے حسد کو بھانپ گئیں، اس نے انہیں چھیڑنے کے لئے کہا: "ہمارے امرا اور مصاحبین میں شاید ایک بھی ایسا نہیں جو اسدی جیسی مکتوب نگاری کر سکے!"

ایک امیر سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا: "یہ ناچیز مکتوب نگاری یا کسی اور ہنر میں کسی کا مقابلہ تو نہیں کرے گا۔ لیکن ہندوستان کے بادشاہ کے نام جو خط لکھا گیا ہے اس کے بعض حصوں پر ضروری تنقید ضرور کرے گا۔"

نادر شاہ چونک کر اس امیر کی شکل دیکھنے لگا اور اسدی کی جان نکل گئی۔ نادر شاہ کی توجہ نے امیر کی ہمت افزائی کی، اس نے دلیری سے تنقید کرنی شروع کر دی "حضور والا! بادشاہ، بادشاہوں کو جو نامے لکھتے ہیں، اس میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ابتدائی چند ناموں میں نہایت نرم اور مفاہمانہ باتیں لکھی جائیں اور بتدریج سخت روش اختیار کی جائے!"

نادر شاہ ایک دم مشتعل ہو گیا، گرج کر بولا: "اسے گرفتار کیا جائے!"

کئی دوسرے امرا نے اسے بے بس کر کے اسیر کر لیا۔ نادر شاہ نے تالی بجا کر خیمے کے محافظین کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ اس امیر کو رسیوں سے جکڑ دیا جائے۔

امیر نے بندھتے بندھتے سوال کیا: "ناچیز کا جرم، غلام کی خطا؟"

نادر شاہ برہم انداز میں گرجا: "تیرا جرم؟ تیری خطا؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ وہ مکتوب مفہوم اور معنی کے اعتبار سے میرا اور لفظوں اور تحریر کی حد تک اسدی کا مکتوب ہے، تو نے اس کے معنی اور مطالب پر تنقید کرتے ہوئے یہ تک نہ سوچا کہ نادر قلی اور نادر شاہ میں کیا فرق ہے، جب ہم صرف نادر قلی تھے، اس وقت تجھے اس قسم کی تنقید کا حق ہو سکتا تھا لیکن اب ہم نادر شاہ ہیں اور ہماری شخصیت اور حیثیت دوسروں کی تنقید سے بالاتر ہے، تو نے نہ صرف بیہودہ تنقید کی بلکہ شاہی نامے کی توہین بھی کی اور یہ ایک ناقابل معافی اور قابل گردن زدنی جرم ہے!"

اس کے بعد نادر شاہ معتوب امیر کے ساتھ ہی خیمے سے باہر نکلا اور امیر کی گردن زدنی کا حکم صادر کیا۔ ایک محافظ تلوار سونت کر آگے بڑھا اور امیر کی گدی پر بھرپور وار کیا، ایک ہی وار میں معتوب امیر کا سر لڑھک کر دور جا گرا اور جسم ماہی بے آب کی طرح پھڑکنے لگا۔

اس وقت نادر شاہ کی طبیعت میں بہت زیادہ تکدر پیدا ہو چکا تھا اس لئے شب کی محفل سونی سونی سہمی سہمی اور اداس اداس سی رہی، کچھ دیر بعد نادر شاہ نے ھگما اپنے اُمرا اور مصاحبین کو رخصت کر دیا۔ لیکن جب اسدی جانے لگا تو اسے روک لیا، اور جب بالکل تخلیہ ہو گیا تو اس نے درشت لہجے میں کہا: "ہم نے اس گستاخ امیر کو اس لئے نہیں قتل کیا کہ اس نے تیرے مرقومہ مکتوب پر تنقید کی تھی اگر تو اس واقعے کا یہ تاثر لے گا تو تیرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ اور تو نقصان اٹھائے گا!"

اسدی نے گردن جھکا لی اور لرزتی آواز میں رک رک کر کہا: "اونچے پہاڑ کے سامنے اگر کوئی چھوٹا سا ٹیلہ فخر سے سینہ تانے گا تو یہ اس کی حماقت ہی تو ہو گی۔ خدا کے فضل اور بادشاہ کے فیض صحبت سے میں ناشکرا اور کور فہم نہیں ہوں!"

نادر شاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ بولا: "تو بے شک اس لائق ہے کہ تیری باتوں سے فائدہ اٹھایا جائے، اب تو جا سکتا ہے، تجھے مزید انعام و اکرام سے بھی نوازا جائے گا خواہ تیرے حاسد کتنا ہی حسد کیوں نہ کریں!"

نادر شاہ کا بخشا ہوا ہار اس نے شیریں کی گود میں ڈال دیا اور پوری روداد سنا کر خوفزدہ لہجے میں بولا: "شیریں! آج میں بہت ڈر گیا ہوں کچھ پتہ نہیں بادشاہ کا مزاج کب برہم ہو اور کب گردن مار دی جائے!"

شیریں نے جواب دیا: "آپ ایک عقل مند پڑھے لکھے انسان ہیں، جب بادشاہ کی ایک کمزوری آپ کے علم میں آ گئی ہے تو محتاط رہیں اور بادشاہ کو برہم نہ ہونے دیں!"

اسدی نے تردد سے کہا: "کیا میں تمہیں یہ یاد دلا دوں کہ فیروز کو ہم سے جدا ہوئے پونے دو سال گزر چکے ہیں اور ہم دونوں کی گردن سے اس کے عہد کا جوا نکل چکا ہے!"

شیریں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پشت موڑ کر بیٹھ گئی۔

اسدی نے کچھ رک کر پھر زبان کھولی: "میں ڈرتا ہوں کہ اگر کسی بھی طرح بادشاہ کو ہم دونوں کے بارے میں صحیح باتیں معلوم ہو گئیں تو اس کا انجام کیا ہو گا؟"

شیریں نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ اسدی عاجز آکر بولا: "تم بولتیں کیوں نہیں شیریں خاموش کیوں ہو؟"

لیکن شیریں نے گویا چپ شاہ کا روزہ رکھ لیا تھا۔ اسدی اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تو پتہ چلا وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ رو رہی تھی، بے اختیار ٹھوڑی کو انگلیوں سے اٹھایا: "ارے یہ تم رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا کیا؟"

دریا کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی، اسدی نے اور زیادہ جسارت سے کام لیا، شیریں کی عدم مزاحمت نے اس کی ہمت بڑھا دی تھی، اس نے شیریں کو اپنی آغوش میں لے لیا: "تمہیں غم کس بات کا؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ!"

شیریں ذرا کسمسائی، اس کے بعد سکوت اختیار کیا، شیریں کے رویے نے اس کی نیت کا واضح اشارہ دے دیا تھا۔ اسدی نے شیریں کے اتصال اور لمس کا جیسا سرور اور کیف محسوس کیا وہ ناقابل بیان تھا۔ بولا: "شیریں! تم اس بات کی داد ضرور دو گی کہ میں نے خود کو تمہارے روبرو ایک بلند کردار انسان ثابت کیا ہے اور اسی لئے خود کو تمہارے لائق سمجھنے لگا ہوں!"

شیریں نے سسکیوں میں جواب دیا: "اب وہ نہیں آئے گا کبھی بھی نہ آئے گا اسے ضرور قتل کیا جا چکا ہے اگر مجھے اس کی واپسی کا یقین ہوتا تو میں اس کا انتظار میں پوری عمر گزار سکتی تھی لیکن اب انتظار فضول معلوم ہوتا ہے، بہرحال میں نے اپنا عہد پورا کر دیا۔"

اسدی نے اس کا دل رکھنے کو کہہ دیا: "یہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ وہ جب کبھی بھی ہمیں مل جائے گا میں طلاق دے کر تمہیں اس کے حوالے کر دوں گا!"

شیریں نے بھرائی آواز میں پوچھا "یہ آپ کا وعدہ ہے؟"

"ہاں یہ میرا وعدہ ہے!"

"اچھا!" شیریں کچھ سوچنے لگی "جو کچھ کرنا ہے نہایت رازداری اور خاموشی سے انجام دینا چاہیئے!"

اسدی کے مارے خوشی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بولا "بس چند دن کی بات ہے قندھار عنقریب فتح کر لیا جائے گا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی میں کسی قاضی کو چپکے سے پکڑ لاؤں گا، وہ ہم دونوں کو خاموشی سے رشتۂ مناکحت سے وابستہ کر دے گا!"

شیریں نے لاپروائی سے کہا "جیسا مناسب سمجھو کرو لیکن رازداری اور اخفا کا خاص خیال رہے!"

اب اسدی کے لئے فکر کی کوئی بات نہ رہی تھی اور خدا سے وہ جو کچھ بھی چاہتا تھا۔ مل چکا تھا۔

جب نادر شاہ نے نو تعمیر برجوں سے گولہ باری شروع کی تو قندھار والے پناہ مانگ گئے اور نادر شاہ اپنی سپاہ کے ساتھ فاتحانہ شہر میں داخل ہو گیا۔ نادر شاہ نے شہر والوں سے انتہائی رواداری اور مروت کا سلوک کیا۔ قندھار کا حکمران حسین فرار ہوا لیکن پکڑا گیا۔ اور نادر شاہ نے اسے ماژندراں کے قید خانے میں روانہ کر دیا۔ قندھار کے وہ سرکش جو نادر شاہ کو مطلوب تھے ہندوستان بھاگ گئے۔

قندھار کی تسخیر کے فوراً بعد اسدی ایک قاضی کو چوری چھپے گھر لے آیا اور شیریں سے نکاح پڑھا لیا۔ اس نے قاضی کو اس کا کافی معاوضہ دیا اور اسے ہدایت کی، کہ خبردار جو یہ راز کسی پر ظاہر کیا' قاضی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آخر اس میں راز کی کیا بات ہے۔

نکاح کے بعد جب دونوں بے تکلفی سے یکجا ہوئے اور دلوں میں چھپے دبے رازوں کے اگلنے کا وقت آیا تو شیریں کی زبان سے یہ سن کر اسدی بہت خوش ہوا کہ وہ اس سے غیر معمولی طور پر متاثر تھی، اور اس کے کردار کی حد درجہ معترف اور مداح تھی، شیریں نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ وہ فیروز سے محبت تو ضرور کرتی تھی لیکن اس کے کردار کو ناپسند کرتی تھی' ان دونوں نے وہ پوری رات باتوں ہی میں گزار دی، صبح اذان سے ذرا پہلے انہیں نیند آنے ہی والی تھی کہ نادری فرستادے نے دروازے پر دستک دی' وہ گھبرا کر باہر نکلا تو پتہ چلا کہ نادر شاہ اسے یاد کر رہا ہے!

یہ افتاں و خیزاں بادشاہ کے پاس پہنچا۔ نادر شاہ کمر کے پیچھے دونوں ہاتھ باندھے نہایت اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے ایک نگاہِ غلط انداز سے اسدی کو دیکھا اور چیخ کر کہا "اس احمق مغل حکمراں کو درست ہی کرنا پڑے گا۔ تو نے کچھ غور کیا۔ اس نے ہمارے کئی قاصدوں کو جبراً روک رکھا ہے اور انہیں کوئی جواب نہیں دے رہا ہے۔ ہم نے جو کچھ سنا وہ ہمارے لئے تازیانے کا حکم رکھتا ہے!" اس کے بعد نادر شاہ نے قاصد کو حکم دیا کہ جو کچھ ابھی تھوڑی دیر پہلے کہہ چکا ہے پھر دہرائے۔ قاصد کہنے لگا۔

"حضور والا! آپ کا یہ ناچیز بڑی مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ لوگ مضحکہ خیز انداز میں آپ کے اس غلام کو دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے، جب مجھے مغل بادشاہ کے روبرو لے جایا گیا تو شاہی محل کے باغ میں شراب نوشی ہو رہی تھی اور شراب کی صراحیاں اور جام سامنے رکھے ہوئے تھے مغل بادشاہ سے میرا تعارف کرایا گیا تو اس نے طنزیہ انداز میں اپنے مصاحبین اور امرا سے کہا کہ آخر یہ ایران کو ہوا کیا ہے کہ جب دیکھو سفارتیں چلی آ رہی ہیں' جب دیکھو شاہی محل کے دروازے پر ایک نہ ایک قاصد موجود ہے اور اپنے بادشاہ کا مکتوب پیش کر رہا ہے' آخر یہ ایران کی حکومت کو ہو کیا گیا ہے اور وہ ہمیں کیا سمجھتی ہے!!"

مصاحبین کھلکھلا کر ہنس دیئے' کسی امیر نے بادشاہ کو مشورہ دیا "حضور! چند دن توقف فرمائیں' بس اس کے بعد دیکھئے گا کہ نادر شاہ کس طرح شکستیں اٹھا کر مفتوح کی مسکین صورت میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے گا"

نادر شاہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ قاصد کو جو کچھ کہنا تھا، بادشاہ پر نظریں جمائے بغیر کہتا تھا۔ بادشاہ نے قاصد سے کہا "اور کچھ یا بس؟"

قاصد نے کہا "حضور والا! یہ ناچیز زبان کھولتے گھبراتا ہے' حضور والا کے مکتوب کی جیسی' توہین مغل فرماں روا نے کی ہے' یہ ناچیز تو اس کے بیان تک پر بھی قادر نہیں!"

نادر شاہ نے چیخ کر کہا "ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ سب کچھ صاف صاف بتا!"

قاصد نے کہا "حضور والا! جیسا کہ یہ حقیر عرض کر چکا ہے کہ حضورؐ کا نامہ میں نے مغل بادشاہ کو اس کے محل کے باغ میں پیش کیا تھا۔ مغل بادشاہ اس وقت شراب پی رہا تھا۔ اس نے اس ناچیز سے شاہی فرمان لے کر پڑھا اور پھر ہنس کر

اسے اپنے جام میں ڈبو دیا۔ اور بولا "ایں دفترِ بے معنی غرق مے ناب اولیٰ!"

"یہ گستاخی! یہ ہمت یہ مجال!" نادر شاہ سخت مشتعل اور برافروختہ تھا۔ اس نے اعلان کیا "قندھار کے بعد ہم کابل اور غزنی فتح کریں گے کیونکہ یہ مغل سلطنت کے علاقے ہیں پھر جلال آباد اور پشاور کے راستے سے ہندوستان چلیں گے ہمارے اس منصوبے کا فوج میں اعلان کر دیا جائے!"

ہرکارے اور نقیب ادھر اُدھر دوڑ گئے اور فرمان نادری ہر طرف مشتہر ہو گیا

نادر شاہ نے نیا حکم دیا "قندھار کے جو پٹھان ہماری ملازمت میں آنا چاہیں انہیں فوج میں بھرتی کر لیا جائے!" پھر اسدی سے کہا "ہم نے تجھے اس لئے بلایا ہے کہ تجھ سے ہندوستان کے نالائق حکمران کو ایک مکتوب اور لکھوا دیں، اس کے بعد جو جواب ملے گا ہمارا طرزِ عمل اس کے مطابق ہو گا!"

نادر شاہ نے مغل فرماں رواں کے نام ایک خط اور لکھوایا جس میں اس سے یہ شکایت کی گئی تھی کہ "قندھار کے بھاگے ہوئے باغی مغل بادشاہ کی مملکت میں پناہ لے رہے ہیں یہ سلسلہ جبراً بند کیا جائے ورنہ ہم اس کا بزورِ شمشیر جواب طلب کریں گے!"

اسدی نے اس مکتوب کو بھی اتنے شاندار پیرایے میں لکھا کہ نادر شاہ نے خوش ہو کر زرِ نقد کی کئی تھیلیاں اسے بطور انعام بخش دیں اور کہا "تو اپنی تھیلیاں گھر بھجوا دے اور خود ہمارے ساتھ چل، ہمیں سپاہ کی ضرورت ہے ہمیں سپاہی درکار ہیں، ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ قندھار کے قلعے کے زمین دوز تہہ خانوں میں قیدیوں کی ایک بڑی تعداد بند ہے، ہم انہیں رہا کر کے فوج میں داخل کر لیں گے!"

کسی اور کو نادر کی اس تجویز سے کس طرح انکار ہو سکتا تھا۔ نادر شاہ ایک دستے کو ساتھ لے کر تہہ خانوں کی تلاشی لینے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں غضب کی سیلن تھی اور چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس نے مشعلیں لانے کا حکم دیا جو فوراً حاضر کر دی گئیں وہاں سے واقعی قیدیوں کی بڑی تعداد نکالی گئی، یہ وہ لوگ تھے جنہیں قندھار کے حکمران نے دشمنی یا بیگانگی میں یہاں قید کر دیا تھا۔ ان کے چہرے مُرجھائے ہوئے جسم نحیف و نزار تھے، نادر شاہ نے اسدی کو تہہ خانے کے در پر بٹھا دیا اور اسے حکم دیا "تمام قیدیوں کی ایک فہرست تیار کی جائے، قیدی کا نام، قومیت، وجہ قید بندی، پیشہ اور عمر کا اندراج کیا جائے!"

اسدی حکم کی تعمیل میں لگ گیا۔ تہہ خانے کے در پر بیٹھ گیا اور دوسرے لوگ قیدیوں کو باری باری اس کے روبرو پیش کرنے لگے۔ اس کا قلم نہایت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ نادر شاہ تحسین آمیز نظروں سے اسدی کو کام کرتا دیکھ رہا تھا۔

قیدیوں کو پیش کرنے والا قیدی سے تفصیلات پوچھ پوچھ کر اسدی کو بتا رہا تھا۔ یکایک ایک قیدی کا نام لیا "فیروز!"

اسدی نے بے خیالی میں نام لکھ کر پوچھا "قومیت؟"

جواب ملا "ایرانی تبریزی!"

اسدی چونک پڑا سر اٹھا کر قیدی کو دیکھا ایک دُبلا پتلا مدقوق اس کے روبرو کھڑا گھور رہا ہے اور اس میں شیریں کے فیروز کی شباہت پائی جاتی تھی، اسدی اتنا گھبرایا کہ اس کے ہاتھ سے قلم چھوٹ کر نیچے آ گیا۔ خدمت گار نے قلم اٹھا کر اسدی کے حوالے کیا۔ اسدی کو اچانک اس بات کا احساس ہو گیا کہ نادر شاہ کچھ دُور کھڑا اس کے کام کا جائزہ لے رہا ہے۔ نادری نگراں آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اسدی نے بدقت تمام جملہ اندراجات کئے، فیروز اسے کچھ عجیب سی نظروں سے کھڑا دیکھتا رہا۔ اسکی آنکھوں میں حیرت، حسرت، جستجو اور بہت سارے سوالات تھے لیکن اسدی میں ان آنکھوں کی تاب نہیں تھی، وہ نظریں چرانے لگا۔

فیروز نے جب یہ دیکھا کہ اسدی اسے پہچاننے سے گریز کر رہا ہے تو اس نے خود ہی اسے مخاطب کیا "کیا تم اسدی نہیں ہو؟"

اسدی نے آہستہ سے جواب دیا "ہاں میں اسدی ہی ہوں!"

"پھر مجھ سے نظریں کیوں چرا رہے ہو؟"

"میں اپنے فرائضِ منصبی انجام دے رہا ہوں اور تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اس وقت تک خاموش رہو جب تک میں یہ کام کر رہا ہوں!"

فیروز نے سمجھوتے کے انداز میں کہا "بہتر ہے، میں یہیں تمہارے پاس ہی بیٹھ جاتا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ میری شیریں کہاں ہے اور کیسی ہے؟"

اسدی کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی اور آنکھیں روشنی کھونے لگیں، سارے جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ دوڑ رہی تھی رُک رُک کر بولا "میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا تم پریشان مت ہو لیکن مجھے یہ کام ضرور کر لینے دو!"

فیروز خاموش ہو گیا اور اسدی اپنا کام انجام دیتا رہا۔ دونوں کی معنی خیز

گفتگو دوسروں نے بھی سنی لیکن نادر شاہ ان کے سامنے ذرا دُور موجود تھا اس لئے دم مارنے تک کا موقع نہ تھا۔ ایک دوسرے سے انجان بن گئے۔

فیروز کو تہہ خانے سے رہائی پانے والوں کے خیموں میں پہنچا دیا گیا۔ اسدی قسمت کی ستم ظریفی پر حیران تھا اگر فیروز ایک دن پہلے مل جاتا تو وہ شاید شیریں سے شادی نہ کرسکتا۔ لیکن وہ اب ملا تھا وہ پریشان تھا کہ وہ شیریں کی بابت فیروز سے گفتگو کیا کرے گا۔ حالانکہ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ شیریں نے کافی عرصے انتظار کے بعد اس سے شادی کرلی، لیکن پھر بھی یہ کتنی افسوسناک اور شرم کی بات تھی کہ خود اس نے ایسا کیوں کیا۔ شیریں کو ایسا کرنے سے باز کیوں نہ رکھا، فیروز اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ حالات کا صحیح تجزیہ نہ کرسکے وہ سب کچھ کہے سُنے بغیر ہی سمجھ لے گا۔

اس دن وہ گھر میں اُداس اُداس داخل ہوا شیریں نے خوشگوار انداز میں اس کی پذیرائی کی لیکن اسدی گم سُم اور پریشان پریشان ہی رہا۔ شیریں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہو؟"

اسدی، آں اوں کرکے رہ گیا اسے ڈر تھا کہ اگر وہ شیریں کو فیروز کی بابت بتا دے گا تو وہ فوراً اسدی کا وہ وعدہ یاد دلا دے گی کہ اگر فیروز مل گیا تو وہ اسے طلاق دے کر فیروز کے حوالے کردے گا۔ اس نے خوب غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا —— سر دست وہ یہی کرسکتا تھا کہ فیروز کی بابت شیریں کو کچھ بھی نہ بتائے لیکن پھر یہ سوچ کر لرز جاتا کہ آخر یہ بات کب تک راز رہے گی۔

ہمت کرکے وہ فیروز سے ملنے گیا۔ فیروز اسدی سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ ملتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ اسدی نے ادھر اُدھر سے نامکمل داستان سُنا ڈالی، اور شیریں کا کم سے کم ذکر کیا۔ فیروز بار بار یہی پوچھتا "شیریں کہاں ہے؟"

جب اسدی کے لئے شیریں کا ذکر لازمی ہوگیا تو اس نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ اس نے کہا "شیریں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ اور جب وہ تمہاری طرف سے بالکل مایوس ہوگئی تو اس نے مجھ سے شادی کرلی!"

فیروز کو سکتہ سا ہوگیا۔ طنزاً بولا "شیریں نے تم سے شادی کرلی یا تم نے شیریں سے شادی کرلی؟"

"جو چاہو سمجھ لو!" اسدی نے جواب دیا "اب ہم دونوں نہایت پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں!"

فیروز نے دردناک لہجے میں پوچھا "کیا شیریں مجھے بالکل بھول گئی؟"

اسدی نے جواب دیا "وہ کبھی تمہارا ذکر تک نہیں کرتی!"

فیروز نے ایک سرد آہ بھری بولا "میں بہت بدقسمت انسان ہوں، میں نے شیریں کے لئے اس کے باپ کو قتل کیا اور جب اسے تمہارے شہر لے کر اصفہان جا رہا تھا تو مجھے افغان سپاہیوں نے گرفتار کرلیا اور مجھے قندھار کے قلعے میں قید کردیا گیا، تمہیں میرا کچھ دن اور انتظار کرنا تھا!"

اسدی نے کہا "اب جو ہونا تھا ہو چکا گئی گزری باتوں کا ذکر فضول ہے!"

فیروز کی آنکھیں بھر آئیں لیکن کُرتے کے دامن سے انہیں پونچھ کر مسکرانے لگا بولا "مردوں کو رونا نہیں چاہئے ایک شیریں گئی تو کیا ہوا ہزار شیریں مل جائیں گی اب تم یہ بتاؤ کہ بادشاہ سے تمہیں کتنی قربت حاصل ہے؟"

اسدی نے جواب دیا "بہت زیادہ!"

فیروز نے کہا "اب وقت آگیا ہے کہ تم اپنا عہد پورا کرو اور مجھے کوئی اچھا سا منصب دلوا دو!"

"یہ بات اگر تم نہ بھی کہتے تب بھی میرا فرض تھا کہ اپنا عہد پورا کروں!"

فیروز نے خوشامدانہ انداز میں کہا "ایک درخواست اور ہے!"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ ایک بار شیریں سے ملاقات کرا دو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کی آواز سننا چاہتا ہوں، اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

اسدی یہ درخواست فوراً ہی نہیں منظور کرسکا۔ اسے متامل دیکھ کر فیروز نے کہا "میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ تم دونوں کی خوشگوار زندگی کے پُرسکون تالاب میں کوئی کنکری پھینک کر اضطراب اور انتشار پیدا کروں، بلکہ میں شیریں کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ نصیحت کروں گا کہ اسے اسدی سے اچھا آدمی نہیں مل سکتا تھا!"

اسدی نے کہا "میں تمہیں شیریں سے بھی ملوا دوں گا لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تمہیں کوئی شایانِ شان ملازمت دلوا دی جائے!"

فیروز نے خوشی کا اظہار کیا۔ بولا "بہت بہت شکریہ!"

نادر شاہ اپنی افواج کو از سر نو ترتیب دے رہا تھا۔ وہ غزنی اور کابل کی تسخیر کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا قطعی منصوبہ بنا چکا تھا۔ قندھار کے جو لوگ فوج میں شامل ہونا چاہتے تھے انہیں بھرتی کر لیا گیا۔ اسی موقع پر اسدی نے نادر شاہ کے روبرو فیروز کی بڑی تعریفیں کیں۔ بادشاہ نے اسدی کو اجازت دے دی کہ وہ فیروز کو اپنا نائب بنا لے۔ اسدی نے فیروز کو اپنا نائب بنا لیا، اور فیروز ہنسی خوشی اسدی کے ساتھ کام کرنے لگا۔

نادر شاہی افواج غزنی، کابل، جلال آباد اور پشاور کی تسخیر کے بعد ہندوستان میں داخل ہو گئیں۔ اسدی نہایت احتیاط سے فیروز کی حرکات سکنات کا جائزہ لیتا رہا اور کہیں بھی یہ بات نہ پکڑ سکا کہ فیروز اس کے خلاف دل میں کینہ رکھتا ہے۔ اب تو اس نے اسدی سے شیریں کے دیکھنے اور اس سے ہم کلام ہونے کی درخواست کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔ اسے اسدی کے خیمے کے سامنے یا قریب سے گزرتے بھی نہ دیکھا گیا۔ ان باتوں کا اسدی پر بڑا گہرا اثر ہوتا رہا۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ زمانے کے مصائب اور قطعی مایوسی نے فیروز کو تیلے کی طرح سیدھا کر دیا ہے۔ آخر ایک دن اس نے فیروز سے کہا: "فیروز! کیا تم اب بھی شیریں کو دیکھنے اور ملنے کی خواہش رکھتے ہو؟"

فیروز نے جواب دیا: "کوئی خاص خواہش نہیں رکھتا اگر رکھتا تو تم سے بار بار درخواست کرتا!"

اسدی نے کہا: "میں کوشش کروں گا کہ تمہیں شیریں سے ملوا دوں، لیکن وعدہ کرو کہ تم محتاط رہو گے اور اسے اپنی طرف سے بالکل مایوس کر دینے کا رویہ اختیار کرو گے!"

"میں اس کا پہلے بھی وعدہ کر چکا ہوں اور تمہارے کہنے سے اب پھر کر رہا ہوں!"

اسدی نے کہا: "میں پرسوں تک تمہیں شیریں سے ملوا دوں گا!"

اسدی نے شیریں سے ملانے کا اس لیے حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یہ سمجھ چکا تھا کہ خود سے ملا دینا اور خود فیروز کے ذریعے شیریں کو مایوس کرا دینا زیادہ مناسب رہے گا لیکن اس سے پہلے یہ بہت ضروری تھا کہ خود شیریں کو ٹٹول لیا جائے۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا شیریں بال سنوار رہی تھی، اسدی نے اس کے سر کے درمیان ایک بوسہ دیا اور ہنستا ہوا اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ بولا: "ہم لوگ عنقریب دہلی پہنچ جائیں گے!"

شیریں نے جواب دیا: "لیکن خود مجھے یہ سفری زندگی پسند نہیں۔ کبھی کبھی

یہ سوچ کر خوف آتا ہے کہ اگر ہندوستان پہنچ کر قسمت نے نارسائی اختیار کی۔ اور مغل فرماں روا خوش قسمت ثابت ہوا تو ہمارا حشر کیا ہوگا؟"

"ایسی بے کار اور منحوس باتیں مت سوچو شیریں! نادر شاہ اقبال مند بادشاہ ہے وہ فاتح ہے اور زندگی بھر فاتح رہے گا!"

"خدا کرے ایسا ہی رہے!"

اسدی کچھ دیر اس کی صورت تکتا رہا۔ پھر یکایک پوچھا: "شیریں! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، کیا تم اس کا صحیح صحیح دیانتداری سے جواب دو گی؟"

شیریں نے پلکیں جھپکائیں، شریر مسکراہٹ سے جواب دیا: "پوچھیے!"

اسدی نے کہا: "میرا خیال ہے کہ میں نے بھی تمہارے دل میں خاصی جگہ بنا لی ہے!"

"ہاں، لیکن پھر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

اسدی نے ذرا گمبھیر لہجے میں کہا: "کبھی کبھی فیروز کی یاد آ جاتی ہے تو میں حسد سا محسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ تم نے اس سے بے پناہ محبت کی ہے بہت زیادہ، افسوس کہ میں یہ مقام نہیں حاصل کر سکا!"

شیریں نے جواب دیا: "وہ میرے باپ کا قاتل بھی تھا۔ لیکن آپ نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا۔ کیا آپ کے دل میں فیروز کی اس حیثیت پر بھی رشک یا حسد پیدا ہوتا ہے؟"

اسدی نے دونوں گال تھپتھپاتے ہوئے بولا: "میں اس حیثیت سے پناہ مانگتا ہوں، خدا اس جیسے کسی بھی جرم سے مجھے محفوظ رکھے۔" پھر پوچھا: "ان حالات میں اگر مجھے اور فیروز کو ترازو کے دو پلڑوں میں بٹھایا جائے تو کس کا پلڑا جھک جائے گا؟"

شیریں نے جواب دیا: "آپ کا!"

اسدی خوشی سے بے قابو ہو گیا، بے اختیار شیریں کو گود میں اٹھا کر ناچنے لگا اور بار بار کھلنے لگا، جب یہ جوش و خروش ذرا کم ہوا تو اسدی نے اس سے نیا سوال کیا "شیریں! ایک سوال اور!"

"پوچھیے، کیجیے سوال!"

اسدی نے کہا: "بفرض محال اگر اب فیروز کہیں سے آ جائے تو کیا کرو گی؟"

شیریں نے جواب دیا: "اول تو فیروز شاید مر چکا ہے، اگر زندہ ہوتا تو ضرور آتا!"

اسدی نے بہ اصرار پوچھا "میں یہ نہیں کہتا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا' میں تو ایک دوسرا ہی سوال کر رہا ہوں تم یہ سمجھ لو کہ ایک معجزے نے فیروز کو زندہ کرکے تمہارے روبرو کھڑا کر دیا ہے اور وہ تم سے اپنی محبت کے نام پر کچھ مطالبہ کر رہا ہے تو تم کیا کرو گی!"

شیریں نے جواب دیا "جو بات ناممکن ہے اسے فرض کس طرح کرلوں؟"

اسدی نے الجھتے ہوئے کہا "شیریں! جس طرح تم اس سوال کے جواب میں اپنا پہلو بچا رہی ہو اس سے میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ تمہارے دل میں اب بھی فیروز کی محبت کا چور موجود ہے!"

"آپ اس قسم کی باتیں کرکے خواہ مخواہ تلخی پیدا کر رہے ہیں!" شیریں رنجیدہ آواز میں کہنے لگی "میں آپ سے وابستہ ہو چکی ہوں' اب فیروز کیا کوئی بھی آجائے میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی کسی قیمت پر بھی نہیں کسی طرح نہیں!"

اسدی کا خوشی سے چہرہ دمکنے لگا۔ بولا "تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے شادی سے پہلے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر شادی کے بعد فیروز آگیا تو میں تمہیں طلاق دے کر اس کے حوالے کر دوں گا۔ میں نے جذبات میں تم سے یہ وعدہ لے لیا تھا لیکن اب میں خود کو اس معاہدے یا عہد پر پورا اترنے کے لائق نہیں محسوس کرتا۔ خود کو بے بس اور مجبور سا محسوس کرنے لگا ہوں!"

شیریں نے جواب دیا "آپ ان بیکار اور فضول وسوسوں میں مبتلا نہ ہوں اور خود کو ہلکان نہ کریں میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی ہوں اور ہمیشہ آپ کی رہوں گی!"

اسدی کو اب کہیں اطمینان ہوا' اور وہ خود کو اس لائق محسوس کرنے لگا کہ فیروز کا وجود اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

نادرشاہ پشاور سے آگے بڑھا اور دریائے اٹک کو کشتیوں کے ذریعے پار کیا' پھر وہ لاہور کی طرف بڑھا۔ لاہور کے حاکم زکریا خان کو اس نے مختصر پیام بھیج دیا جو ایک طرح کا حکم تھا۔

"میں تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ میں لاہور کی طرف بڑھ رہا ہوں میری آمد تک تم ہتھیار رکھ دو گے اور قلعے کا دروازہ میری افواج کی پذیرائی میں کھلا رکھو گے!"

لیکن زکریا خان نے مقابلے کی ٹھان لی' نادرشاہ نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ دریائے راوی میں گھوڑے ڈال دیئے جائیں اور ایک ایک گھوڑے پر دو دو سپاہی سوار ہو جائیں۔ فیروز اپنا گھوڑا کنارے پر چھوڑ کر دوسرے گھوڑے کی طرف بڑھا جس پر ایک شخص پہلے ہی سے

سوار تھا وہ عجلت میں اس پر سوار ہو گیا لیکن اسے جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا وہ عجلت اور لڑکھڑاہٹ میں نادرشاہ کے پیچھے بیٹھ گیا تھا' جب اسے اس بھیانک حقیقت کا علم ہوا۔ نادر شاہ کا گھوڑا راوی میں اتر چکا تھا۔ گھوڑا پانی کو چیرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگا' اچانک نادرشاہ کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پلٹ کر پیچھے دیکھا اور تحکمانہ پوچھا "تم کون؟"

فیروز نے جواب دیا "حضور کا ایک ادنیٰ جاں نثار!"

"تم یہاں کیسے؟"

فیروز نے جواب دیا "حضور نے حکم دیا تھا کہ ایک ایک گھوڑے پر دو دو آدمی سوار ہو جائیں، جب میں ایک گھوڑے کی طرف بڑھا تو اتفاق سے وہ گھوڑا حضور کا نکلا لہٰذا یہ ناچیز بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں اس پر سوار ہو گیا۔"

نادرشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور جب یہ لوگ کنارے پہنچ گئے تو نادرشاہ نے فیروز سے سوال کیا۔

"تم کس کی سفارش سے فوج میں بھرتی ہوئے تھے؟"

فیروز نے جواب دیا "حضور کے مکتوب نگار اسدی کے ذریعے!"

نادرشاہ نے کہا "خوب وہ بھی اچھا آدمی ہے اور تو بھی عمدہ آدمی حقیقتاً ہمیں ایسے ہی آدمی پسند ہیں' سرکش' بہادر' دلیر اور حوصلہ مند ہم تمہیں عنقریب کوئی اعزاز بخشیں گے!"

نادرشاہ نے زکریا خان پر اچانک حملہ کرکے اسے پسپا کر دیا اور زکریا خان نے بھی قلعے کے دروازے کھول دیئے اور نادرشاہ اور اس کی افواج نے لاہور پر قبضہ کرلیا اور دہلی میں مغل فرماں روا اس خوش فہمی ہی میں مبتلا رہا کہ اتنا لمبا راستہ طے کرکے نادرشاہ بآسانی دہلی نہ پہنچ سکے گا اور نادرشاہ یہ طے کر چکا تھا کہ کچھ بھی ہو دہلی پہنچ کر ہی دم لے گا۔ اب اسدی کی طرح فیروز بھی نادر شاہ کی نظروں میں چڑھ چکا تھا' وہ فیروز کی دلیری اور جرات کا بُری طرح قائل ہو چکا تھا۔ اس نے ادھر بار اسدی سے فیروز کی تعریف بھی کی لیکن فیروز کے ارادے اور احساسات کچھ اور ہی تھے وہ نادرشاہ کے مزاج میں اثر و رسوخ پیدا کرکے ایک ہنگامہ برپا کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے بار بار یہ دیکھا کہ اسدی کو نادرشاہ انعام و اکرام سے نواز رہا ہے۔ بات بات پر انعام ملے ہیں۔ اس طرح اس نے اسدی کی صحیح قدر و قیمت کا بھی خوب اندازہ لگا لیا۔ اسی دوران ایرانی سپاہ دہلی کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے کرنال تک پہنچتے پہنچتے آٹھ ہزار افراد قتل کر دیئے ایرانی سپاہ کرنال میں خیمہ زن ہو گئی' دوسری طرف سے مغل فرماں روا محمد شاہ

رنگیلا بھی اپنا لاؤ لشکر لے کر کرنال تک پہنچ گیا۔ اس نے دہلی سے کرنال تک کا فاصلہ دو ماہ
میں طے کیا تھا۔ لکھنؤ سے سعادت خان بھی اپنی فوج کے ساتھ محمد شاہ کی مدد کو پہنچ چکا تھا اور
شاہی افواج سے مل جانا چاہتا تھا لیکن نادر شاہ نے اپنی فوج کے ایک دستے کو حکم دیا کہ
والی اودھ سعادت خان کی فوج مغل بادشاہ کی فوج سے ہرگز نہ ملنے پائے۔ نادری دستہ
ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

مغل بادشاہ محمد شاہ کا امیر الامرا خان دوراں سعادت خان کی مدد کو آگے بڑھا
لیکن نادری سپاہ نے خان دوراں کے دستے کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ مغل فوج کے نظم و نسق
کا یہ حال تھا کہ امیر الامرا جیسے ہی میدان جنگ میں اترا خود اس کے آدمیوں نے لوٹ مار مچا دی،
اور امیر الامرا کا خیمہ تک لٹ گیا۔ جب امیر الامرا نادری سپاہ سے زخمی ہو کر واپس آیا تو اس کے
خیمے پر خود اس کی فوج کے لٹیرے قابض تھے اور انہوں نے دم توڑتے ہوئے امیر الامرا کو انتہائی
خوشامد در آمد کے بعد خیمے میں داخل ہونے دیا۔ جاں بلب امیر الامرا نادر شاہ سے اتنا خوفزدہ
تھا کہ اس نے نزع کے عالم میں مغل بادشاہ محمد شاہ کو یہ پیغام بھیجا۔

"بادشاہ سے کہو وہ نادر شاہ کے پاس مفاہمت کی غرض سے ہرگز نہ جائے، اور
کوشش کی جائے کہ نادر شاہ شہر کا رخ نہ کرے اور یہیں سے واپس چلا جائے اگر دونوں باتیں
مشکل یا ناممکن نظر آئیں تو نادر شاہ سے مقابلے میں پوری قوت صرف کر دی جائے۔"

اس کے بعد خان دوراں مر گیا۔ سعادت خان نادری سپاہ سے نبرد آزما رہا۔
سعادت خان کا تعلق ایران سے تھا اسے ہاتھی پر سوار دیکھ کر کچھ لوگوں نے پہچان لیا لیکن اس
ہنگامۂ دار و گیر میں کون تھا جو اس سے گفتگو کرتا۔ نادر شاہ جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا
سعادت خان کے رفقا اور جاں نثاروں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ تلوار در
کی تپا تپ اور تیروں کی سناسن قیامت کا نمونہ پیش کر رہی تھی، نادر شاہ نے دور سے دیکھا
کہ ایک فوجی افسر سستی اور تساہل سے کام لے رہا ہے۔ اس کے احکامات کی آواز میں جوش
خروش کم ہو چلا تھا اور وہ خود بھی سعادت خان کے دستے کی تیر اندازی سے منہ پھیر چلا تھا
نادر شاہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے سر پر پہنچ گیا اور تلوار کے بھرپور وار سے اس فوجی افسر
کا سر اڑا دیا۔ وہیں قریب ہی فیروز بھی داد شجاعت دے رہا تھا، نادر شاہ نے اسے
حکم دیا "اس حصے کے سردار اب تم ہو!"

فیروز نے اس حصے کی سرداری عملاً یوں قبول کی کہ گھوڑا دوڑا کر بے خوف و خطر سعادت خان
کے ہاتھی کے قریب پہنچ گیا اور چیخ کر سعادت خان سے کہا "او ایرانی سردار! آخر تم کس کے

خلاف جنگ کر رہے ہو؟ اپنے ایرانی بھائیوں سے۔ تم ایرانی ہو، ہوش و حواس سے لڑو
اور دوست دشمن کو پہچانو؟" یہ کہہ کر فیروز گھوڑے سے کود پڑا نیزے کو پوری قوت
سے زمین میں گاڑ دیا اور اپنا گھوڑا اس سے باندھ دیا پھر انتہائی حوصلے کا یوں مظاہرہ کیا کہ ہاتھی
کی رسیاں پکڑ کر سعادت خان کی عماری میں داخل ہو گیا وہاں پہنچ کر بولا "تم ہمارے بھائی ہو
ہم تم سے کیوں لڑیں جنگ بند کرو اور ہمارے ساتھ ہمارے بادشاہ کے پاس چل کر اعزاز
اکرام حاصل کرو!"

سعادت خان نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا اور فیروز کے ساتھ نادر شاہ کی
خدمت میں پہنچ گیا۔ نادر شاہ نے اس کی پذیرائی کی اور شفقت سے پیش آیا۔ وہیں اسے
امیر الامرا کے انتقال کی خبر ملی۔ وہ خود بہت دنوں سے امیر الامرا بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔
اس نے سوچا کہ اگر وہ نادر شاہ کو کسی طرح یہیں سے واپس کرنے میں کامیاب ہو جائے تو
ہندوستان کی امیر الامرائی کہیں نہیں گئی۔

اس نے نادر شاہ سے کہا "میں نے اپنے آبائی وطن ایران کے عظیم بادشاہ کے احترام میں
جنگ بندی کا اعلان کر دیا چونکہ میں مغل بادشاہ کا نمک خوار ہوں اس لئے اپنے ہم وطن بادشاہ
سے درخواست کروں گا کہ وہ تاوان کی رقم لے کر یہیں سے ایران واپس تشریف لے جائیں۔"

نادر شاہ اس شائستہ گفتگو سے خوش ہوا پوچھا "تمہارا بادشاہ ہمیں کتنا
تاوان ادا کر دے گا؟"

سعادت خان نے جواب دیا "دو کروڑ روپے!"

نادر شاہ نے کہا "ہمیں منظور ہے تم اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ وہ اپنے کسی لائق
وزیر کو گفت و شنید کے لئے ہمارے پاس بھیج دے!"

سعادت خان نے اس وقت نادر شاہ سے ہونے والی گفتگو کا حوالہ دے کر مغل
بادشاہ کو لکھ دیا کہ "نظام الملک کو باقاعدہ معاہدے کے لئے روانہ کر دیا جائے میں نے
سارا معاملہ طے کر دیا ہے!"

مغل بادشاہ اور اس کے امرا پریشان تھے کہ دیکھئے نادری بلا کیا کر کے جاتی ہے
سعادت خان کے پیغام نے تن مردہ میں جان ڈال دی اور بادشاہ نے اسی وقت نظام الملک
کو نادر شاہ کے پاس روانہ کر دیا۔ نظام الملک نے اپنی شائستہ اور عالمانہ باتوں سے نادر
شاہ کو بہت متاثر کیا اور دونوں میں باقاعدہ معاہدہ ہو گیا کہ "مغل بادشاہ دو کروڑ روپے
ادا کر دے نادر شاہ یہیں سے واپس چلا جائے گا!"

نادر شاہ نے نظام الملک کو حکم دیا "اپنے بادشاہ سے کہو اب دشمنی دوستی میں بدل چکی ہے وہ ہم سے ملنے کیوں نہیں آتے"

نظام الملک نے وعدہ کیا کہ "انشاء اللہ کل بادشاہ بھی شرفِ ملاقات حاصل کریں گے!"

نظام الملک نے نادر شاہ سے معاہدے کی تفصیلات محمد شاہ کو اس طرح سنائیں گویا یہ سارا کارنامہ اس نے انجام دیا ہے اور سعادت خان کو اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے وہ کہیں موجود ہی نہیں ہے مغل بادشاہ نے حُسنِ خدمت کے صلے میں نظام الملک کو امیر الامرا کا منصب اور خلعتِ فاخرہ سے نواز دیا۔

دوسرے دن نظام الملک محمد شاہ کو لے کر نادر شاہ کی خدمت میں روانہ ہو گیا مغل بادشاہ تختِ رواں پر سوار جب نادر شاہ کے لشکر میں داخل ہوا تو وہاں نادر شاہ کا بیٹا نصر اللہ مرزا استقبال کے لئے پہلے ہی پہنچ چکا تھا مغل بادشاہ نے تختِ رواں کو زمین پر رکھوا کر نصر اللہ مرزا کو گلے سے لگا لیا اور اسے بیٹے کی طرح ساتھ لے کر نادر شاہ کے خیمے تک پہنچ گیا، نادر شاہ مغل بادشاہ کے استقبال کی خاطر اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ فیروز اور اسدی کے ساتھ ہی بعض دوسرے امراء نادر شاہ کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے تھے، دونوں بادشاہ بغل گیر ہوئے۔ نادر شاہ مغل بادشاہ کو اپنی مسند تک ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور اپنے برابر بٹھا کر بھائی بندی کی باتیں کرنے لگا۔ نادر شاہ نے تُسکا تیًا کہا۔ "ہمیں آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے ہمارے خطوط کے جواب نہیں دیئے اور ہمیں مجبوراً یہاں آنا پڑا۔"

زمانہ ساز مغل بادشاہ نے خوش خلقی سے جواب دیا "اگر ہم یہ تغافل نہ برتتے تو آج یہ ملاقات کی سعادت کس طرح حاصل ہوتی!"

دونوں بادشاہوں نے اپنے امراء اور منصب داروں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ نادر شاہ نے اسدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہمارا مکتوب نگار ہے خدا نے اسے اچھی سوجھ بوجھ عطا کی ہے!"

مغل بادشاہ نے سرسری نظروں سے اسدی کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

نادر شاہ نے فیروز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور یہ ہے ہمارا ایک اور خدمت گار فیروز، اسے ہم نے قندھار کے ایرانی قیدیوں میں پایا تھا اور یہی ہمارا وہ جاں نثار ہے جس نے سعادت خان سے مردانہ وار ملاقات کر کے جنگ بند کرائی ہے"

بیمار سعادت خان مسکرایا۔ اس کے بعد مغل بادشاہ نے اپنے امراء کو متعارف کرایا۔ جب نظام الملک کی باری آئی تو محمد شاہ نے کہا "نظام الملک ہماری مملکت کا لائق ترین انسان ہے ہم نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اسے خلعتِ فاخرہ اور امیر الامراء کے منصب سے نواز دیا ہے!"

بیمار سعادت خان پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اس منصب کا وہ خود طلب گار تھا۔ جب مغل بادشاہ چلا گیا تو سعادت خان نے فیروز کو اپنے پاس بلایا اور اسے سمجھاتے ہوئے کہا "ہم نے تمہارے کہنے سے جنگ بند کی۔ بیماری نے ہمارے ہوش حواس مختل کر رکھے تھے ... اپنے بادشاہ سے کہو کہ یہ معاہدہ غلط ہوا ہے دو کروڑ روپے تو انتہائی حقیر رقم ہے اتنی رقم تو ہم اپنے خزانہ سے دے سکتے ہیں، تم اپنے بادشاہ سے کہو وہ نظام الملک اور ...شاہ کو ملاقات کے لئے دوبارہ بلائے اور انہیں گرفتار کر لے۔ اس کے بعد نادر شاہ ...نہیں دہلی لے جائے وہاں ہیرے جواہرات اور زر نقد کا ڈھیر لگا ہوا ہے اتنا کچھ ...ل جائے گا کہ تمہارا بادشاہ حیران رہ جائے گا!"

فیروز یہ باتیں نادر شاہ سے خود نہ کہہ سکا کیونکہ وہ بادشاہ کی افتادِ طبع سے ...ب واقف تھا، اسے خدشہ تھا کہ نادر شاہ ان باتوں سے برہم ہو جائے گا اور کہے گا جب دو بادشاہوں کے درمیان ایک معاہدہ باقاعدہ ہو چکا ہے تو اس میں اب ...بد معاملگی کیوں کی جائے۔ فیروز کا خیال تھا کہ بادشاہ اس بات سے برہم ہو کر مشورہ ...ینے والے کو قتل کروا سکتا ہے! اس لئے اس کام کے لئے اس نے اسدی کو منتخب ...ب اور کہا "اسدی! تمہیں بات کرنے کا فن آتا ہے تم وہ واحد شخص ہو جو بادشاہ کو ...ہ معاہدے سے روگرداں کر سکتا ہے!"

اسدی بھی اس میں مضمر خطرات سے آگاہ تھا لیکن اس نے نہایت سلیقے سے ...تیں بادشاہ تک پہنچا دیں۔ نادر شاہ اسدی کی تمام باتیں نہایت انہماک سے ...نا رہا، جواب میں کچھ بھی نہ کہا، وہ اسدی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ ...ی کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کی زندگی کی آخری سانسیں ہیں۔

نادر شاہ نے درشت لہجے میں پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ تو پہلے حاکم تبریز کا ...ہ رہ چکا ہے اور تو نے اس لڑکی سے محبت کی پھر اپنے آقا کو قتل کر کے اپنی محبوبہ ...ے اڑا اور وہی لڑکی آج کل تیری بیوی ہے؟"

اسدی ایک دم اتنا بدحواس ہوا کہ اس کے ہوش و حواس بالکل ہی جواب

دے گئے لیکن فطری شرافت یہاں بھی بیدار رہی اس نے لمحوں میں یہ فیصلہ کرلیا کہ اس سلسلے میں اسے فیروز کا نام نہیں لینا ہے وہ ثانیوں میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ شاید قدرت اس سے دوست کی حق تلفی کا بدلہ لے رہی ہے اسے اور کچھ تو سوجھا نہیں، کہا "حضور نے جو کچھ سنا درست ہے" بادشاہ کی بے عیب معاملہ فہمی اپنے غلام کے ان احساسات اور جذبات کا بھی صحیح اندازہ لگا سکتی ہے جو ایک نوجوان کے ناپختہ کار دل پر ایک حسین لڑکی اپنے حسن سے لگاتی ہے کیا دنیا کا کوئی بھی نوجوان اس بات کا دعوا کرسکتا ہے کہ معاملۂ محبت میں بھی اس نے عدل و انصاف سے کام لیا ہے!"

نادر شاہ کو اپنی جوانی کا وہ واقعہ یاد آیا جب وہ بابل بیگ نامی ایک امیر کا ملازم تھا اور اس کی لڑکی سے عشق کرتا تھا بعد میں جب اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کا آقا اپنی بیٹی اس سے نہیں منسوب کرے گا تو اس نے اپنی محبوبہ کی حصولیابی کی خاطر بدرجۂ مجبوری اپنے آقا کو قتل اور محبوبہ کو اغوا کر کے شادی کرلی تھی۔ نادر شاہ کو اس واقعے میں اپنا عکس نظر آیا۔ اس نے تحسین آمیز نظروں سے اسدی کو دیکھا اور لاپروائی سے بولا "ایک ناتجربہ کار اور بے شعور نوجوان ان حالات میں یہی کچھ کرتا ہے جو تو نے کیا، ہم شجاعت اور حوصلے کے قائل ہیں!"

اس کے بعد نادر شاہ نے تالی بجا کر خدمت گار کو حکم دیا "کسی کاتب کو بلایا جائے" لمحوں میں ایک ادھیڑ عمر کاتب اندر داخل ہوا۔ نادر شاہ نے حکم دیا "خزانچی کے نام فرمان لکھو کہ" وہ اسدی کو دو ہزار روپے فوراً ادا کردے۔"

کاتب نے فرمان لکھا۔ نادر شاہ نے اپنی مہر لگا کر دستخط کردیئے اور اسدی کو حکم دیا "تو یہ فرمان لے کر ابھی چلا جا اور اسی وقت انعام کی رقم حاصل کرلے" پھر اپنے گلے سے ایک قیمتی ہار اتار کے دیتا ہوا بولا "اور یہ ہار اس لڑکی دے دے جس نے اپنے باپ کے قاتل سے شادی کر کے محبت اور وفاداری کی ایک درخشاں مثال قائم کی"

اسدی نے اسی وقت انعام کی رقم حاصل کرلی لیکن وہ برابر یہی سوچتا رہا کہ یہ خبر بادشاہ کو کس نے پہنچائی؟ فیروز کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو کہنے لگا "تم واقعی بڑے خوش قسمت نکلے، اقبال مندی تمہارے ساتھ ہے ورنہ سر قلم ہونے میں کتنی کسر رہ گئی تھی" پھر حسرت زدہ لہجے میں کہا "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ شیریں سے ملا دو گے لیکن اب تک نہیں ملایا، معلوم نہیں کیوں؟"

اسدی نے جواب دیا "وعدے کے بعد سے اب تک سکون سے بیٹھنا کب نصیب

ہوا ہے، دو چار دن میں شاید ہم سب دہلی میں داخل ہوجائیں، وہاں میں تمہیں شیریں سے ضرور ملادوں گا!"

فیروز نے بے بسی سے کہا "چلو وہ دو چار دن بھی دور نہیں ہیں۔ وہ بھی آ ہی جائیں گے۔ دو چار دن اور جی لیں گے!" یہ کہہ کر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

نظام الملک جیسے ہی نادری لشکر میں دوبارہ داخل ہوا گرفتار کر کے ایک خیمے میں بند کردیا گیا۔ نادر شاہ کی طرف سے اسدی نے نظام الملک سے ملاقات کی اور اپنے بادشاہ کا پیغام نہایت بے مروتی سے نظام الملک کے گوش گزار کردیا۔ اسدی نے کہا "ہمارے بادشاہ سلامت فرماتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ دو کروڑ روپوں میں نہیں ہوسکتا بلکہ اس سلسلے میں بیس کروڑ روپے درکار ہیں!"

نظام الملک نے کہا "تم اپنے بادشاہ سے کہو کہ جب سے ہندوستان میں چغتائیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے اس وقت سے آج تک کبھی بھی، کسی دور میں بھی بیس کروڑ روپے خزانے میں موجود نہیں رہے ہیں۔ شاہجہاں اپنی تمام کاوشوں اور کوششوں کے بعد بھی سولہ کروڑ سے زیادہ نہیں جمع کرسکا اور بعد میں یہ رقم بھی اورنگ زیب کے ہاتھوں دکن کے محاربات میں کام آگئی۔"

نادر شاہ نے اسدی کے ذریعے نظام الملک کو حکم دیا "ہم کچھ نہیں جانتے ہم نے سادہ لوحی میں وہ معاہدہ کرلیا تھا لیکن اب ہم پر اس کی تعمیل واجب نہیں ہے اب ہم مردانہ وار اپنا تاوان وصول کریں گے!"

اس کے بعد نادر شاہ نے نظام الملک کو حکم دیا "اپنے بادشاہ کو بھی یہیں بلالو!"

نظام الملک کو مجبوراً اپنے بادشاہ محمد شاہ رنگیلے کو بھی بلالینا پڑا اور مغل بادشاہ کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ نادر شاہ نے اس کے ذریعے قلعے کی کنجیاں اپنے قبضے میں کیں اور بادشاہ کو دہلی روانہ کرتے ہوئے کہا "آپ دہلی چلیں آپ کے پیچھے آپ کا ایرانی مہمان بھی آرہا ہے!"

محمد شاہ نظام الملک کے ساتھ قلعے میں واپس گیا کئی دن بعد نادر شاہ بھی اپنی سپاہ سمیت شہر میں داخل ہوگیا۔

آٹھ بجے صبح کا وقت تھا محمد شاہ اپنے امرا اور مصاحبین کو لے کر دیوان خاص کی طرف بڑھا جہاں نادر شاہ اس کا منتظر تھا۔ محمد شاہ ہوادار میں سوار تھا اور اوپر چتر اور شامیانے کا سایہ تھا دیوان عام کے قریب امراء اور مصاحبین اپنے اپنے

گھوڑوں سے نیچے اُتر پڑے مغل بادشاہ نے حکم دیا "کسی کو بھی دیوان عام سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے" اُمرا سے کہا "تم لوگ پیادہ یا ہماری سواری کے ساتھ چلو!"

اُمرا ہوادار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، دیوان خاص کے قریب پہنچتے ہی وہ ہوادار سے نیچے اترا۔ نادر شاہ نے چند قدم چل کر مغل فرماں روا کا استقبال کیا، دونوں ایک دوسرے سے گلے لگ گئے اور پیدل چلتے ہوئے دیوان خاص میں داخل ہو گئے ناشتے کا انتظام ہوا اور دونوں نے ایک ساتھ ناشتہ کیا۔ اُمرا کے ناشتے کا انتظام علیحدہ کیا گیا تھا۔ ناشتے سے فراغت پالینے کے بعد نادر شاہ کا ہاتھ محمد شاہ کے تاج کی طرف بڑھا اور اسے مغل بادشاہ کے سر سے اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ بس مغل بادشاہ کو تاج سے زیادہ اس ہیرے کا خیال تھا جو تاریخ میں کوہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ بادشاہ کے تاج میں یہ ہیرا ابھی ٹنکا ہوا تھا، پہلے تو نادر شاہ اپنی اس جسارت کی معذرت کرتا رہا لیکن پھر اس نے اپنا لہجہ بدلا اور مغل باشاہ کو نصیحتیں کرنے لگا۔ دوسرے دن عید قرباں تھی نادر شاہ کے حکم سے خطبے میں اس کا نام لیا جانے لگا۔

محمد شاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ نادر شاہ نے مغل بادشاہ کا دل رکھنے کے لئے نصیحتیں کرنا شروع کر دیں اس نے کہا "آپ کو چاہئے کہ جملہ امرا کی جاگیریں ضبط کرلیں اور کسی بھی امیر کے پاس فوج نہ رہنے دیں خود آپ کے پاس ہر وقت ساٹھ ہزار فوج رہنی چاہئے، آپ کو اپنے امراء اور فوجی سرداروں کے نام، خاندان اور ان کی معمولی معمولی تفصیلات سے باخبر ہونا چاہئے، نظام الملک سے ہوشیار رہئے، میرا ذاتی تجربہ ہے کہ یہ شخص بہت چالاک ہے اور ہر وقت اپنی ترقی کی فکر میں رہتا ہے!"

محمد شاہ نے عاجزی سے عرض کیا "میری سلطنت کا دار و مدار آپ پر ہے جس کو چاہیں خاص عہدوں پر مقرر کر دیجئے۔"

نادر شاہ نے ناگواری سے جواب دیا "اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا میرے واپس جاتے ہی میرے مقرر کردہ عہدیداروں کے دل سے آپ کی وقعت دور ہو جائے گی، ہاں میں اتنی مدد آپ کی ضرور کر سکتا ہوں کہ آپ جب بھی مشکلات میں پھنسیں مجھے فوراً مطلع کر دیں یہاں سے قندھار چالیس دن کی مسافت پر ہے آپ مجھے زیادہ دور نہ سمجھیں!"

اسی وقت اسدی نے باریابی کی اجازت چاہی نادر شاہ کو اس کی مداخلت گراں گزری، ناخوشگوار کیفیت میں حاضری کی اجازت دے دی، اسدی نے نگاہیں

نیچی کئے ہوئے نادر شاہ کو مطلع کیا "حضور والا! شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہے، کسی بھنگڑی نے نشے کی ترنگ میں یہ افواہ اڑا دی کہ خدانخواستہ حضور کو اس کے بادشاہ نے دھوکے سے قتل کرا دیا ہے اس خبر نے ہندوستانیوں کے حوصلے بڑھا دیئے اور وہ حضور کے جاں نثاروں کو قتل کرتے پھر رہے ہیں!"

نادر شاہ نے غصے میں کہا "بزدل ہندوستانیوں میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمارے سپاہیوں پر حملے کریں یہ تمہارے حریص سپاہیوں کی حرکت ہوگی کہ شہر کے لوٹنے کا جواز پیدا کریں!"

اسدی نے عرض کیا "حضور والا باہر چل کر حالات کی نزاکت کا خود مشاہدہ فرمالیں!"

نادر شاہ چند جاں نثاروں کے ساتھ اسی وقت باہر نکلا اور چاندنی چوک کی طرف بڑھا راستے میں جگہ جگہ ایرانیوں کی لاشیں پڑی دکھائی دیں، نادر شاہ نے اپنے دستے کو حکم دیا کہ معمولی دباؤ ڈال کر بلوے کو دبا دیں لیکن معمولی دباؤ اور نرمی نے بلوائیوں کے حوصلے زیادہ بڑھا دیئے، تیروں اور بندوقوں کے فائروں نے بارش کا سماں پیدا کر دیا۔ نادر شاہ بچتا بچاتا کوتوالی کے چبوترے کے قریب روشن الدولہ کی مسجد (سنہری مسجد) میں داخل ہو گیا اور انتہائی ضبط و تحمل سے واقعات کا مشاہدہ کرنے لگا کچھ بلوائی مسجد کے زینے پر چڑھ آئے اور نادر شاہ پر اینٹیں اور پتھر پھینکنے لگے، اسی لمحے ایک مکان کی کھڑکی یا چھجے سے بندوق کا فائر ہوا۔ نادر شاہ بال بال بچا لیکن پہلو میں جو ایرانی سردار کھڑا تھا ہلاک ہو گیا۔ نادر شاہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ تلوار نیام سے کھینچ کر سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "بزن بکش، جہاں ایک ایرانی کی لاش نظر آئے وہاں کی پوری آبادی صاف کر دی جائے!"

حکم نادری ملتے ہی ایرانی سپاہ اس طرح قتل و غارت گری میں مصروف ہوئی گویا کسی طوفانی دریا کا پشتہ توڑ دیا گیا ہو، جو جہاں ملا مار دیا گیا گھروں میں گھس کر مکینوں کو قتل اور مکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔

فیروز کے لئے یہ موقع بہت غنیمت تھا اسے معلوم تھا کہ اسدی اس وقت نادر شاہ کے پاس سے نہیں ہٹ سکتا، وہ ہندوستانیوں کو سزا دینے کے بہانے نادر شاہ سے دور ہو گیا اور سیدھا اسدی کے گھر پہنچا۔ وہ اسدی کی سرد مہری سے تنگ آچکا تھا اور شیریں سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھا فیروز نے دھڑکتے دل سے دروازے پر دستک دی، شیریں سمجھی اسدی آیا ہے، دروازہ کھول دیا، فیروز اندر داخل

ہو گیا۔ خلافِ اُمید فیروز کو اپنے روبہ رو دیکھ کر شیریں اتنی حیرت زدہ ہوئی کہ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ فیروز نے لحہ بھر اسے شوق اور شکایت کی نظروں سے دیکھا اور دانت بھینچ کر کہا "شیریں! بے وفا محبوب فراموش!!"

شیریں نے حیرت سے پوچھا "تم کہاں تھے؟ یہ تم۔ تم فیروز ہی ہو نا؟"

فیروز نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن شیریں دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ بولی "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے تمہارے انتظارِ بسیار کے بعد اسدی سے شادی کر لی ہے؟"

فیروز نے غیر معمولی تحمل کا مظاہرہ کیا۔ بولا "میں تجھے کوئی الزام نہیں دیتا۔ میں تجھ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

شیریں نے گھبرا کر جواب دیا "جو باتیں تم کرنا چاہتے ہیں اسدی کی موجودگی میں کرنا!"

"نہیں!" فیروز نے درشت لہجے میں کہا "وہ باتیں اسدی کے سامنے نہیں ہو سکتیں۔ میں ایک مدت سے اسے مجبور کر رہا ہوں کہ وہ مجھے تیری ایک جھلک تو دکھا دے لیکن اس کا دل پتھر کا ہے میری خوشامد اور آنسوؤں کا اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا آخر بدرجۂ مجبوری میں نے اس کی عدم موجودگی میں تجھ سے ملنے کی یہ روش اختیار کی!"

شیریں نے حیرت سے پوچھا "کیا تم اسدی سے مل چکے ہو؟"

فیروز نے جواب دیا "نہ صرف اس سے مل چکا ہوں بلکہ اس سے روز ہی ملتا رہتا ہوں، ہم دونوں ہی نادر شاہ کے دربار سے وابستہ ہیں!"

شیریں کو ایک دھچکا سا لگا۔ بولی "لیکن اس نے تمہارا ذکر مجھ سے کبھی بھی نہیں کیا!"

فیروز نے مکاری سے کام لیا۔ بولا "میں اس کی دوستی کے لحاظ سے خاموش رہا۔ کئی دن پہلے جب مجھے معلوم ہوا کہ اس نے تجھ سے شادی کر لی ہے تو میرے غصّے کی انتہا نہ رہی، شیریں! میں اسدی کو اس کی دغابازی کی ایسی سزا دوں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا!"

اس انکشاف نے شیریں کو بھی دکھ پہنچایا کہ اسدی فیروز سے اتنا قریب رہا اور اسے دھوکہ دے کر شیریں سے شادی کر لی، اس نے سوچا ایک ایسا شخص پوری زندگی میں بے لوث، مخلص اور وفادار کس طرح رہے گا۔ اس نے غمزدہ آواز میں کہا "تو گویا ہم دونوں ہی کو دھوکا دیا گیا!"

"بالکل!" فیروز نے اپنی بات کا اثر محسوس کرتے ہوئے مزید زور دیا "اور شیریں! میں یہ عہد کر چکا ہوں کہ کچھ بھی ہو میں اسدی کو معاف نہیں کروں گا!"

شیریں نے پوچھا "تم اس سے پہلی بار کہاں ملے تھے؟"

فیروز نے جواب دیا "اصفہان میں اور یہ میں ہی تھا جس نے اسدی کا نادر شاہ سے تعارف کرا کے اسے شاہی مکتوب نگاری کے منصب پر فائز کرایا!"

شیریں رونے لگی، اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا تھا۔ بھرائی آواز میں بولی "مجھے معلوم ہے کہ اسدی کو بادشاہ سے بہت زیادہ فائدے پہنچ رہے ہیں اسے آئے دن انعامات ملتے رہتے ہیں، تم کس منصب پر فائز ہو؟"

فیروز نے گپ ماری، بولا "مجھے بادشاہ کے مزاج میں اتنا رسوخ حاصل ہے کہ جب اور جسے چاہوں اٹھا دوں اور جسے چاہوں گرا دوں!"

شیریں نے کہا "تم ایک بار اسدی کی موجودگی میں یہاں آؤ۔ میں اس سے اس کے فریب پر فیصلہ کن بات کروں گی!"

فیروز گھبرایا، کہنے لگا "لیکن عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس وقت تک خاموش رہو جب تک میں تمہیں اس مسئلے پر بولنے کی اجازت نہ دوں، جس ہوشیاری اور چالاکی سے اسدی نے ہمیں فریب دیا ہے اسی چالاکی سے اسے جواب بھی ملنا چاہئے!"

شیریں مان گئی۔ دونوں نے کچھ دیر بیٹھ کر ماضی کو یاد کیا گلے شکوے ہوئے اور پھر دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے جدا ہو گئے۔

فیروز، نادر شاہ کے حضور پہنچا اور اپنے کارناموں کی تفصیل سنانے لگا۔ چند گھنٹوں میں تقریباً بیس ہزار آدمی قتل کئے جا چکے تھے، مغل بادشاہ اور نظام الملک بہت پریشان تھے، بادشاہ نے کہا "نظام الملک! تمہارے سوا کسی میں اتنی ہمت اور عقل نہیں ہے کہ وہ مشتعل نادر شاہ کے پاس جائے اور شہریوں کے لئے امان حاصل کرے!"

نظام الملک نے گلے میں پگڑی ڈالی اور اسی میں تلوار پھنسائی، اشکبار نادر کے روبہ رو پہنچ گیا اور رحم کی درخواست پیش کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا۔

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

(ایک شخص بھی ایسا نہیں بچا جسے تو اپنی تیغ ناز سے قتل کرے ہاں یہ ممکن ہے کہ پہلے تو لوگوں کو زندہ کرے پھر انہیں قتل کرے)

نادرشاہ نظام الملک کی درخواست سے پسیج گیا اور "بپاس خاطرت امان دادم" کہتے ہوئے تلوار نیام میں ڈال لی۔ اسی وقت نسقچیوں کا ایک دستہ "امان امان" کی آواز لگاتا اِدھر اُدھر پھیل گیا۔ یہ نسقچی فوجی پولیس کی حیثیت رکھتے تھے اور فوج کا نظم و نسق انہی کے ذمے تھا۔ امان کی آواز جہاں تک پہنچی ایرانیوں کے ہاتھ رک گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جن کے ہاتھ حملے کے لئے بلند ہوئے تھے امان کی آواز پر جہاں تھے وہیں رک گئے۔

امان کے بعد نادرشاہ نے شہر والوں پر تاوان لگا دیا اور تاوان کی وصولی پر جو لوگ متعین ہوئے انہوں نے جس ظلم اور تعدی سے تاوان کی رقم وصول کی، اس کی کہیں اور مثال نہ ملے گی، بڑے بڑے امرا کو دھوپ میں کھڑا کر کے پیٹا گیا۔ ان کے کان کاٹ لئے گئے، اسی ہنگامے میں مغل بادشاہ کا وزیر قمرالدین بھی نادرشاہ کے روبرو پکڑ کر لایا گیا، اس پر یہ جرم عاید کیا گیا تھا کہ وہ تاوان کی اتنی رقم نہیں دے رہا جتنی اس کی حیثیت ہے، نادرشاہ نے اسے دھوپ میں کھڑا کر دیا اور پٹائی کا حکم دیا۔ وزیر اس اہانت سے لرز گیا اور اس نے وعدہ کر لیا کہ تاوان میں ایک کروڑ نقد اور جواہر اور ہاتھی ان کے علاوہ دے گا۔ نادرشاہ نے اسے امان دے دی اور اپنے قریب بلا کر پوچھا "تیری کتنی بیویاں ہیں؟"

قمرالدین نے جواب دیا "ساڑھے آٹھ سو!"

نادرشاہ نے ہنس کر حکم دیا "لوٹ کی عورتوں میں سے ڈیڑھ سو مزید عطا کی جائیں تاکہ یہ ایک ہزار بیویوں کا شوہر کہلائے۔" پھر قمرالدین خان سے بطور خاص کہا "ایک ہزار بیویوں کے بعد تو یک ہزاری منصب کا منصب دار ہو جائے گا!"

تاوان کی وصولیابی پر اسدی اور فیروز بھی لگا دیئے گئے تھے، ہنگامے سے پہلے نادرشاہ بیس کروڑ روپے طلب کر رہا تھا لیکن تاوان سے ستر کروڑ روپے حاصل ہوئے اور اسی ہنگامے ہی سے فیروز نے اپنے اس منصوبے کا آغاز کیا جو اس نے اسدی کے خلاف تیار کیا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے مختلف ذرائع اختیار کئے۔ اس نے لوٹ کے مال کی رشوتیں دے دے کر چند مصاحبین کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ نادرشاہ تک یہ بات پہنچا دیں کہ اسدی تاوان کی رقم دیانتداری سے شاہی خزانے میں نہیں جمع کرا رہا۔ چند شکایتوں پر تو نادرشاہ نے کوئی توجہ ہی نہ دی لیکن جب پے در پے اس نوع کی شکایتیں پہنچیں تو وہ ذرا چونکا ہوا۔

فیروز نے تاوان میں جبری وصول کی ہوئی رقم اور اشیاء کا ڈھیر لگا دیا۔ نادرشاہ اس کی کارگزاری سے خوش تو ضرور ہو رہا تھا لیکن اسے سمجھنے کی کوشش بھی کر رہا تھا، اسے اس کے سارے کارناموں کے پیچھے کوئی بڑا مقصد کارفرما محسوس ہوتا تھا

یہ مقصد کیا تھا؟ اس کا جواب نہ ملتا تھا۔ بعض امرا نے فیروز کی بڑی تعریفیں کیں اور نادرشاہ کو بتایا کہ یہ تیز طرار نوجوان اس بات کا مستحق ہے کہ بادشاہ اس پر خصوصی توجہ فرمائے لیکن نادرشاہ بدستور سرد مہری اختیار کئے رہا۔ یہ ایمانداری کی بات تھی کہ فیروز نے اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا، جو بھی ملا اپنے بادشاہ کی امانت سمجھ کر شاہی خزانے میں داخل کرا دیا۔ اور اس کا بادشاہ کی طرف سے صلہ کیا ملا؟ سرد مہری، بے اعتنائی اور پیار بھرے کے لفظوں تک سے محرومی! اس نے اس مایوسی میں سوچا، آخر شیریں کو کیا غرض پڑی ہے کہ وہ خوشحال اور آئے دن انعام و اکرام سے نوازے جانے والے شوہر کو چھوڑ کر مفلس فیروز کی طرف راغب ہو جائے لیکن وہ ہمت نہیں ہار رہا تھا، وہ پے در پے خفیہ وار کئے جا رہا تھا جب لوگوں نے فیروز کی نادرشاہ سے بہت تعریفیں کیں تو اس نے فیروز کو اپنے حضور طلب کیا۔ کہا "ہم نے تیری بڑی تعریفیں سنی ہیں جو لوگ تیرے مداح ہیں وہی اسدی کی مذمت کرتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تیرے مداح اسدی کے حاسد ہوں اور وہ ایک مخلص انسان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں؟"

فیروز نے جارحانہ روش اختیار کی بولا! "حضور کی غلام نوازی ہے ورنہ ہم سب کے لئے نیک خواہشات اور عمدہ خیالات رکھتے ہیں۔ اسدی میرا دوست ہے لیکن حضور یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ اس کی بیوی کبھی اس ناچیز کی امانت تھی اور اسدی نے اسے دھوکا دے کر شادی کر لی!"

نادرشاہ نے چونک کر تفصیل پوچھی فیروز نے خوب نمک مرچ لگا کر سنا دی، نادرشاہ نے کہا "لیکن ہم نے تو یہ سنا تھا کہ خود اسدی نے تبریز کے حاکم کو قتل کر کے اس لڑکی کا اغوا کیا تھا اور ہم نے اس سلسلے پر اس سے بات بھی کی تھی جس کی اس نے کوئی تردید نہیں کی اور ہم سے انعام و اکرام حاصل کیا!"

فیروز نے افسردگی سے جواب دیا "اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حضور ہم دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر معلوم فرمالیں فوراً دونوں کے جھوٹ سچ کا علم ہو جائے گا۔"

نادرشاہ نے ہوں کہہ کر خاموشی اختیار کی اور تھوڑی دیر بعد فیروز کو کسی وعدے کے بغیر رخصت کر دیا۔ فیروز کو بہت افسوس ہوا کہ اتنا بھرپور وار بھی خالی گیا۔ اسدی نے بادشاہ پر معلوم نہیں کیسا جادو کر رکھا ہے کہ وہ اس کے خلاف بولتا تک نہیں۔ اس واقعے کے دوسرے دن صبح ہی صبح ایک نیا واقعہ رونما ہوا۔ نادرشاہ جب سو کر اٹھا تو اس کے تکیے کے نیچے سے ایک پرچہ ملا جس پر لکھا تھا۔

"حضور والا نے دہلی کے جن مظلوموں کو قتل کرایا ہے ان کی آہ خالی نہیں جائے گی، میں ایک حقیر شہری بادشاہ سے چند سوالات کی جسارت کروں گا، اگر حضور والا دہلی میں خدا بن کر نمودار ہوئے ہیں تو خدائی کے دعوے دار کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کو اپنی مخلوق قتل نہیں کرانی چاہئے اسے مخلوق کی ضرورت رہے گی، اور اگر حضور والا پیغمبری کرنے آئے ہیں تو پیغمبر کو امت کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی پیغمبر اپنی امت کو ہلاک نہیں کرتا۔ اور اگر حضور والا یہاں بادشاہی کرنے آئے ہیں تو بادشاہ کو رعایا کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی شفیق بادشاہ اپنی رعایا کو یوں نہیں ہلاک کرتا۔ خاکسار یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ حضور والا یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟"

نادر شاہ کے غصّے کی انتہا نہ رہی اس نے خواب گاہ کے محافظین سے طرح طرح کے سوالات کرکے پرچہ رکھنے والے کی بابت معلومات حاصل کرنا چاہیں لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ نادر شاہ نے بآواز بلند چیخ کر کہا "یہ پرچہ جس نے بھی رکھا ہو اسے بتا دیا جائے کہ ہم دہلی میں نہ تو خدا بن کر آئے ہیں اور نہ پیغمبری یا بادشاہت کی غرض سے ہم یہاں قہرِ خداوندی بن کر آئے ہیں اور اس سیلابِ قہر میں ان کا سب کچھ بہہ جائے گا!"

نادر شاہ نے اسی وقت اپنی خواب گاہ کے خصوصی محافظ کو قتل کرا دیا اس واقعے کے فوراً بعد فیروز نے اس سے ملاقات کی اور دبے لفظوں میں اسے بتایا کہ "یہ کام بعض ہندوستانی امرا نے ازراہِ مذاق اسدی کے ذریعے کرایا ہے، جب بادشاہ سو رہا تھا اس وقت اسدی کسی خاص کام کے بہانے اندر داخل ہوا اور سرہانے یہ پرچہ رکھ کر واپس نکل آیا۔"

نادر شاہ نے فیروز کو ڈانٹ دیا "او حاسد! تو ہر وقت اسدی کی شکایت ہی کیوں کرتا رہتا ہے، دفعان ہو جا یہاں سے ورنہ تو بھی ہمارے ہاتھ سے نقصان اٹھا جائے گا!"

فیروز نے خوفزدہ ہوئے بغیر بادشاہ سے کہا "اگر تحقیق کے بعد اس ناچیز کا بیان غلط ثابت ہو تو یہ غلام اپنی گردن کٹانے کو تیار ہے!"

نادر شاہ نے پوچھا "اسدی کے خلاف اور تیری تائید میں کوئی شہادت ہے؟"

فیروز نے رشوت کھلائے ہوئے خواب گاہ کے ایک محافظ کو پیش کر دیا جس نے دلیری سے یہ گواہی دی کہ "فیروز نے جو کہا غالباً وہ درست ہے کیونکہ اسدی رات کو خواب گاہ میں داخل ہوا تھا!"

نادر شاہ چپ ہو رہا تھوڑی دیر بعد فیروز کو حکم دیا "اسدی کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے!"

فیروز، اسدی کو نادر شاہ کے پاس بھیج کر باہر رک گیا اور اس محافظ کو مزید رشوت کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ دونوں میں جو بات چیت ہو اسے فیروز کے علم میں لایا جائے۔

اسدی کو دیکھتے ہی نادر شاہ جذبۂ مروت کا شکار ہو گیا اس کی نظر میں اسدی کے جرائم اتنے زیادہ آچکے تھے کہ اسے زندہ رہنے کا حق نہیں رہا تھا پھر بھی وہ اسدی کو مغالطے میں رکھ کر کوئی اچانک سزا دینا چاہتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اسدی کو اس بات کا علم ہو گیا کہ نادر شاہ اس سے ناراض ہے اور اسے سزائے موت دینا چاہتا ہے تو وہ یقیناً اپنی پُراثر گفتگو سے اس کے جوشِ غضب کو ٹھنڈا کر دے گا اور نادر شاہ کے خیال میں ایسے خطرناک شخص کا وجود اور قربت کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

نادر شاہ اس سے دیر تک میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا۔ اس نے اسدی کی کارگزاریوں کو شاندار لفظوں میں سراہا اور اس کی خداداد صلاحیتوں کی جی بھر کے تعریف کر ڈالی آخر میں کہا "لیکن ہمیں افسوس ہے کہ تیرے بعض حاسد تیری زندگی کے درپے ہیں اور تجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں!"

اسدی نے کہا "جب تک حضور کی روشن ضمیری قائم ہے اس ناچیز کو کوئی ڈر نہیں!"

بادشاہ نے کہا "تیری امانت، دیانت اور حسنِ خدمت کا ہم تجھے ایک عظیم الشان صلہ دینا چاہتے ہیں اور تجھے گرانقدر انعام سے نوازنا چاہتے ہیں!"

اسدی نے عاجزی سے سر جھکا دیا۔ بولا "حضور کی بندہ نوازی کا یہ غلام ہمیشہ ہمیشہ شکرگزار رہے گا!"

بادشاہ فوراً ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا اور کاتب سے فرمان لکھوایا۔

"حاملِ ہذا شاہی نمک خواروں میں ہے اور اس نے اب تک نہایت نیک نیتی سے اپنی خدمات انجام دی ہیں لیکن ادھر کچھ عرصے سے اس کا کردار مشتبہ ہو گیا ہے اور شاہی مفاد کے خلاف کاموں میں مصروف ہے یہ جیسے ہی یہ فرمان لے کر پہنچے فوراً قتل کر دیا جائے، مابدولت کو اس شخص کے خلاف یہ تکلیف دہ فرمان جاری کرتے ہوئے اذیت محسوس ہو رہی ہے لیکن ایک محتاط حکمران کے لئے تساہل اور لاپروائی خطرناک برائیاں ہیں!"

نادر شاہ نے فرمان کو لفافے میں بند کرا کے اسدی کے حوالے کر دیا اور کہا "تو اسی وقت مہتمم خزانے سے مل کر اپنا انعام حاصل کر لے۔"

محافظ نے ساری گفتگو فیروز تک پہنچا دی اور اس سے کہا۔ "بادشاہ نے اسدی سے نہایت محبّت اور شفقت سے باتیں کی ہیں، انہوں نے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی بلکہ وہ اسدی کی خدمات کو سراہ رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد انہوں نے اسدی کو ایک فرمان عنایت فرمایا اور زبانی ہدایت کی کہ اپنی حسنِ خدمات کا یہ عظیم الشان انعام اسی وقت مہتمم خزانہ سے حاصل کر لے۔" اس کے بعد محافظ نے مایوسی سے کہا۔ "اسدی نے بادشاہ پر معلوم نہیں کیسا جادو کر دیا ہے کہ وہ اس کے خلاف سوچنا بھی گوارا نہیں کرتا!"

محافظ کے الفاظ فیروز کے کانوں میں تیر کی نوک بن کر داخل ہوئے اور وہ بالکل مایوس ہو گیا۔ اب اسے اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ وہ بدستور قلاش ہے اور اسدی مسلسل انعام اکرام حاصل کر رہا ہے آخر وہ مفاہمت پر مائل ہو گیا۔ اس نے سوچا شاید ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اسدی کے خلاف کوئی حکم صادر کرایا جا سکے وہ اس اندیشے سے کانپ گیا کہ اگر اسدی کو کسی طرح اس کی حرکتوں کا علم ہو گیا تو اس کا کیا انجام ہو گا۔ اس نے اسی میں بہتری جانی کہ فوراً اسدی سے تعلقات استوار کئے جائیں۔ اس نے دوڑ کر اسدی کو راہ ہی میں پکڑ لیا اور چکنی چپڑی باتیں کرنے لگا۔ آخر میں انتہائی لجاجت اور خوشامد سے کہا۔ "اسدی! تم نے مجھ پر ہمیشہ ہی احسانات کئے ہیں تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ میں نے بادشاہ کی بڑی خدمت کی ہے مگر بادشاہ نے مجھے آج تک کوئی انعام نہیں دیا کیا میں شاہی انعام و

اکرام کا بالکل مستحق نہیں ہوں میرا دل بادشاہ کی خدمت سے اکتا گیا ہے اور میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں ایران نہیں واپس جاؤں گا۔ میں یہیں ہندوستان ہی میں رہ جانا چاہتا ہوں، شیریں تمہیں مبارک اب میں اس سے بھی نہیں ملنا چاہتا تم اسے ایران لے جاؤ اور خوب عیش کرو!"

فیروز نے رونے کی اداکاری کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔

اسدی نے متاثر ہو کر پوچھا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

فیروز نے جواب دیا۔ "مالی مدد۔ میں ہندوستان کے جس حصّے میں بھی جاؤں گا، وہاں رقم کی ضرورت ہو گی۔ میں تم سے مالی مدد کا طالب ہوں!"

اسدی نے جواب دیا۔ "تم بے فکر رہو تمہاری مالی مدد بھی کر دی جائے گی!"

فیروز نے خجلت کا مظاہرہ کیا، بولا۔ "تم تو بارہا انعام حاصل کر چکے ہو انعام و اکرام کا یہ پروانہ، جو تمہیں آج عطا ہوا ہے مجھے دے دو، میں تمہارے حصّے کا یہ انعام لے کر ہمیشہ کے لئے کہیں چلا جاؤں گا!"

اسدی نے تامل سے کام لیا لیکن فیروز نے خوشامد درآمد سے اسے رام کر ہی لیا۔ اسدی کو اس میں یہ فائدہ نظر آیا کہ اس طرح فیروز کے وجود سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔ اس نے فیروز سے وعدہ کر لیا۔ "میں اس شرط پر انعام و اکرام کا یہ پروانہ تمہیں دے سکتا ہوں کہ تم اس کی حصولیابی کے بعد واقعی کہیں چلے جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم شیریں سے مل کر ہم دونوں کی پرسکون زندگی میں ہلچل پیدا کرو!"

فیروز نے قرآن کی قسم کھا کر ہمیشہ کے لئے چلے جانے کا وعدہ کر لیا!

مہتمم خزانہ نادر شاہ کا فرمان لے کر باہر نکلا اور بآواز بلند پوچھا۔ "یہ پروانہ کون لایا ہے؟"

فیروز آگے بڑھا اور سینہ تان کر جواب دیا۔ "میں لایا ہوں!"

مہتمم خزانہ نے اس خدمت گار کو دیکھا جس نے یہ فرمان فیروز سے لے کر اندر پہنچایا تھا۔ پوچھا۔ "کیا تم ابھی اسی شخص سے یہ فرمان لے گئے تھے؟"

خدمت گار نے جواب دیا۔ "جی جناب!"

مہتمم خزانہ نے فیروز کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور حکم دیا۔ "تم ادھر اس دلوار کے سائے میں بیٹھ جاؤ۔" پھر خدمت گار کو حکم دیا۔ "دیکھو اس شخص کی نگرانی کرو، یہ جانے نہ پائے!"

فیروز مہتمم خزانہ کے رویے پر کچھ حیران ہوا اس کو خیال گزرا شاید انعام میں کوئی بڑی رقم اور دوسری گرانقدر اشیا دی جانے والی ہیں جس کی فراہمی اور ادائیگی میں کچھ دیر لگے گی!

تھوڑی دیر بعد مہتمم خزانہ ایک جلاد کے ساتھ نمودار ہوا اور فیروز کو گالیاں دیتا ہوا بولا "غدار مرنے کے لئے تیار ہو جا!"

فیروز نے حیرت اور خوف سے جواب دیا "میں غدار نہیں ہوں! آپ کو میری بابت یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے!"

مہتمم خزانہ نے شاہی فرمان اس کی آنکھوں سے لگا دیا بولا "بادشاہ مردم شناس اور روشن ضمیر ہے وہ دھوکا نہیں کھا سکتا!"

فیروز کی سمجھ میں بھی کسی حد تک بات آ گئی، بولا "مگر میں وہ نہیں ہوں جس کی بابت بادشاہ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے!"

مہتمم ہنسا۔ جلاد کو اشارہ کرتا ہوا بولا "موت کے خوف نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے ہیں شاہی فرمان کی تعمیل ہو!.."

جلاد کی برہنہ تلوار اٹھی اور ہچ سے فیروز کی گردن کے پار ہو گئی۔

اسدی ابھی ٹوہ لگا ہوا تھا کہ فیروز نے انعام میں کیا کچھ حاصل کیا لیکن جب فیروز کی گردن زدنی کا واقعہ علم میں آیا اور اس نے خود بھی مہتمم خزانہ سے لے کر وہ فرمان پڑھ لیا تو اس کی جان نکل گئی وہ چھپتا چھپاتا گھر پہنچا اور جتنا مال اسباب فوراً ساتھ لے جا سکتا تھا۔ ساتھ لیا اور شیریں کا ہاتھ پکڑا، پہلے لاہور پہنچا۔ لاہور سے پشاور اور پشاور سے قندھار چلا گیا اور جب تک نادر شاہ زندہ رہا وہ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتا رہا، ایک دن اس نے شیریں سے فیروز کا ذکر کر دیا اور اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ شیریں فیروز کے انجام پر اداس ہو گئی۔ اس کا دل بھر آیا لیکن اسدی کو آخر تک یہ نہ بتایا کہ فیروز اس سے مل چکا ہے وہ اسدی کی بابت اسے کتنے بڑے مغالطے اور غلط فہمی میں مبتلا کر گیا تھا اور شیریں کا خیال تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا شاید یہی اس کے مقدر میں تھا اور جو مقدر میں لکھ دیا گیا ہو اس کا کسی سے شکوہ کرنا فضول سی بات ہے۔

★

سمرقند کا عقاب

امیر تیمور لرزندۂ جہاں تھا اور ترکی کا بایزید برقِ خاطف۔ جب ان دونوں میں تصادم ہوا تو ایشیا کے لرزندۂ جہاں نے مغرب کے برقِ خاطف کے ساتھ وہ سلوک کیا جو بڑا نفسیاتی اور اذیت ناک تھا۔ قلب و روح کو چھلنی کر دینے والی دو نامور بہادروں کی دلچسپ داستان۔

بے انداز دولت اور ایک لاکھ ہندوستانیوں کو قیدی بنا لینے کے بعد تیمور ہر دوار چلا گیا، اور وہاں مشرق میں مزید فتوحات کے منصوبوں پر غور کرنے لگا۔ اب تک تریسٹھ سالہ بوڑھے تاتاری فاتح نے جدھر کا بھی رخ کیا تھا فتح و کامرانی نے اس کے قدم چومے تھے، جب تیمور ایشیاء میں اپنی فتوحات کو وسعت دے رہا تھا، ترکی میں بایزید اول مغربی علاقوں کی تسخیر میں مشغول تھا۔ وہ برق خاطف بن کر دشمنوں پر گرتا اور انہیں خاک و خون میں ملا کر سرخروئی حاصل کرتا۔ وہ یورپ کی دہلیز میں قدم رکھ چکا تھا اور قسطنطنیہ کی تسخیر کا قطعی ارادہ کر چکا تھا۔ قسطنطنیہ کا قیصر جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو اس نے نہایت عجلت میں تیمور کا سہارا لینا چاہا۔ قیصر کا برق رفتار قاصد کوہستانِ ہندوکش سے گذر کر بلخ میں داخل ہوا اور کابل سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا جہاں تیمور دہلی اور متھرا کو کچل کر ہر دوار میں داخل ہو گیا تھا، اور مشرق میں بڑھنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

تیمور نے اپنے ایک ترک امیر کو حکم دیا کہ قیصر کا خط پڑھ کر سنایا جائے۔ قیصر کا خط انتہائی خوشامدانہ تھا۔ اس نے لکھا تھا :۔

"میری سلطنت پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ اور چاروں خلفاء کے عہد سے موجود ہے لیکن عثمانی حکمران بایزید اسے ختم کرنے کے درپے ہے، اُسے اس کے تیز رفتار اور فیصلہ کن حملوں کی وجہ سے یلدرم (برق خاطف) کہا جاتا ہے، ان نازک حالات میں ہم آپ سے مدد کے طالب ہیں۔ آپ مشرق کے سب سے بڑے فاتح اور بایزید یلدرم کے صحیح مدمقابل ہیں۔ آپ کی عظیم قلمرو میں قسطنطنیہ کا قاصد بڑے سمندر میں چھوٹی مچھلی کی حیثیت سے داخل ہو گا، صرف اس خیال سے کہ بڑے سمندر میں چھوٹی مچھلیوں کی بھی جگہ ہوتی ہے، ممکن ہے آپ یہ سوچیں کہ بایزید مسلمان حکمران ہے اور ہم عیسائی

اس لئے ایک مسلم حکمراں کے خلاف ایک عیسائی مملکت کی حمایت میں تلوار نہیں اٹھانی چاہیئے لیکن امیر (تیمور) کو بایزید کی اس روش کو بطورِ خاص ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ ان دنوں امیر کے دو معتوب بایزید کے مہمانِ خصوصی ہیں اور یہ دونوں بایزید کو امیر کے خلاف تلوار اٹھانے کا مشورہ دے رہے ہیں کیا یہ بات امیر کے لئے ہتک آمیز نہیں، اگر امیر نے اپنے ہم عصر چھوٹے سے مسیحی حکمراں کی اس بات پر توجہ نہ دی تو عین ممکن ہے کہ بایزید امیر کے علاقوں پر تاخت و تاراج شروع کر دے، اگر ایسا ہوا تو امیر کے لئے بڑی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی ہم آپ کو بایزید کے خلاف مدد دینے کا وعدہ کرتے ہیں!"

تیمور کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں، اس نے مسیحی قاصد سے سوال کیا "تیرا بادشاہ ہماری کیا مدد کر سکتا ہے؟"

قاصد ادب سے دوزانو ہو گیا، سر جھکا کر بولا "ایشیا کے عظیم الشان اور بے مثل فاتح کی ہمارا معمولی آقا کیا مدد کر سکتا ہے حقیقتاً ہمارے بادشاہ کی یہ پیشکش ایک فضول سی بات ہے!"

تیمور نے حد درجہ آمرانہ انداز میں کہا "صرف فضول ہی نہیں، ہتک آمیز بھی۔ ہم اس کے باوجود بایزید کو مجبور کریں گے کہ وہ قسطنطنیہ کو اس کے حال پر چھوڑ دے اور ہمارے معتوب ہمارے حوالے کر دے!"

قاصد نے عاجزی سے عرض کیا "لیکن گستاخی معاف، ترک فاتح اپنی فتح مندیوں کے نشے میں اتنا سرشار ہے کہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا!"

"ہوں!" تیمور رعونت سے بولا "اگر اس نے اپنی جہالت کی روش نہ چھوڑی تو ہم انگورہ پہنچ کر اسے عملاً یہ بتا دیں گے کہ جس طرح اس دنیا کا خدا ایک ہے اسی طرح بادشاہ بھی ایک ہی ہونا چاہیئے اور تیمور کے لئے یہ کوئی ایسی ناممکن بات نہیں، بایزید اگر چاہے گا تو ہم اسے اپنے نمائندے کی حیثیت سے حکمران رہنے دیں گے!"

قاصد اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر چکا تھا، اب وہ یہ چاہتا تھا کہ تیمور فوراً ہی سمرقند واپس چلے اور وہاں سے بایزید کے مقابلے پر روانہ ہو جائے لیکن تیمور اس مہم کو اتنی آسان بھی نہ سمجھتا تھا۔ اس نے قیصر کے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ "تم قسطنطنیہ واپس جاؤ اور اپنے بادشاہ سے کہو کہ وہ محصور ہو کر بایزید کو روکے رکھے ہم بہت جلد پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

تیمور نے فوراً ہی واپسی کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان کی دولت ہاتھیوں،

اونٹوں اور چھکڑوں وغیرہ پر بار کی گئی، صناع، ہنرمند، اطبا اور دوسرے فن کار تیموری لشکر کے زیر حراست سمرقند روانہ کر دیئے گئے، ان میں ہندوستان کے ایک لاکھ قیدی بھی تھے جو شکست فاش اٹھا کر غلام بنا لئے گئے تھے اور تیمور انہیں بھی سمرقند لئے جا رہا تھا۔ سمرقند پہنچنے کی جتنی جلدی تھی ایک لاکھ قیدیوں کی نگرانی اور ان کا سفر اتنا ہی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ تیمور کی پاٹ دار آواز کئی بار فضا میں گونجی کہ "سمرقند تیز رفتاری سے پہنچنے کی کوشش کی جائے!" لیکن قافلے کی سست رفتاری میں کوئی فرق نہ آیا۔

تیمور نے دیکھا کہ ایک سنگ باشی (ایک ہزاری کماندار) قیدیوں کو مار مار کر بار بار تیز رفتاری پر مجبور کر رہا ہے لیکن قیدی اڑیل ٹٹو کی طرح آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ تیمور گھوڑا دوڑا کر سنگ باشی کے قریب پہنچ گیا اور اس سے پوچھا "تیرا نام؟"

سنگ باشی نے جواب دیا "فیض الاسلام لیکن لوگ مجھے فیضی فیضی کہتے ہیں!"

تیمور کی باچھیں خفیف سی مسکراہٹ سے متحرک ہو کر ٹھہر گئیں۔ "تو تو فیضی ہے! اچھا لیکن یہ تو بتا ہمیں تیری ذات سے کیا فیض پہنچا؟"

فیضی نے ندامت سے جواب دیا "یہ غلام حضور کی نذر کو اپنی حقیر سی جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہے اور یہ کسی دن بھی امیر پر صدقے ہو جائے گی!"

تیمور نے بے نیازی سے پوچھا "یہ ہندی غلام چلنے میں سستی کیوں دکھا رہے ہیں؟ انہیں سمجھاؤ کہ ہمیں جلد از جلد سمرقند پہنچ جانا ہے، ہمیں سست روی سے نفرت ہے!"

فیضی نے جواب دیا "یہ تو ممکن ہی نہیں کہ امیر اس حقیقت سے لاعلم ہوں کہ ہند کی آب و ہوا آدمی کو سست بنا دیتی ہے، اسی لئے ایران کے کسی قدیم بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو یہ نصیحت کی تھی کہ اگر ہندوستان جانا ہو جائے تو آب و ہوا کے اثر انداز ہونے سے پہلے ہی وہاں سے واپس آ جانا ورنہ کاہل ہو جاؤ گے!"

تیمور نے اسی وقت بیگا بیگی (امیر الامرا) تومان آگاشی (دس ہزاری) یوز باشی (یک صدی) اور اون باشی (دس سپاہیوں کے کماندار) کو اپنے روبرو طلب کیا اور انہیں حکم دیا "چونکہ ہندی قیدی تیز رفتاری میں ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے اور ہمیں سمرقند جلد از جلد پہنچ جانا چاہئے اس لئے بہتر ہے کہ ان ایک لاکھ قیدیوں کی مصیبت سے نجات حاصل کر لی جائے اور نجات حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے!"

اسی وقت بجلی کی رو کی طرح تیمور کی خواہش حکم بن کر لشکر میں پھیل گئی، اس

حکم کی تعمیل میں ہر لشکری کو اپنے بازوؤں کو حرکت میں لانا تھا۔ کسی کے حصے میں پانچ قیدی آئے کسی کے دس اور کسی کے حصے میں پندرہ، چونکہ ان قیدیوں سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے انہیں جلد از جلد مارنے میں جدت اور اختراع سے کام لیا گیا۔ کسی نے تلوار سے کام لیا۔ کسی نے گلا گھونٹنے کا طریقہ اختیار کیا۔ کسی نے بڑا سا گڑھا کھودا اور اس میں دس دس، پانچ پانچ کی مشکیں کس کر اور اس گڑھے میں گرا کر اسے بند کر دیا۔ ایک مذہبی آدمی کے حصے میں پندرہ قیدی آئے، وہ رحمدل تھا اور چاہتا تھا کہ اس کی یہ خدمت کوئی اور انجام دے دے۔ اس تامل اور ہچکچاہٹ کا تیمور کو بھی پتہ چل گیا، وہ اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا اس رحم دل مذہبی آدمی کے سر پر پہنچ گیا "تیرے حصے میں کتنے آدمی آئے؟"

اس نے جواب دیا "پندرہ!"

"تو تو انہیں فوراً ہی ہلاک کیوں نہیں کر دیتا!" تیمور نے کڑک دار آواز میں ملامت کی۔ "تو ہچکچا کیوں رہا ہے؟"

"مذہبی شخص نے جواب دیا "امیر کے حکم کی تعمیل کر دی جائے گی لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں!" تیمور نے اپنی تلوار کی نوک اس کے داہنے گال میں چبھو دی "تجھے یہ سزا دی جاتی ہے کہ تو اپنے حصے کے پندرہ قیدیوں کو تلوار کے بجائے گلا گھونٹ کر ہلاک کرے گا۔ معلوم ہوتا ہے ہندوستان کی آب و ہوا تجھ پر اثر انداز ہو چکی ہے!"

مذہبی سپاہی گھوڑے سے اترا اور رسی کے ٹکڑوں سے اپنے حصے کے قیدیوں کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔ پھر انہیں زمین پر چت لٹا دیا اور باری باری ان کے گلوں کو اپنے پیروں سے دبا دبا کر ہلاک کرنے لگا۔ مرنے والے یوں ڈکارتے جیسے ذبح ہوتے ہوئے مویشی ڈکراتے ہیں، چند قیدی اپنے ساتھیوں کے حشر سے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر ہاتھے کھانے لگے۔ اور اوندھے منہ لیٹ گئے اس سپاہی نے انہیں گدیوں سے روند کر ہلاک کر دیا۔ ادھر سے مطمئن ہو چکنے کے بعد تیمور نے سنگ باشی فیضی کو حکم دیا کہ سمرقند پہنچنے پر اس مذہبی رحم دل سپاہی کو دوبارہ اس کے روبرو پیش کیا جائے!

چند گھنٹوں میں ایک لاکھ قیدی ہلاک کر دیئے گئے اور تیمور نے اس غیر ضروری بوجھ سے نجات حاصل کر کے سکون کی سانس لی اور تیز رفتاری سے سمرقند روانہ ہو گیا۔

سمرقند سے دو میل دور دریائے زرفشاں کے کنارے حد نظر تک

خیموں کا شہر آباد ہو چکا تھا۔ یہاں پندرہ ہزار خیمے نصب تھے، خیموں کی اس بستی کے وسط میں تیمور کا خیمہ تھا۔ پانچ سو سے زائد رسّوں نے اس خیمے کو سنبھال رکھا تھا۔ مرکزی خیمے کی چھت گنبد نما گول تھی اور ایک طاقت ور انسان کی کلائی جتنے موٹے موٹے بارہ نیلے اور سنہرے ستون اس کا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ اس کے دونوں طرف برآمدے تھے۔ خیمے کے بیرونی پردے ریشمی تھے، جن کی سیاہ، زرد اور سفید دھاریاں بڑی بھلی لگتی تھیں، خیمے کے چاروں کونوں میں بڑے بڑے کھلے پروں والے عقاب بنائے گئے تھے، خیمے کے گرد اگرد رنگ دار اونچی دیوار تھی جس میں چھوٹے چھوٹے برج اور مینار بنے ہوئے تھے، یہ امیر تیمور کا خیمہ تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کے ملکہ اور شہزادیوں کے خیمے تھے جن پر زرد اور گلابی کمخاب پردے پڑے ہوئے تھے، ان خیموں سے دور اُمرا اور دوسرے منصب داروں کے خیمے تھے، اور سب سے آخر میں سپاہیوں اور تاجروں کے خیمے تھے، فاتح کی تشریف آوری کی خوشی میں یہاں ایک جشن برپا تھا۔

فیضی رحم دل مذہبی سپاہی کے خیمے میں داخل ہوا اور اسے امیر تیمور کا یہ عجیب و غریب حکم سنایا کہ شب کو اس کے بیٹے میراں شاہ کی بیوی خانزادی نے فاتح کی تشریف آوری کے اعزاز میں شراب کی جو دعوت دی ہے، اس میں اسے بھی شریک ہونا ہے۔ سپاہی کو شبہ گزرا کہ تیمور اس کے قتل کے بہانے تلاش کر رہا ہے، اس نے فیضی سے آزردہ لہجے میں کہا۔

"امیر صاحب امیر ہے، اسے میرے قتل کے لیے کسی بہانے کی کیا ضرورت ہے؟"

فیضی نے حکماً کہا "تم چھوٹے انسان یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ امیر تم پر مہربان ہے، تم اس کی مہربانی کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔" پھر پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

سپاہی نے جواب دیا "حسن تاباں۔" پھر گھبرائے لہجے میں بولا "میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ شہزادیوں کی محفلِ شراب نوشی کے آداب کیا ہیں، میں وہاں پہنچ کر یقیناً کسی لغزش یا غلطی کا مرتکب ٹھہروں گا اور بے گناہ مارا جاؤں گا!"

فیضی نے تقریباً سرگوشی میں کہا "تیرا چہرہ ترکوں سے ملتا جلتا ہے، امیر تجھے ایک خاص مہم پر بایزید کی مملکت میں بھیجنا چاہتے ہیں، اگر تو نے امیر کی یہ مہم پوری دانشمندی اور احتیاط سے سر کر لی تو یہ میرا ذمہ کہ تو کسی بڑے منصب اور گرانقدر انعام و اکرام کا مستحق قرار پائے گا!"

حسن تاباں کو فیضی کی کسی بات کا یقین نہ آتا تھا۔ یہ مجال نہ تھی کہ وہ شہزادی کی تقریبِ مے نوشی میں شریک ہونے سے انکار کر دیتا۔ رات کو محفل کے شایانِ شان لباس پہنا اور فیضی کے ساتھ اس تقریبِ خصوصی میں شامل ہو گیا، اس مخصوص محفل کا سماں ہی عجیب تھا۔ طویل و عریض خیمے کے ہال میں مہ وشوں کا ہجوم تھا۔ ان سے ذرا دور ہٹ کے عمر رسیدہ سپاہی للچائی نظروں سے شراب کی صراحیوں اور مہ وشوں کو گھور رہے تھے، شہزادیاں اور معزز خواتین اپنی مخصوص نشستوں پر اک شانِ بے نیازی سے گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھی ہوئی تقریبِ ناؤ نوش کا تماشا کر رہی تھیں، مختلف سمتوں سے چند نوعمر غلام سونے کی صراحیاں لئے نمودار ہوئے ان کے ساتھ ہاتھوں میں طشتریاں اور طشتریوں میں پیالے لئے ہوئے دوسرے غلام تھے، ان کے ہاتھوں پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ مے بدست غلام شہزادیوں اور خواتین کے روبرو پہنچے اور پیالوں میں شراب انڈیل انڈیل کر ان کی طرف ادب سے پیش کرنے لگے، ہاتھوں پر لپٹا ہوا کپڑا، غلام اور شہزادیوں کے ہاتھوں کو مس ہونے سے بچا رہا تھا۔ غلام پہلے تو کئی بار جھک جھک کر ان معزز خواتین کو آداب بجا لاتے، اس کے بعد شراب کا پیالہ پیش کرتے، یہ پری پیکر مسکرا مسکرا کر پیالے وصول کرتیں اور غٹا غٹ حلق میں اتار جاتیں۔

حسن تاباں [illegible] تقریب میں پہلی بار شریک ہوا تھا، اور بن پیئے ہی بدمست ہو رہا تھا۔ فیضی نے اسے سمجھایا کہ اعتدال میں رہے اور جب تک اس محفلِ ناؤ نوش میں ہے یہ سمجھتا رہے کہ وہ پلِ صراط سے گزر رہا ہے اتنے میں چند خوبصورت لڑکیاں صراحی بردوش اور جام بدست [illegible] گئیں اور مسکرا مسکرا کر شراب کی تقسیم شروع کر دی۔ فیضی اور حسن تاباں نے ایک ایک جام لیا اور ایک ہی سانس میں پی گئے حالانکہ دوسرے عمر رسیدہ مے نوش گھونٹ گھونٹ پی رہے تھے۔ حسن تاباں نے اپنے ساتھی سے پوچھا "میں اس لڑکی سے کتنے جام تک مانگ سکتا ہوں؟"

فیضی نے ترنگ میں جواب دیا "جتنے بھی پی سکو۔"

حسن تاباں نے چند جام تو ذرا تکلف سے پیئے اس کے بعد کیف و مستی میں بے قابو ہو گیا، اس نے پیتے ہی پیتے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور مستی میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا "اے رشکِ ناہید! تیرا نام کیا ہے؟"

فیضی نے اس کا شانہ دبایا، ہونٹ بھینچ کر بولا "یہ کیا غضب کرتے ہو؟ کیا تمہیں زندگی عزیز نہیں ہے؟"

حسن تاباں نے فیضی کا ہاتھ جھٹک دیا۔ غرا کر بولا "یہ کیا فضول کی بک بک کرتا ہے، زیادہ ستائے گا تو وہ ہاتھ دوں گا کہ کابلوں کی سرزمین ہندوستان جا گرے گا!"

اس کے فوراً بعد لڑکی سے مخاطب ہوا "ہاں جی تو تم نے ہمیں اپنا نام نہیں بتایا؟"

لڑکی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش میں دُہری ہوئی جا رہی تھی، اسے اس بڑے مند سپاہی پر ہنسی آ رہی تھی۔

حسن تاباں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا "بخدا! تم ذرا دل کی حرکت تو دیکھو، یہ کیسا مچل رہا ہے سینے میں، ایسا لگتا ہے جیسے پسلیاں توڑ کر باہر ہی تو نکل آئے گا اور تمہارے قدموں میں تڑپنے لگے گا!"

لڑکی نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، بولی "اور ہو سکے یا میں آگے جاؤں؟"

حسن تاباں نے بے نیازی سے جواب دیا "آئے نہاں جاؤ گی جانِ من صراحی کی ساری شراب ہمیں پلا دو، بخدا تم جیسا پلانے والا ہو اور مجھ جیسا پینے والا، پھر بس کی نوبت کا ذکر ہی کیا!"

فیضی پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے کنکھیوں سے حاضرینِ محفل کے تاثرات اور کیفیت کا جائزہ لینے کی کوشش کی، چند عمر رسیدہ سپاہی حسن تاباں کی پیش دستی ناگواری سے دیکھ رہے تھے لیکن خواتین بے ساختہ ہنسے جا رہی تھیں، حسن تاباں نے لڑکی کا ہاتھ نہایت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ لڑکی نے چھڑانے کی کوشش کی تو گرفت اور زیادہ سخت ہو گئی۔

وہ جھنجلا کر بولی "میرا ہاتھ تو چھوڑو، میں شراب کیونکر انڈیلوں؟"

"پہلے ما پ ، ام بتا دو مجھے پھر ہاتھ چھوڑوں گا!"

دوسری شراب تقسیم کرنے والی لڑکیاں اس لڑکی کی بے بسی اور مجبوری سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

فیضی نے ذرا درشت لہجہ اختیار کیا، کہا "تم جتنی زیادہ لغزشیں کر سکتے ہو کر لو جتنے زیادہ بہک سکتے ہو بہک لو، موت تمہارے قریب کھڑی تمہیں اپنے ساتھ جانے کی منتظر ہے!"

"بخدا!" حسن تاباں بے خوفی سے بولا "جب تک یہ حورِ بہشتی مجھے اپنا نام نہ بتائے گی، میں موت کو اپنے قریب تک نہ آنے دوں گا، اگر موت واقعی کہیں میرے آس پاس موجود ہے تو دوست! یہ لڑکی ہی وہ موت ہو گی!"

"تم بہت زیادہ بہک رہے ہو!" فیضی نے عاجز آ کر کہا۔

لڑکی نے ایک زور کا جھٹکا دیا لیکن حسن تاباں سے ہاتھ نہ چھڑا سکی، آخر تنگ آ کر بولی "میرا نام البجائی خانم ہے لو بتا دیا میں نے اپنا نام، اب تو میرا ہاتھ چھوڑ دو!"

حسن تاباں نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا، اور نہایت سرشار اور للچائی نظروں سے لڑکی کو گھورتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"البجائی خانم! خوب کیا نام ہے لڑکی تمہارا، اتنا لطیف اور پیارا نام، تمہاری ترنم ریز آواز میں کچھ زیادہ ہی اچھا لگتا ہے، خیر ابھی تم جانا مت، مجھے جی بھر کے پی لینے دو پہلے!"

لڑکی پلاتی رہی، وہ پیتا رہا اور اس نے اتنی زیادہ پی لی کہ فیضی کو یقین ہو گیا کہ اب شاید تیمور کو اس کے قتل کا حکم نہیں دینا پڑے گا، یہ خود ہی مر جائے گا!

لیکن وہ نہیں مرا، پوری محفل میں سب سے زیادہ شراب پی لینے کے باوجود وہ زندہ رہا اور جب وہ نشے میں بالکل بے اختیار ہو گیا تو لڑکھڑاتے قدموں سے وہ، وہ تماشے دکھائے کہ معزز خواتین اور شہزادیاں خوب خوب محظوظ ہوئیں، انہیں بھی نشے نے نڈھال کر رکھا تھا۔ حسن تاباں نے سب سے زیادہ شراب پی تھی اور وہ سب سے زیادہ بہک بھی رہا تھا۔ جب نشے کی وارفتگی میں حسن تاباں میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ البجائی خانم کو روک سکتا تو مجبوری سے چلا جانے دیا لیکن لڑکھڑائی بدمست آواز میں یہ بھی کہہ دیا۔

"لڑکی! تم نے کیا نام بتایا تھا اپنا؟ ۔ البجائی خانم!! میں تمہارا پتہ کہاں پوچھتا پھروں گا تم خود مجھے تلاش کر لینا، میں تمہارا انتظار کروں گا البجائی تم نے میرا دل جیت لیا ہے!"

کافی رات گئے یہ جشن ہاؤ ہو برپا رہا۔ عمر رسیدہ سپاہیوں کی داڑھیاں، یا مونچھیں بھی ہوئی شراب سے تر بتر تھیں، اور وہ اپنے ہوش میں نہ ہونے کے باوجود مہ وشوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوششوں سے باز نہ آتے تھے فیضی بھی نشے میں تھا لیکن اسے حسن تاباں کی مغروری جرات سے یوں نے بہت زیادہ خوفزدہ کر رکھا تھا جب لوگ اس محفل سے رخصت ہونے لگے تو حسن تاباں اتنا مدہوش ہو چکا تھا کہ وہ اپنے پیروں سے واپس نہ جا سکا فیضی نے اپنے کاندھے پر ڈال لیا اور اس محفل سے نکل گیا۔

صبح جب خمار کے اثار سے اعضا ٹوٹنے لگے اور وہ ہوش میں آ گیا تو اسے ۔ ۔ نہ معلوم کیوں سے خوف محسوس ہونے لگا۔ فیضی موجود نہ تھا۔ اسے البجائی خانم یاد آئی، وہ ہنستا مسکراتا طرزِ تکلم اور کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی شوخ و شنگ ادائیں یاد آئیں، دل مسوس کر رہ گیا، بے چین ہو گیا۔ اس نے سوچا وہ معلوم نہیں کون تھی، اور دوبارہ ملاقات ہو بھی سکے گی یا نہیں، البجائی خانم کے سرور انگیز تصور کے ساتھ ہی

اسے اپنی رات کی بے اعتدالیاں پھر یاد آئیں، اسے ساری باتیں خیالوں کے مرغولے بن کر یاد آ رہی تھیں، رفتہ رفتہ خوف نے شدت اختیار کرنی شروع کر دی اور وہ کانپنے لگا۔ ذرا سا کھٹکا موت کے فرشتے کی آہٹ بن کر سہما دیتا، اسے خدشہ ہی نہیں یقین تھا کہ رات کی بے اعتدالیوں کی اسے سزا مل کر رہے گی، اس میں دیر تو ہو سکتی ہے لیکن ٹل نہیں سکتی۔ اس نے رات ضرورت سے زیادہ پی لی تھی، اتنی زیادہ کہ شاید زندگی میں رات سے پہلے کبھی بھی اتنی نہ پی تھی، وہ شاید ذرا سی پی کر بس کر دیتا لیکن البجائی خانم جیسا ساقی جب ہنس ہنس کر پلائے تو کون کافر ہے جو احتیاط اور مقدار کا خیال کرے گا۔ یکایک خیمے کے باہر سے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی، کوئی شخص دم بہ دم خیمے کے قریب آتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کوئی خدمت گار ہو گا جو تیمور کی سزائے موت کا پروانہ لے کر آ رہا ہے لیکن ذرا دیر بعد خیمے میں فیضی داخل ہوا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، آتے ہی بولا: "حسن تاباں! تم خوش قسمت ترین انسان ہو، تم نے رات اتنی زیادہ شراب پی لی تھی کہ امیر (تیمور) تمہیں مے کے دوش پر مدہوش دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا!"

حسن تاباں کو ایسا محسوس ہوا جیسے فیضی اس سے مذاق کر رہا ہو لیکن فیضی نے بات پوری کر دی: "رات تم نے سب سے زیادہ شراب پی، اتنی زیادہ کہ گذشتہ پانچ سال میں اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی، پھر تم نے عالم سرمستی میں جس جرأت اور پیش دستی کا مظاہرہ کیا امیر اس سے بھی خوش ہوئے اور تمہیں بیطر (ہیرو) کا خطاب مرحمت فرمایا ہے، یہ وہ خطاب ہے جو بہت کم لوگ حاصل کر پاتے ہیں!"

حسن تاباں کو خطاب سے زیادہ البجائی خانم کی فکر تھی، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس لڑکی کی بابت فیضی سے کس طرح سوال جواب کرے۔

بیطر (ہیرو) کا خطاب مل جانا کوئی معمولی بات نہ تھی، اس کا بڑا چرچا ہوا، [illegible] نے حسن تاباں کے اعزاز میں ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا اور یہ تقریب فیضی کے خیمے میں منعقد ہوئی، یہیں حسن تاباں کی البجائی خانم سے دوسری ملاقات ہوئی۔ ہلکے نیلے لباس میں ملبوس البجائی خانم آسمانی حور بن کر فیضی کے پرتکلف خیمے میں جلوہ گر تھی، بغیر آستین کے ریشمی جبہ پہنے اور سر پر شوکلی (اونچی ٹوپی) پہنے وہ جنگلی تتلی کی طرح خیمے میں پھر رہی تھی، جبہ گلے تک سنچتے سنچتے تنگ ہو گیا تھا۔ شوکلی (اونچی ٹوپی) میں قیمتی [illegible] ٹنکے ہوئے تھے، ٹوپی کا اوپری حصہ کالر کی شکل اختیار کر گیا تھا جس میں پر لگے ہوئے تھے اور یہ پر اتنے [illegible] تھے کہ آنکھوں پر سایہ کر رکھا تھا، جب وہ حرکت کرتی تو پر ہلنے لگتے۔ وہ حسن تاباں کو دیکھ کر مسکرائی کیونکہ وہ اس بلانوش گستاخ کو خوب اچھی طرح پہچان چکی تھی۔ حسن تاباں کا یہ حال ہوا کہ بے پیئے ہی سرشار ہو گیا۔

البجائی خانم نے اسے مبارکباد پیش کی: "بلانوش اور گستاخ نوجوان! البجائی خانم تجھے بیطر کا خطاب ملنے پر مبارکباد پیش کرتی ہے!"

حسن تاباں حسن کے احترام میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر البجائی خانم کے روبرو تقریباً سجدہ ریز ہو گیا اور فرط جذبات میں شیخ کمال الدین خجندی کا شعر پڑھا: "اگر تو محل ہے تو خوبصورتی اور رعنائی کا محل ہے، شراب کا پیالا لا تاکہ میں دونوں جہانوں سے بے فکر و بے نیاز ہو جاؤں!"

البجائی خانم نے مسکرا کر جواب دیا: "بلانوشی تیری بہت بڑی خوبی سہی لیکن اسے کبھی کبھی کے لئے اٹھا رکھ، تو سپاہی ہے کچھ سپاہیوں جیسے کام بھی تو دکھا ورنہ امیر کی نظر سے گر جائے گا!"

حسن تاباں نے البجائی خانم کا ہاتھ پکڑ کے آنکھوں سے لگا لیا اور پھر اسے چومتا ہوا بولا: "بخدا اگر تو میری رفیق بن جائے تو حسن تاباں دنیا کا دشوار ترین کام تک انجام دے سکتا ہے!"

فیضی یہ تماشا بہ جبر دیکھ رہا تھا، اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چل کر دونوں کے قریب پہنچا اور ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا: "حسن تاباں! تم آج کی تقریب کے مہمان خصوصی ہو اور یہ میرا خیمہ ہے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری رات جیسی بلانوشی اور جسارتیں تمہیں کسی نئے خطاب یا اعزاز سے ہمکنار کر دیں گی، میں امیر تیمور نہیں ہوں، براہ کرم اس خیمے میں رات جیسے مظاہروں سے گریز اختیار کرو۔" اس کے بعد البجائی خانم سے کہا: "البجائی خانم! تم بھی خیال رہے!"

دونوں بے دلی سے علیحدہ ہو گئے۔ فیضی سنگ باشی (ایک ہزاروی کمانڈر) تھا، اور حسن تاباں یوز باشی (ایک صدی کمانڈر)، مناصب کی برتری کمتری آڑے آئی اور حسن تاباں نے ضبط سے کام لیا۔

آہستہ آہستہ دوستوں اور اس تقریب میں مدعو کئے جانے والوں کی آمد شروع ہو گئی اور عشا کے بعد مے نوشی کا شاندار جشن برپا ہوا لیکن اس رات حسن تاباں کی بلانوشی میں فرق آ چکا تھا اور اس کی گستاخیاں بھی تقریباً مفلوج ہو گئی تھیں جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ البجائی خانم اس سے دور رکھی گئی تھی، اس وقت وہ فیضی کے لئے مخصوص ہو چکی تھی

گاہ گاہ حسن تاباں کی نظریں الجائی خانم کی طرف اٹھ جاتیں، اسی لیے الجائی خانم بھی حسن تاباں کو دیکھتی لیکن ان دونوں کی متصادم نظریں فیضی سے بھی محفوظ نہ رہتیں، فیضی انہیں ناگواری سے دیکھتا اور دونوں گھبرا کر نگاہیں نیچی کر لیتے، اس بار حسن تاباں کو شراب پلانے والا ایک کم عمر غلام تھا، وہ تھا تھا اداس اداس شراب پیتا رہا اور یہ گتھی سلجھانے میں مصروف رہا کہ آخر الجائی کا فیضی سے رشتہ کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال تھا کہ فیضی سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔

محفل کے برہم ہونے سے ذرا پہلے فیضی حسن تاباں کو اپنے خیمے کے داہنی طرف نسبتہً چھوٹے خیمے میں لے گیا اور کہنے لگا، "میں چاہتا ہوں کہ تم الجائی کی طرف سے کسی بڑے مغالطے کے شکار نہ ہو جاؤ۔ کل تک الجائی خانم تیموری خواتین اور شہزادیوں کی ایک کنیز تھی لیکن امیر نے اسے خوش قسمتی سے میرے حوالے کر دیا ہے اب میں اس کا مالک ہوں، تمہیں اس سے غلط توقعات نہیں لگانی چاہئیں!"

حسن تاباں کا دم سینے میں گھٹنے لگا، یہ اطلاع قضا کے تیر کی طرح دل میں پیوست ہو گئی۔

فیضی نے مزید کہا، "حکومت، دولت اور عورت جواں مردی کے عوض ملتے ہیں، ایک بار میں نے بھی ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا تھا جس کے صلے میں سنگ باشی کے منصب سے سرفراز کیا گیا، یہ الجائی خانم اسی بڑے انعام کے ضمیمے کے طور پر مجھے مرحمت کی گئی ہے، اگر تم چاہو تو تمہیں بھی کسی ایسے ہی دلکش انعام سے نوازا جا سکتا ہے!"

حسن تاباں نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا، "وہ کس طرح؟"

فیضی نے جواب دیا، "کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دو اور غیر معمولی انعام حاصل کر لو!"

حسن تاباں تو الجائی خانم پر ریجھ گیا تھا اور اسے اس بات پر یقین نہ تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دے کر الجائی خانم جیسی کوئی دوسری حسین لڑکی انعام میں حاصل کر سکتا ہے! اس نے فیضی کو کوئی جواب نہ دیا۔ فکر مند چہرہ بنا کر خاموشی اختیار کر لی۔

فیضی کی کیفیت یہ بتاتی تھی کہ وہ کوئی اہم بات کہنا تو چاہتا ہے لیکن کہنے کا معقول اسلوب نہیں مل رہا۔ کچھ غور و خوض کے بعد فیضی نے کہا، "ایک نیا اور بڑا محاذ کھل چکا ہے اور اس محاذ پر دو بڑے شاطر اور ماہر جنگ اپنے اپنے حقے کے کام کا آغاز کر چکے ہیں، ہم دونوں اس بڑے محاذ اور بڑی بساط کے پیادے ہیں، ہم اگر چاہیں اور کوشش کریں تو کوئی بڑی مات دے کر غیر معمولی کارنامہ انجام دے سکتے ہیں!"

حسن تاباں نے بے تابی سے کہا، "میرے حقے کا کام بتاؤ، میں الجائی کے لیے بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دے سکتا تھا لیکن اب ــ لیکن اب ــ امیر کا رعب اور حکم ہی کوئی نہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دلوا سکتا ہے!"

فیضی نے کہا، "ایک دوسرا بڑا فاتح بایزید جسے اہل مغرب یلدرم (برق خاطف) کہتے ہیں، شاید امیر کا حریف بن کر نمودار ہونے والا ہے، امیر تیمور ہتھیاروں کی جنگ سے پہلے ہوشیاری اور عقل کی جنگ شروع کر دینا چاہتا ہے۔ اس عقلی جنگ کا آغاز ہم کریں گے۔ نہایت ہوشیاری اور عقل مندی کے ساتھ!"

حسن تاباں ہتھیاروں کی جنگ تو بارہا لڑ چکا تھا لیکن یہ عقل اور ہوشیاری کی جنگ کیا ہوتی ہے؟ شاید اس نے پہلی بار اس عجیب و غریب جنگ کا نام سنا تھا، پوچھا، "سپاہی ہتھیاروں کی جنگ تو صدیوں سے لڑ رہے ہیں لیکن یہ ہوشیاری اور عقل جنگ کیا ہوتی ہے؟"

فیضی نے جواب دیا، "تمہیں یاد ہوگا سلطان نے تمہیں دیکھ کر ایک بار یہ کہا تھا کہ تم اپنے چہرے مہرے اور خط و خال سے بالکل ترک معلوم ہوتے ہو، امیر کی یہی رائے خود میری بابت بھی رہی ہے اور ہمارے ہی جیسے اور بہت سے لوگ بھی ہیں، امیر کا حکم ہے کہ ہم لوگ عام شہریوں، کاریگروں اور ہنرمندوں کی طرح انگورہ میں داخل ہو جائیں اور بایزید کی تاتاری سپاہ میں بد دلی پھیلانا شروع کر دیں، ہم انہیں نہایت ہوشیاری سے یہ یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ امیر تیمور کے سپاہیوں کو تنخواہیں زیادہ ملتی ہیں، امیر اپنی سپاہ میں ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور انہیں اکثر و بیشتر گرانقدر انعام و اکرام سے نوازتا رہتا ہے جب کہ بایزید کی فوج کو یہ سہولتیں اور یہ مہربانیاں نہیں حاصل ہیں، بایزید کی تاتاری سپاہ ہماری اس مشتہری سے بدظن ہو کر ٹوٹ جائے گی تو ہتھیاروں کی جنگ سے پہلے ایک اہم فتح ثابت ہوگی!"

حسن تاباں نے بے دلی سے اکتا کر کہا، "یہ کام اتنا بڑا تو نہیں کہ انجام دینا مشکل ہو!"

فیضی نے مضطرب لہجے میں کہا، "اگر یہ کام مشکل نہیں ہے تو تم اس کی انجام دہی کا بیڑا اٹھا لو، یہ منصوبہ چونکہ میری نگرانی میں دے دیا گیا ہے اس لئے میں یہ کوشش کروں گا کہ اس منصوبے کے جو کردار بھی ہیں، میں ان سے بہر قیمت کام لوں!"

حسن تاباں نے جواب دیا، "میں امیر کا نمک خوار ہوں، مجھے جو کام بھی تفویض ہوگا پوری دیانت اور محنت سے انجام دوں گا!" پھر پوچھا، "مجوزہ لوگ اپنے منصوبے پر کب روانہ ہوں گے؟"

فیضی نے جواب دیا، "بہت جلد لیکن اس کا آغاز دونوں فاتحوں کے خطوط سے ہوگا!"

"اچھا!" حسن تاباں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "مجھے امیر نے بیطر کا خطاب دیا ہے۔ بلانوشی کا بیطر! میں پوری کوشش کروں گا کہ دوسرے میدانوں میں بھی بیطر ثابت ہوں!"

"شاباش!" فیضی نے کہا۔ "مجھے تم سے یہی اُمید ہے!"

اس بات چیت کے دوران الجائی خانم بھی وہیں پہنچ گئی۔ حسن تاباں نے اسے دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا ہی رہ گیا۔ فیضی نے دونوں کو ترچھی نظروں سے دیکھا اور الجائی خانم کو کندھے سے پکڑ کر خیمے کے پالے کمرے میں ٹہلا گیا۔ حسن تاباں بھی ان کے پیچھے پیچھے وہیں پہنچ گیا۔

فیضی کے منصوبے کے بعض کارکن تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے امیر تیمور کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ ان سب کی مجموعی تعداد ہزاروں میں تھی، ان میں بعض بڑھئی تھے بعض راج، بعض دستکار اور دوسرے ہنرمند لوگ، بوڑھے تیمور نے ان سے بس چند باتیں کیں۔ "کام، کام اور کام، ہر قیمت پر کام، وہ کام جو امیر کی طرف سے اسے تفویض ہوا ہے — زندگی اور موت کی پروا کئے بغیر، زندگی کی آخری سانسوں تک کام!"

حسن تاباں ذرا اکھڑ طبیعت رکھتا تھا اور یہ اس کی طبیعت کا خاصّہ تھا کہ اگر وہ کسی بات سے بھاگ رہا ہو یا پیچھے ہٹ رہا ہو، اگر اسے کسی طرح اس بات پر مائل کر دیا جائے تو پھر وہ اپنی جان کی بازی لگا کر اسی بات میں لگ جاتا تھا۔ اس میں سوچ سمجھ کا مادہ کم تھا۔ کسی بات پر بھی جوش اُبال کی طرح پیدا ہوتا تھا۔ اس اُبال سے کام بھی لیا جا سکتا تھا اور اسے ضائع بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس کی خواہشات سرکش اور بپھرے سانڈ کی طرح سر اُٹھاتی تھیں، انہیں امیر کا دبدبہ اور خوف ہی قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ذرا سا مشفقانہ رویّہ اس میں حوصلہ اور جرات پیدا کرنے کا موجب بھی بن سکتا تھا۔ چنانچہ جب امیر نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔ "تو وہی شخص ہے نا جس نے بلانوشی کی ایک مثال قائم کی تھی؟"

تو حسن تاباں نے خوش ہو کر فخریہ انداز میں کہا۔ "ہاں یہ ناچیز وہی ہے جسے امیر نے بیطر کا خطاب مرحمت فرمایا ہے لیکن اس غلام کو بے جان لفظ بیطر سے کیا فائدہ پہنچے گا؟"

امیر نے اس گستاخ مگر صاف گو کو غور سے دیکھا پھر ذرا تامّل سے کہا۔

"تجھے خدا نے ایک موقع فراہم کیا ہے، تجھے جو کام سونپا گیا ہے اسے اس طرح انجام دے کہ تیرے دوسرے ساتھی اس طرح نہ انجام دے سکیں پھر تو یقیناً انعام میں جاندار چیز بھی حاصل کر سکے گا!"

امیر کے زم طرز تخاطب نے اسے جری کر دیا، بولا۔ "امیر کا لشکر سمندر کی طرح ہے

جس کا یہ ناچیز بھی ایک قطرہ ہے، غلام کو الجائی خانم اتنی زیادہ پسند آگئی ہے کہ اگر امیر کسی طرح اسے اس ناچیز کے حوالے فرما دیں تو بندہ نہ صرف بیحد شکر گزار ہو گا بلکہ خدمات مفوضہ کی ادائی میں سر دھڑ کی بازی لگا دے گا!"

امیر نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "اپنی خدمات کے صلے میں کچھ مانگنا گستاخی ہے لیکن ہم تیرے جذبے کی قدر کرتے ہیں، عشق کے جذبے کی قدر۔ عاشق سب کچھ کر سکتا ہے، جا، ترکی چلا جا اور اپنی مفوضہ خدمات دیانت اور محنت سے انجام دے، الجائی سے نہیں تو کسی اور سے ضرور نوازا جائے گا!"

اس کے بعد امیر نے تالی بجا کر خدمت گار کو طلب کیا اور اسے حکم دیا۔ "اسے نمک حراموں کے حشر سے آگاہ کیا جائے!"

خدمت گار اسے بغلوں میں ہاتھ دے کر باہر لے آیا اور اسے ایک دوسرے خدمت گار کے سپرد کر کے اپنی جگہ جا بیٹھا۔ امیر کے خیمے سے دور راستے میں فیضی بھی مل گیا۔ امیر کے خدمت گار نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا فیضی نے پوچھا۔ "امیر سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا؟"

"ہاں!" حسن تاباں نے جواب دیا۔

فیضی نے پوچھا۔ "کوئی ناخوشگوار بات تو نہیں آیا؟"

"نہیں!" حسن تاباں نے جواب دیا لیکن اس کے چہرے سے اندیشے ظاہر تھے۔

خدمت گار اسے ایک خیمے میں لے گیا جس کے دروازے پر بھیانک چہروں والے برہنہ شمشیر بردار کھڑے پہرا دے رہے تھے۔ فیضی باہر ہی کھڑا رہ گیا، خدمت گار برہنہ شمشیر زنوں کے سامنے سے گزار کر حسن تاباں کو اندر لے گیا۔ خدمت گار نے اسے بتایا۔ "یہاں وہ لوگ رہتے ہیں جو یا تو غدار تھے یا پھر کسی اور سنگین جرم کے مرتکب ہوئے، امیر جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں کسی شخص کو اس کی غداری یا دون ہمتی کے انجام سے مطلع کر دیا جائے تو اسے یہاں ضرور بھیجا جاتا ہے!"

حسن تاباں خاموشی سے قید خانے کی سیر کرنے لگا۔ یہاں اعضا بریدہ قیدی رہتے تھے، کسی کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا، کسی کے پیر، کسی کے کان غائب تھے کسی کی ناک، انہیں دیکھتا ہوا وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک شخص زیر تعزیر تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر ایک مضبوط شہتیر سے جکڑ دیا گیا تھا، چند

آدمی اسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھے اور ایک دیوقامت بڑے بڑے بالوں والا تاتاری ایک موٹے اور خوفناک موچنے سے اس کی انگلیوں سے ناخن جدا کر رہا تھا۔ موچنے سے ناخن کو پکڑ کر جھٹکے سے کھینچ لیتا۔ ناخن موچنے میں رہ جاتا اور انگلی سے خون کا فوارہ بہہ نکلتا۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہونے کی وجہ سے وہ چیخ بھی نہ سکتا تھا، ایک دلدوز کراہ، جو ناک سے نکلتی تھی، چہرے کا کرب اور اذیت سے دھندلا جانے والا رنگ اور آنکھوں سے بہہ نکلنے والے آنسو اس کی اذیت کو ظاہر کرتے تھے، اسی طرح ہاتھ پیر کی تمام انگلیوں سے ناخن علیحدہ کر دیئے گئے۔ آخر میں وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ لیکن بے ہوشی میں بھی کسی کسی لمحہ اس کی کراہ نکل جاتی۔ قید خانے کا یہ سب سے زیادہ دردناک منظر تھا۔

واپسی میں خدمت گار نے لاپروائی سے کہا: "یہ چند معمولی سزائیں ہیں جن سے غدار اور دھوکے باز لوگ دوچار ہوتے ہیں ورنہ اس سے بڑی سزائیں بھی دی جاتی ہیں لیکن مجھے صرف اسی قید خانے کی سیر کرانے کا حکم دیا گیا تھا۔" حسن تاباں کے ہوش و حواس جاتے رہے، اس نے زیر لب کہا: "خطرناک لیکن لوگ غداری کرتے ہی کیوں ہیں؟"

خدمت گار نے جواب دیا: "آدمی کو غداری پر کئی چیزیں آمادہ کرتی ہیں، دشمن کا جو، جنس دشمن کی طرف سے کسی عظیم انعام کی طمع، عورت یا دولت کا لالچ۔ بس یہی چند چیزیں ہیں جو آدمی کو غداری کی طرف لے جاتی ہیں!"

اکیلا اور ذہنی حسن تاباں کوئی اور ہی منصوبہ بنا رہا تھا، ترکی پہنچ کر امیر سے نجات حاصل کرنے کا منصوبہ۔

خدمت گار حسن تاباں کو فیضی کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔

اعضا بریدہ قیدیوں کا مہیب تاثر لئے ہوئے وہ فیضی کے ساتھ انگورے پہنچ گیا۔ وہ اس سفارتی مہم میں شامل تھا جو تیمور کا نامہ لے کر بایزید یلدرم کے دربار میں پہنچی تھی، تیمور کا پیغام نہایت مختصر اور سادہ تھا۔ تیمور نے لکھا تھا:

"میں خدا کا بندہ تیمور، ترکی کے فاتح سلطان سے کہتا ہوں کہ وہ میرے معتوب افراد کی مہمان نوازی کی غلطی نہ کرے۔ سلطان میرا بھائی ہے اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی دل آزاری سے بچنا چاہیئے۔"

بایزید یلدرم، تیمور کے خط سے غضبناک ہو گیا۔ چہرہ سرخ اور پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ شیر کی طرح گرجا۔

"خانہ بدوشوں کی اولاد، تیری یہ مجال کہ ترک فاتح کو بھائی کہے۔ ٹھہر جا، ہم تجھے سمرقند ہی میں مزہ چکھائیں گے!" پھر سفرا کو مخاطب کیا: "واللہ اگر تم نامہ بر نہ ہوتے تو ہم اس ذلیل مکتوب کی وجہ سے تمہیں قتل کرا دیتے لیکن ہم تمہیں کوئی سزا نہ دیں گے تم اپنے ذلیل اور خانہ بدوش لٹیرے سے کہہ دینا کہ بایزید برق خاطف ہے جس نے مغرب کے سرکش علاقوں کو جلا کر خاکستر کر دیا اب یہ برقِ خاطف سمرقند اور بخارا پر گرنے والی ہے، کہنا، ہمارا انتظار کرے!"

فیضی نے دلیری سے جواب دیا: "ترک فاتح کو جو کچھ کہنا ہے، ہمیں لکھ کر دیدے کیونکہ ہمارے امیر نے بھی تحریر ہی کے ذریعے بات چیت شروع کی ہے!"

بایزید کو اس تاتاری سفیر کی جرأت پر غصہ تو آیا پھر بھی برداشت کر گیا، اور تیمور کے خط کا جواب لکھوا کر فیضی کے حوالے کر دیا۔

بایزید کا جواب تھا:۔

"و تیمور نامی کتے! تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ ترک اپنے دوستوں کو پناہ دینے سے انکار کرنے کے عادی نہیں اور نہ ہی وہ دشمنوں کے ساتھ برسر پیکار ہونے سے گریز کرتے ہیں، وہ جھوٹ اور دھوکے کے بالکل عادی نہیں، ہم میں اور تجھ میں یہ زمین آسمان کا فرق ہے موجب یہ ہے کہ تو خانہ بدوش نسل سے تعلق رکھتا ہے اور ہم حکمران خاندان سے، ہم تجھے وہ سبق دیں گے کہ رہتی دنیا تک تو ہمیں یاد رکھیں گی!"

جب یہ کارروائی ہو رہی تھی حسن تاباں کو اپنے بیکار ہونے کا احساس بُری طرح ستا رہا تھا۔ وہ بایزید کے روبرو کوئی ایسا کارنامہ پیش کرنے والا تھا جو اس کے ساتھی فیضی کے امکان اور حوصلے سے بالا ہو، اس کا خیال تھا کہ بایزید کے سامنے چند ایسی باتیں ضرور کی جا سکتی ہیں جن سے وہ جرأتِ گفتار کا پیکر قرار دیا جا سکے وہ ہیرو بننے کی فکر میں تھا۔

یکایک بایزید کی آواز گونجی: وہ تیموری وفد کو حقارت سے مخاطب کر رہا تھا "او تیموری خرافات کے نامہ برو! تم کوئی زبانی پیغام تو نہیں لائے ہو؟"

فیضی نے جواب دیا: "ہم اپنے آقا کے ترجمان نہیں، محض نامہ بر ہیں!"

بایزید نے کہا: "تم اپنے آقا سے کہنا کہ اگر وہ پسند کرے تو ہم اسے اپنا بھائی تو نہیں بیٹا بنا سکتے ہیں اور اس کے بیٹا بن جانے کے بعد وہ ہماری شفقتوں کا مستحق قرار پائے گا اور اس کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگزر کیا جائے گا۔"

حسن تاباں نے غیر معمولی دلیری کا ثبوت دیا، بولا "میں اپنے آقا امیر تیمور کو اس پر آمادہ کر لوں گا کہ وہ ترک فاتح کی فرزندی میں آجائے لیکن اس سے پہلے میں ترک فاتح سے یہ کہوں گا کہ وہ خود بھی میری فرزندی میں آنے کا اگر انقدر اعزاز حاصل کر لے کیونکہ میں بلانوشی کے صلے میں اپنے آقا تیمور سے بیطر (ہیرو) کا غیر معمولی خطاب حاصل کر چکا ہوں اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ترک فاتح بلانوشی میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتا!"

اسی لمحے کسی ترک امیر کا ہاتھ بلند ہوا اور حسن تاباں کے داہنے رخسار پر چپک گیا! امیر کی مشتعل آواز گونجی "ہمارے بادشاہ کی ہمارے روبرو یہ توہین، واللہ اگر اس جگہ تیمور سے بھی یہی گستاخی سرزد ہوتی تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی!"

حسن تاباں نے جواب دیا "میرا آقا تیمور اتنا پُر رعب انسان ہے کہ تیری تو اس کے سامنے آنکھ تک نہ اُٹھ سکے گی!"

بایزید نے گرج کر حکم دیا "تم سب دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔ ورنہ ہم تمہیں دھکے دے کر نکلوا دیں گے!"

فیضی حسن تاباں کو لے کر دربار سے چلا آیا اور اس نے حسن تاباں کے جواب کی بڑی داد دی، اس نے حسن تاباں کو یقین دلایا کہ جب یہ گفتگو امیر تیمور کے روبرو دہرائی جائے گی تو ہو سکتا ہے امیر تمہیں جرأت گفتار کا صلہ بیطر کے مزید خطاب سے نواز کر ادا کر دے۔

لیکن جب تیمور کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے حسن تاباں اور فیضی سے بس ایک ہی سوال کیا۔

"کیا بادشاہ کچھ مرعوب نہیں ہوا تھا۔ کیا وہ بہت جلد مشتعل ہو جاتا ہے؟"

اس طرح وہ یلدرم کی ذرا ذرا سی بات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تیمور نے حسن تاباں سے بلا کر کہا "تمہیں اپنی جرأت کا غیر معمولی صلہ بھی ملے گا۔ تم انگورہ واپس جاؤ اور کسی بھی طرح اپنی مفوضہ خدمات انجام دو!"

حسن تاباں نے اندرونی پریشانی چھپانے کی کوشش کی، بولا۔ ترک بادشاہ اس ناچیز کو اچھی طرح پہچان چکا ہے یہ ناچیز آخر اس کی فوج میں کس طرح بدامنی پھیلا سکے گا؟"

تیمور نے غرّا کر حکم دیا "یہ ہمارا حکم ہے، یہ تیری ذمہ داری ہے کہ تو وہاں کس طرح پہنچے لیکن ہم اپنا حکم واپس نہیں لیا کرتے!"

حسن تاباں نے الجائی کے تصور میں حماقت کی، بولا "کیا اس ناچیز نے ترک

بادشاہ کی اہانت نہیں کی؟ کیا امیر کے غلام نے بایزید کو منہ توڑ دندان شکن جواب نہیں دیا؟"

تیمور کا درجہ حرارت بڑھنے لگا۔ پھر بھی تحمل سے کہا "وہ تیرا فرض تھا۔ ایک حاضر جواب، وفادار اور نمک حلال غلام کا فرض!"

حسن تاباں نے سادگی سے عرض کیا "اگر غلام کے دل میں امیر کا خوف اور الجائی کی محبت یکجا ہو جائیں تو اس ناچیز سے اسی نوع کے کارنامے سرزد ہو سکتے ہیں!"

تیمور نے آواز دی "ارے کوئی ہے، دفعان کرو اس احمق کو، یہ تو ضرورت سے زیادہ بیوقوف نکلا! اس کی آواز ہے یا شیطان کا غلغلہ؟"

ایک خدمت گار تیزی سے اندر داخل ہوا اور حسن تاباں کو گدّی سے پکڑ کر باہر لے جانے لگا۔ تیمور نے اسے حکم دیا "اور ہاں اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ احمق گستاخ ہونے کے ساتھ ہی وفادار اور نمک حلال بھی ہے اسے اس کی خدمت کی انجام دہی کے لئے ترک لشکر کے پاس دھکیل دیا جائے!"

تیمور کے حکم کی پوری طرح نہایت بے دردی اور سفاکی سے تعمیل کر دی گئی اور حسن تاباں سے سب کچھ چھین کر بایزید کی لشکر میں دھکیل دیا گیا۔

فیضی کو حسن تاباں کے انجام پر دکھ ہوا۔ تیمور نے فیضی کو بھی ڈانٹا اور کہا "فیضی! کتنا بیوقوف انسان ہے کہ ایسے گستاخ کو ہمارے روبرو لے آیا۔ اس کی حماقت تو دیکھو الجائی کی محبت اور ہمارے خوف کو ایک ہی دل میں جگہ دیئے پھرتا ہے اس نے ایک معمولی کنیز کو ہماری ہمسری کا مرتبہ عطا کر دیا!"

فیضی نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا "امیر کا فرمانا بجا ہے، لیکن اس غلام نے اس کی وفاداری اور راکھڑ پن کے پیش نظر کچھ ذمے داریاں سونپ دی تھیں لیکن بالآخر یہ بھید کھلا کہ نادان کی دوستی میں جی کا زیاں اور عزت و آبرو کا نقصان ہی ہوتا ہے!"

تیمور نے پوچھا "ترک فاتح نے کوئی زبانی پیغام بھی دیا تھا؟"

فیضی نے جواب دیا "وہ زبانی پیغام دے تو ضرور رہا تھا لیکن امیر کے غلام میں اسے دُہرانے کی ہمت نہ تھی، اس لئے اس نے بایزید سے کہہ دیا کہ امیر کے فرمان کا جواب تحریری دیا جائے!"

"ہونہہ!" تیمور پشت پر ہاتھ باندھے اور سر جھکائے ٹہل ٹہل کر کچھ سوچ رہا تھا۔ اسی وقت بیگلا بیگی (امیر الامرا) کو بلوا کر بایزید کو جواب لکھوایا گیا۔ تیمور کا جواب

اس بار خط نہایت مختصر اور سادہ تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

"میں فدائے بندہ تیمور، بایزید کو اس کی اصل یاد دلا رہا ہوں۔ اس کا جدِ اعلا عثمان بھی ایک خانہ بدوش ہی تھا، اس لئے نسب کی رو سے بایزید بھی خانہ بدوش ہی ٹھہرتا ہے۔ میں تمہاری اصل سے خوب واقف ہوں، بایزید کو ایسے ہاتھیوں کے خلاف بڑھنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ یہ ہاتھی اسے کچل دیں گے۔ بایزید نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ترک عام طور پر غور کرنے کے عادی نہیں ہوتے! اگر بایزید میرے مشورے پر عمل نہیں کرے گا تو پچھتائے گا!"

تیمور کا نامہ لے کر جب فیضی وفد کے دوسرے ممبران کے ساتھ انگورہ کے قریب پہنچا تو وہاں پریشان حال حسن تاباں سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ تیمور سے بہت ناراض تھا اور اسے بہت زیادہ برا بھلا کہہ رہا تھا۔ فیضی کو حسن تاباں سے ہمدردی تھی، اس نے کہا "حسن تاباں! مجھے تم سے ہمدردی ہے اور تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اب اس پر نادم ہوں۔ امیر کو اپنے ایک جری اور وفادار غلام کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا!"

حسن تاباں کی اکڑفوں وہی تھی، ذرا غرور سے بولا "میں تو امیر کو عقلمند سمجھتا تھا لیکن وہ تو بہت ہی بیوقوف نکلا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اتنے بیوقوف شخص پر قسمت اور اقبال مندی اتنی مہربان کیوں ہے؟"

فیضی نے عزم دہ لہجے میں کہا "میں تو یہ طے کر کے ترک قلمرو میں داخل ہوا ہوں کہ اب مجھے واپس نہیں جانا ہے، امیر کے خط کا جواب میں وفد کے دوسرے ممبران کے حوالے کر کے بایزید ہی کے پاس ٹھہر جاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ بایزید مجھے اپنی فوج میں ملازم رکھ لے کیونکہ امیر اپنے سپاہیوں کی وہ عزت نہیں کرتا جس کے سپاہی مستحق ٹھہرتے ہیں!"

حسن تاباں کو غداروں کا قید خانہ اور اعضا بریدہ قیدی یاد آگئے، ڈر کر بولا "میں یہ کہوں گا کہ کچھ بھی کرو لیکن غداری مت کرو کیونکہ امیر اپنے غداروں کو بڑی عبرتناک سزا دیتا ہے!"

فیضی نے لاپروائی سے جواب دیا "مجھے امیر کے پاس واپس ہی نہیں جانا، میں تو یہیں کہیں ملازمت کر لوں گا۔ سچ پوچھو تو مجھے یلدرم، تیمور سے زیادہ اچھا لگتا ہے کیونکہ وہ تیمور جتنا ظالم نہیں ہے!"

حسن تاباں کو سُنی ہوئی بات پر یقین نہ آیا، بولا "یہ تم کہہ رہے ہو، فیضی جس پر امیر نے کئی مہربانیاں کیں اور النجائی خانم جیسی آسمانی حور انعام میں بخشی، اگر تم یہاں رہ جاؤ تو

النجائی کا کیا کرو گے؟"

فیضی نے جواب دیا "میں النجائی کو اپنے ساتھ لایا ہوں، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ النجائی جیسی پری چہرہ کو سمرقند میں چھوڑ آتا۔ جہاں میں رہوں گا وہیں النجائی بھی رہے گی!"

حسن تاباں کے منہ میں پانی بھر آیا، بے چینی سے پوچھا "کہاں ہے النجائی؟"

فیضی نے قافلے کے درمیان میں کھڑے ہوئے ایک اونٹ کے کجاوے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس میں ہے۔ میں اسے کتنی مشکل سے نکال کر لایا ہوں، یہ کچھ میں ہی جانتا ہوں۔ اگر امیر کو میرے ارادوں کا ذرا سا بھی علم ہو جاتا تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو دوسرے بہت سے غداروں کا اب تک ہوتا رہا ہے!"

حسن تاباں ذرا خوش ہوا۔ پوچھا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

فیضی نے جواب دیا "زندہ رہنے کے لئے کچھ تو کرنا ہی ہے۔ پہلے تو وفد کے ساتھ یلدرم کے پاس جاؤں گا، اور اسے امیر کا خط پہنچاؤں گا، پھر وہیں میں یہ سنسنی خیز اعلان کروں گا کہ میں امیر تیمور کے مظالم کے پیش نظر اس کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا اور ترک فاتح کی خدمات انجام دینا چاہتا ہوں، اس اعلان کے صلے میں اگر یلدرم نے مجھے ملازم رکھ لیا تو ٹھیک ہے ورنہ کچھ اور سوچوں گا!"

حسن تاباں نے تشویش سے پوچھا "اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

فیضی نے جواب دیا "تم بھی تو اسی کے ظلم کے شکار رہ چکے ہو، جو میں کر رہا ہوں، وہی تم بھی کرو!"

حسن تاباں کے تصور میں وہ غدار گھوم گیا جس کے بیسیوں ناخن موچنے کی مدد سے بے دردی کے ساتھ نوچ کر علیحدہ کر دیئے گئے تھے۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے پوچھا "اگر امیر تیمور اور یلدرم میں مقابلہ ہو گیا اور اس میں امیر نے یلدرم کو شکست دے دی تو ہم کہاں جائیں گے؟ ہمارا کیا حشر ہو گا؟"

فیضی نے ناگواری سے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا "کیا تم امیر کی فتح پر یقین رکھتے ہو؟ میں سچ کہتا ہوں کہ جب سے میں نے بایزید کو دیکھا ہے اس کا قائل ہو گیا ہوں کہ اسے یلدرم (برق خاطف) غلط نہیں کہا گیا۔ یہ خدا کے قہر کا تیر ہے جو تیمور پر چلایا جانے والا ہے!"

حسن تاباں نے افسردگی سے کہا "اگر تم کہتے ہو تو میں بھی تمہارے نقش قدم پر چلنے کو تیار ہوں لیکن میں پھر یہی کہوں گا کہ ہمیں نہایت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے، ایسا قدم جو بعد میں ہمیں شرمندہ نہ کرے!"

فیضی نے جواب دیا "تم ذرا منہ پھٹ اور صاف گو انسان ہو اور اسی خوبی نے تمہیں ذلیل و خوار اور بے گھر اور بے دیار کیا ہے اب کوشش یہ کرنا کہ تمہیں تمہاری زبان کی وجہ سے یلدرم کا عذاب نہ سہنا پڑے!"

"میں وعدہ کرتا ہوں!" حسن تاباں نے کہا "لیکن دوست! ذرا الجائی سے ملاقات تو کراؤ!"

فیضی نے بُرا مانتے ہوئے جواب دیا "میں تمہیں الجائی سے ملا تو ضرور دوں گا لیکن تم سے ذرا ڈر ہی لگتا ہے، ہم دونوں اس وقت دیارِ غیر میں ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھے یہاں مجبور کر دو کسی بات پر؟"

حسن تاباں نے جواب دیا "نہیں ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ تم مطمئن رہو!"

فیضی نے کہا "اس پردیس میں ہم سب ایک ساتھ ہی تو رہیں گے تم فکر نہ کرو الجائی بھی ہمارے ساتھ ہی ہوگی، تم اس سے جی بھر کے باتیں کیا کرنا!"

حسن تاباں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اسے یقین نہ آتا تھا کہ یہ سب کچھ واقعتہً ہو رہا ہے!

وہ منظر بھی بڑا دردناک اور عجیب تھا کہ بایزید یلدرم کی خدمت میں امیر تیمور کا خط پیش کر کے، وفد کے چند ارکان زار و قطار رونے لگے اور سلطان سے حفظ و اماں کے طالب ہوئے انہوں نے امیر تیمور کے مظالم کا رونا روتے ہوئے عرض کیا کہ "چونکہ ترک فاتح ایک با اصول حکمران ہے اور وہ پناہ میں لئے ہوئے لوگوں کی مردانہ وار ذمہ داری قبول کرتا ہے اس لئے ان مظلوموں کا ساتھ بھی دیا جائے!"

بایزید نے پوچھا "تمہیں کس طرح ستایا گیا ہے؟"

فیضی نے جواب دیا "امیر کو معلوم نہیں کس بات پر یہ شبہ ہو چکا ہے کہ ہم لوگ غدار ہیں اور ترک فاتح سے مل گئے ہیں وہ اپنے غداروں کو بڑی عبرتناک سزائیں دیتا ہے!" پھر تیمور کے ظلم کی داستان سناتا ہوا بولا "وہ اپنے معتوب مفرور اور غدار افراد کے ناخن گوشت سے جدا کرا دیتا ہے!"

بایزید نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن اس سے پہلے ہی وفد کا ایک جرأت مند رکن بولا "فیضی! تم نے یہاں جو غداروں کی روش اختیار کی ہے اس کا نتیجہ بہت خراب نکلے گا، بیوقوف انسان کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ترک فاتح موم کی ناک ہے۔ تو جدھر چاہے گا اسے موڑ لے گا؟ ترک فاتح تجھے روک لینے یا پناہ دینے کی خطرناک

اور سنگین غلطی کا ارتکاب ہرگز نہیں کر سکتا!"

فیضی سے پہلے یلدرم نے جواب دیا "ترکی مظلوموں کی پناہ گاہ ہے تیموری مظلوم جب بھی چاہیں ہماری قلمرو میں داخل ہو کر ہم سے امداد اور اعانت طلب کریں، ہم ان مظلوموں کی مدد کریں گے، انہیں پناہ دی جائے گی اور ہم یہ کوشش کریں گے کہ خط و کتابت میں مزید وقت نہ برباد کیا جائے!"

بایزید نے جواب میں پہلے تو اپنی فتح مندی کی طولانی فہرست درج کرائی، اس کے بعد لکھوایا۔

"تیموری کتے! ہم اسلام کے محافظ ہیں اور یورپ کی ساری طاقتیں بھی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں، ہم ایک مدت سے تم سے جنگ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، خدا کا شکر ہے کہ وہ دن آ چکا ہے، اگر تم انگورہ نہ پہنچے تو ہم خود سمرقند آ جائیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ کون فاتح بنتا ہے اور کس کے نصیب میں شکست لکھی جاتی ہے!"

تیموری وفد یہ جواب لے کر واپس چلا گیا اور بایزید نے ازراہِ ہمدردی فیضی اور اس کے ساتھیوں کو حلقۂ ملازمین میں داخل کر لیا۔ فیضی نے بایزید کو بتایا کہ تیمور کی فوج کے بہت سارے لوگ اس کی سخت گیری کے شاکی ہیں اور وہ کسی وقت بھی ادھر سے ٹوٹ کر بایزید کی فوج میں شامل ہو سکتے ہیں اور فیضی بھرپور کوشش بھی کرے گا کہ امیر تیمور کے باغی سپاہیوں کو توڑ لیا جائے۔

حسن تاباں کہنے کو تو بایزید کی فوج میں داخل ہو گیا تھا لیکن جب کبھی اسے تیمور کے باغیوں کا حشر یاد آتا وہ بہت پریشان ہو جاتا۔ وہ فیضی سے بار بار یہی پوچھتا کہ کیا اسے اس بات کا یقین ہے کہ بایزید امیر تیمور کو شکست دے دے گا۔ فیضی ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ ترک فاتح بھی تیمور سے کسی طرح کم نہیں، امیر تیمور کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کا بھرم اب شاید کھل کر رہے گا۔

الجائی کا قرب میسر آ چکا تھا حسن تاباں کی وحشت کے لئے الجائی کا قرب بہترین علاج تھا۔ دونوں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ اب وہ الجائی کو بہت قریب سے دیکھ سکتا تھا، پھر ایسا ہوا کہ فیضی بہت زیادہ مصروف رہنے لگا، وہ بایزید کے ساتھ اہم فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھا، اس نے ہزاروں تاتاریوں کو خفیہ خطوط لکھ لکھ کر انگورے بلوا لیا اور انہیں بایزید کی فوج میں شامل کرا دیا۔ فیضی کی عدم موجودگی میں الجائی سے خوب گھلتی، وہ الجائی کا دل ٹٹول رہا تھا کہ

وہ بھی اس سے کچھ لگاؤ رکھتی ہے یا نہیں، البجائی بہت چالاک نکلی، وہ اسے باتوں میں اڑا دیتی۔

شام کے دھندلکے گہرے ہو گئے۔ اس نے مکان کے دروازے سے مویشیوں کو اپنے اپنے گھروں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ سامنے کی کچی سڑک پر گرد اڑاتے ہوئے گھڑ سوار اور مویشی بے ترتیب قطاروں میں گزر رہے تھے۔ حسن تاباں کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے حدِ نظر تک نظریں دوڑائیں اور فیضی کو تلاش کیا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اندر فیضی اور البجائی خانم کا کمرہ الگ تھا اور حسن تاباں کا الگ، جب فیضی چلا جاتا تو البجائی دونوں کمروں کے درمیان کا دروازہ مقفل کر دیتی۔ حسن تاباں کو یہ طریقہ ناگوار گزرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ مغائرت کی روش دور کر دی جائے لیکن کس سے کہہ کر یہ روش ختم کی جائے، البجائی سے یا فیضی سے، یہ ایک دوراہا تھا جس پر حسن تاباں مذبذب کھڑا تھا۔

حسن تاباں نے دوسرے کمرے میں جھانک کر دیکھا، البجائی چراغ جلا رہی تھی اس نے کئی بار ہاتھ اٹھا کر دروازہ تھپتھپانے کی نیت کی لیکن کچھ سوچ کر رک جاتا۔ جب اندھیرا زیادہ پھیل گیا تو اس نے بے اختیار دروازہ تھپتھپا دیا۔ دوسری طرف سے البجائی کی مترنم آواز سنائی دی "کیا ہے؟"

حسن تاباں نے جواب دیا "یہاں بہت اندھیرا ہے کیا کوئی شمع مل جائے گی؟"

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور البجائی نے ایک شمع حسن تاباں کی طرف بڑھا دی۔

حسن تاباں شمع لے کر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا ہو گیا، اب دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا البجائی گھبرا جائے گی لیکن وہ ذرا بھی نہ گھبرائی حسن تاباں نے اسے آغوش میں لینے کی کوشش کی تو وہ سمٹ کر ایک طرف ہو رہی اور ناگوار لہجے میں کہا "واللہ! یہ صریحاً بد دیانتی ہے۔ حسن تاباں ہوش میں آؤ تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

حسن تاباں ایک ہی سرپھرا تھا، اس کے لئے کسی بات کا ارادہ کر لینا ہی کافی تھا۔ پھر وہ پیچھے کہاں ہٹتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر البجائی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور عالمِ سرمستی میں بولا "میں تیری ایک ہم آغوشی اور چند بوسوں کی خاطر اپنی زندگی قربان کر سکتا ہوں!"

البجائی نے اپنے چہرے کے قریب آتے ہوئے منہ کو ہتھیلی سے پیچھے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ حسن تاباں وحشی بن کر پیار کرتا رہا۔ دفعتاً البجائی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔ بولی "دیکھو! جو کچھ چاہتے ہو اسے پورے ہوش و حواس سے حاصل کرو۔ کیا تم نے باہری دروازہ بند کر دیا ہے، پہلے اسے بند کر آؤ کیونکہ آج فیضی جلدی آنے والا تھا!"

حسن تاباں کے لئے البجائی کی آمادگی ایک غیر متوقع خوشی تھی، اسے کچھ کچھ تو یہ شبہ ضرور تھا کہ البجائی اسے پسند کرتی ہے اور یہی بات وہ جاننا بھی چاہتا تھا البجائی کی رضامندی کی خوشی میں وہ فوراً باہری دروازہ بند کرنے چلا گیا۔ اس نے ایک بار پھر دروازے کے باہر اندھیرے میں فیضی کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن دھندلی دھندلی فضا میں دور دور تک اس کا پتہ نہ تھا۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کیا اور جب دوبارہ البجائی سے ملنا چاہا تو پتہ چلا کہ دروازہ دوسری طرف سے مقفل ہو چکا ہے۔ حسن تاباں کی خفت اور ندامت عروج پر پہنچ گئی۔ اس کے جی میں آیا کہ اسی وقت دروازہ توڑ کر دوسری طرف چلا جائے اور البجائی کو اس کی دھوکا دہی کا وہ مزہ چکھائے کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے۔ اس نے دروازے پر زور زور سے مکے مارے لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ دوسری طرف سے البجائی کی کھنچی کھنچی ہنسی کی آواز آتی رہی۔ حسن تاباں نے غصے میں کہا "البجائی! تو نے مجھے دھوکا دے کر اچھا نہیں کیا۔ میں اپنی حماقت اور تیری چالاکی کا تجھ سے خوفناک بدلہ لوں گا!"

البجائی نے جواب دیا "چالاکی کی ابتدا تو تمہاری طرف سے ہوئی تھی کہ شمع مانگنے کے بہانے دروازہ کھلوا لیا تھا۔ میں نے تو تمہاری چالاکی کا اپنی چالاکی سے جواب دیا ہے۔ احمق نوجوان! عورت کا دل دشمن کا قلعہ تو نہیں کہ جسے تو طاقت سے زیر کر لے۔ اسے تو محبت اور خلوص ہی سے جیتا جا سکتا ہے لیکن تو نے اسے جبر اور زبردستی سے جیتنا چاہا جسے میں نے ناکام بنا دیا!"

حسن تاباں سے جو حماقت سرزد ہو گئی تھی، اس کی تلافی کی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اسے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ فیضی نے بایزید کے مزاج میں کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیا ہے اور اسے جیسے ہی یہ معلوم ہو گا کہ حسن تاباں نے البجائی کے ساتھ ایسی ناگفتہ بہ اور شرمناک حرکت کی ہے، خدا معلوم کیا قدم اٹھا بیٹھے۔ مشکل تو یہ تھی کہ اب وہ

سمرقند بھی نہیں واپس جا سکتا تھا کیونکہ امیر تیمور اسے ترک قلمرو میں جلاوطن کر چکا تھا اور وہ بایزید کی سپاہ میں داخل ہو کر غداری کا مرتکب ہو چکا تھا۔ اسے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ فیفی جیسے ہی گھر میں داخل ہو گا اور البجائی سے اس واقعے کا علم ہو گا تو اس کی طرف سے حسن تاباں کے خلاف دو ہی قدم اُٹھ سکتے تھے، ایک تو یہ کہ غصّے اور جوشِ انتقام میں فیفی خود ہی اس کے مقابلے پر آجائے اور اسے ہلاک کرنے کی کوشش کرے اور اگر اس نے یہ قدم نہ اُٹھایا اور ذرا تحمّل اور صبر سے کام لیا تو دوسرا قدم یہ ہو گا کہ واقعے کی اطلاع بایزید کو کر دے اور اس سے دادرسی چاہے، اور بایزید یقیناً اسے ایسی سخت سزا دے گا کہ شاید وہ زندہ بھی نہ رہنے، قتل کر دیا جائے۔ اس مہیب اور خطرناک مایوسی میں اسے اپنی بچت کی ایک ہی راہ نظر آئی وہ یہ کہ خود ہی پہل کرے اور فیفی کو دھوکے سے قتل کر کے کسی طرف فرار ہو جائے اور فرار ہونے سے پہلے ایک آخری کوشش کے ذریعے البجائی کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کرے۔

فیفی کے بجائے ایک ترک فوجی افسر حسن تاباں کو اپنے ساتھ لے گیا اور اس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگا۔ وہ تیمور کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا تیمور کی فوج کیسی ہے؟ خود تیمور کیسا ہے؟ فوجیوں کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فوج کتنی ہے؟ خود اسے تیمور سے کیا کیا شکایات رہی ہیں؟ اور سب سے آخر میں اسے یہ بھی یاد دلا دیا کہ جب وہ پہلی بار امیر تیمور کا نامہ بایزید کے نام لے کر آیا تھا تو اس نے امیر تیمور کی جانب سے بایزید کے دربار میں نہایت گستاخانہ مکالمے ادا کئے تھے، آخر اس وقت وہ اپنے امیر تیمور سے اتنی محبت کیوں کرتا تھا اور اب نفرت کیوں کرنے لگا؟

جواب میں حسن تاباں نے کھرے کھرے اور نفرت آمیز کلمات ادا کئے، اس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ امیر نے مجھ سے ناانصافی کی ہے۔ وہ اپنے ملازمین سے نہایت غیر منصفانہ توقعات رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر ملازم کبھی یہ محسوس کرے کہ اس کا آقا (تیمور) اس پر ویسا مہربان نہیں ہے، جیسا پہلے ہوا کرتا تھا تو اس ملازم کو یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں تیمور غلطی پر ہے بلکہ اسے تب بھی اپنی ہی غلطی تصوّر کرنے۔ اس کے بعد حسن تاباں ذرا جوش میں بولا "ایک ایماندار ملازم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ غیر منصف مزاج اور ہٹ دھرم آقا کی ملازمت کرے۔"

ترکی افسر نے پوچھا "سلطان (بایزید) کو تم پر اعتبار نہیں ہے، وہ

نہیں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے ان کی خواہش ہے کہ تم سیواس چلے جاؤ سیواس میں سلطان کا بیٹا ارطغرل موجود ہے، وہ تمہیں خوش آمدید کہے گا!"

حسن تاباں نے مایوسی سے پوچھا "اور میرا ساتھی فیفی کہاں رہے گا؟"

ترکی افسر نے جواب دیا "وہ یہیں سلطان کے پاس رہے گا!"

حسن تاباں اکھڑے لہجے میں بولا "واہ جی یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں سیواس چلا جاؤں اور میرے ساتھی یہاں سلطان کے پاس رہیں، یا میں خود بھی یہیں رہوں گا یا میرے ساتھی فیفی کو بھی میرے ساتھ سیواس ہی بھیج دو!"

ترکی افسر نے تحکمانہ کہا "تم یہ بات کس طرح کرتے ہو؟ یہاں سلطان کے احکام چلتے ہیں، معلوم ہوتا ہے تیمور سخت گیر ہونے کے ساتھ ساتھ نرم مزاج بھی ہے کہ تم جیسے بدتمیز اور گستاخ لوگ بھی اس کے دربار سے وابستہ ہیں۔"

حسن تاباں مصلحتاً چپ ہو رہا لیکن تھوڑے تحمّل اور سکوت کے بعد اتنا ضرور کہہ دیا "ٹھیک ہے جناب، میں تمہاری قلمرو میں ہوں، جیسا حکم دو گے تعمیل کروں گا، لیکن سپاہی کو اتنی آزادی ضرور ہونی چاہئے کہ وہ اپنی رائے اور خواہش کا آزادانہ اظہار کر سکے!"

ترکی افسر شاید جذباتی تھا، غصے میں بولا "تم مشتبہ لوگ سلطان کے آس پاس کس طرح رہ سکتے ہو، جو سپاہی اپنی وفاداری بدل کر دوسرے آقا کے پاس جاتا ہے وہ مشکل سے اعتماد قائم کر پاتا ہے!"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فیفی بھی اسے تلاش کرتا ہوا وہیں پہنچ گیا، حسن تاباں اسے دیکھتے ہی بوکھلا گیا اور اسے اپنا منصوبہ یاد آگیا، اسے یقین تھا کہ البجائی نے اسے سب کچھ بتا دیا ہو گا اور اب فیفی کا اس کے ساتھ سلوک معاندانہ اور منتقمانہ ہو گا اس نے خود سے پیش قبض نکال کر فیفی پر حملہ کر دیا۔ لیکن ترک افسر اس کی کڑی نگرانی کر رہا تھا اور کسی حد تک اس کے ارادے سے واقف ہو چکا تھا اس نے حسن تاباں کو گرا دیا اور کلائی مروڑ کر پیش قبض چھین لی، اس حملے سے فیفی کے پہلو میں ہلکا سا زخم آیا، وہ کراہ رہا تھا اور نہایت خلوص سے پوچھا "آہ میرے دوست حسن تاباں! یہ تجھے ہو کیا گیا ہے، تجھے کیوں مارنا چاہتا ہے؟" پھر ترک افسر سے کہا "میرے ترک دوست! اسے چھوڑ دو یہ میرا دوست ہے، اسے ضرور کسی قسم کی غلط فہمی ہو گئی ہے ورنہ اس سے یہ غیر معمولی حرکت ہرگز سرزد نہ ہوتا!"

ترک افسر نے افسوس سے جواب دیا "یہ شخص کچھ احمق نظر آتا ہے،

اس کی ہر حرکت اور ہر فعل غیر معمولی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے اب تک اپنی فوجی خدمات کس طرح انجام دی ہوں گی!"

فیضی نے کہا "یہ شخص انتہا پسند اور ہر بڑے فوری جذبے پر مر مٹنے کا وصف رکھتا ہے جو لوگ اسے سمجھ لیں گے، انہیں اس سے کوئی شکایت نہ ہوگی اور اس سے بڑے سے بڑا کام بآسانی لے لیں گے۔" اس کے بعد فیضی نے حسن تاباں سے پوچھا "تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟"

حسن تاباں فیضی کے نرم رویے پر حیران بھی تھا اور شرمندہ بھی، اس نے رک رک کر پوچھا "کیا تم گھر سے آرہے ہو؟"

زخمی فیضی نے جواب دیا "ہاں میں گھر سے آرہا ہوں؟ تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟"

حسن تاباں نے جھجک جھجک کر پوچھا "تمہیں البجائی نے کچھ بھی نہیں بتایا؟"

"نہیں تو!" فیضی نے کہا "وہ مجھے کیا بتائے گی؟"

حسن تاباں سمجھ گیا کہ البجائی نے اپنی زبان بند رکھی ہے۔ اس کے دل میں امید کا جو چراغ بجھ چکا تھا۔ البجائی کی خاموشی کے انکشاف نے اسے پھر روشن کر دیا۔ اور اسے یقین سا ہو گیا کہ البجائی اسے چاہتی ضرور ہے لیکن اس محبت کا ابھی دم اظہار نہیں کرنا چاہتی۔

ترک افسر نے کہا "تم لوگ معلوم نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو، گھر چل کر باتیں کرنا۔ زخمی ہے پہلے مرہم پٹی ہونی چاہیے!"

تینوں گھر پہنچے، البجائی نے دروازہ کھول دیا خود پردے میں چلی گئی اور ترک افسر، فیضی اور حسن تاباں اندر داخل ہو گئے، البجائی فیضی کو زخمی دیکھ کر پریشان ہو گئی فیضی نے ہنستے ہوئے دونوں سے سرگوشی میں کہا "خبردار جو اس حادثے کی بابت البجائی کو کچھ معلوم ہوا!"

گھر میں مرہم موجود تھا۔ البجائی نے مرہم اور کپڑا دیا اور دونوں نے بہت سارا مرہم پھاہے پر رکھ کر زخم کو باندھ دیا۔

ترک افسر چلا گیا تو فیضی نے البجائی کو آواز دی، البجائی ان دونوں کے پاس آگئی، حسن تاباں آنکھ ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

اچانک زخمی فیضی کی آواز سنائی دی، وہ کہہ رہا تھا "حسن تاباں! تم ایک عورت کی خاطر اپنے دوست کو ہلاک کر دینا چاہتے تھے!"

حسن تاباں اس انکشاف سے بہت زیادہ پریشان ہو گیا کہ فیضی سب جانتا ہے اور تھوڑی دیر پہلے وہ جھوٹ بول رہا تھا جوانی کا جوش پھر ابل پڑا۔ اور جی میں آئی کہ فیضی کو مزید بولنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یکایک فیضی کی آواز پھر سنائی دی "میں نہیں چاہتا کہ اپنے دشمنوں پر اپنے اختلافات ظاہر کروں، مجھے معلوم ہے کہ تم البجائی سے محبت کرتے ہو میں اگر چاہوں تو البجائی کو تمہارے حوالے کر سکتا ہوں، لیکن اس سلسلے میں دو بڑی رکاوٹیں آڑے آتی ہیں، ایک یہ کہ البجائی امیر تیمور کا عطیہ ہے اگر میں یہ عطیہ تمہیں عطا کر دوں تو اس میں امیر کی ہتک کا پہلو نکلتا ہے، دوسرے یہ کہ میں نے یہ عطیہ بڑی قربانی اور بڑا کارنامہ انجام دے کر حاصل کیا ہے، میں چاہتا تھا کہ تم بھی کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیتے تو میں اسے قیمت میں شمار کر کے البجائی کو تمہارے حوالے کر دیتا!"

حسن تاباں نے شرمندگی سے جواب دیا "فیضی! تمہاری قسمت تھی کہ بچ گئے۔ ورنہ میں تہیہ کر چکا تھا کہ تمہیں قتل اور البجائی کو اغوا کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا، لیکن اب ایسا ناممکن ہو گیا ہے!"

فیضی مسکرانے لگا۔ بولا "بھائی ایسی جلدی کرنا بھی نہیں چاہیے آؤ ہم دونوں عہد کریں کہ ایسی غلطی آئندہ نہیں سرزد ہوگی۔"

حسن تاباں نے اچٹتی نظروں سے البجائی کی طرف دیکھا وہ ہونٹ دبائے مسکرا رہی تھی۔

کچھ ہی عرصے بعد تیمور کا ایک خط اور آگیا، یہ خط بھی سادگی اور سیاست کا اعلیٰ نمونہ تھا لیکن پچھلے خطوط کے مقابلے میں ذرا طویل ضرور تھا۔ تیمور نے لکھا تھا۔

"خدا کا بندہ تیمور کہتا ہے کہ کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ ایشیا کا بہت بڑا حصہ ہماری تلوار و امد کے سایے میں ہمارے قانون کا پابند ہے۔ اور ہماری فوجیں ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلی ہوئی ہیں، دنیا کے حکمران ہمارے دروازے کے سامنے صف باندھے مؤدب کھڑے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ تیری گستاخی اور حماقت کی بنیاد کیا ہے؟ مجھے اعتراف ہے کہ تو نے مغربی مسیحیوں پر کچھ فتوحات حاصل کر لی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے تیری تلوار کو برکات سے مشرف فرمایا ہے، اور کفار کے خلاف جہاد میں تو نے قرآن کے احکام کی پیروی کی ہے، اور اب تک اسی وجہ سے ہم تیرے ملک کے خلاف قدم اٹھانے میں متامل رہے اور اسے اسلامی دنیا کا مورچہ سمجھتے رہے، بایزید! ہوش و حواس سے کام لو، سوچو اور مخالفت سے باز آجاؤ، اور ہمارے انتقام کی برق خاطف سے بچو، جو تمہارے سر پر معلق ہو چکی ہے، بایزید! تمہاری حیثیت ایک چیونٹی جیسی ہے، آخر چیونٹیاں کسی بڑے منصب کے

حق دار کی طرح اپنی حیثیت کو کیوں بھلا رہی ہیں، ہاتھی انہیں کچل دیں گے۔
سُنا ہے تم نے میرے آدمیوں کو توڑ کر انہیں ملازم رکھ لیا ہے آخر یہ حرکتیں کیوں
کر رہے ہو؟ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے، اب تک میں تمہاری ریاست کے احترام میں خاموش تھا
لیکن اب ایسا کرنا مشکل ہے میرے آدمی تم میرے پاس بھیج دو!"

بایزید نے یہ خط اپنے اُمرا کو بھی پڑھنے کے لئے دیا اور خود جواب دینے کی
تیاری کرنے لگا!

اس نے جواب لکھوایا۔
"تیمور! تیرے پاس بے شمار فوج ہے مگر فوج کی زیادتی سے کیا ہوتا ہے راہِ
فرار اختیار کرنے والے تاتاریوں کے تیر میرے ثابت قدم اور ناقابل شکست ینی چریوں
کے تیر و شمشیر کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں، جن لوگوں نے میری پناہ حاصل کر لی ہے، ان
کا محافظ میں ہوں، وہ میرے خیموں میں بیٹھے ہیں، تمہاری حیثیت ایک خراج گزار حکمراں
جیسی ہے اگر تم نے خراج کی رقم نہ روانہ کیں تو میں خود آکر وصول کر لوں گا۔
میں مقصد کے ... رہا ہوں، اور وہاں تیری متکبرانہ حیثیت کو زمین میں
دفن کر کے تیرے حرم اپنی سپاہ میں تقسیم کرا دوں گا اور تیری چہیتی بیوی کو اپنی کنیز
بناؤں گا!"

بایزید کا خط جب درباریوں کو با آواز بلند پڑھ کر سُنایا گیا تو وہ بہت
خوش ہوئے لیکن فیضی پر اس کا بُرا اثر ہوا، اس نے دبے لفظوں میں سُلطان سے
کہا "جناب والا! اگر میں اس خط کی تعریف کروں گا تو یہ میری منافقت ہوگی۔ اور اگر
اعتراض کروں گا تو گستاخی شمار کی جائے گی اس لئے بہتر یہی ہے کہ میری رائے نہ لی جائے!"
بایزید نے کہا "تم منافقت سے بچو اور جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہہ دو!"
فیضی نے نہایت افسوس سے کہا، خط کا مضمون متکبرانہ اور سراسر اہانت ہے،
چونکہ تیمور میرا آقا رہ چکا ہے اس لئے مجھے اس سے تکلیف پہنچی!"
بایزید ہنس دیا، کہا "وہ اسی قسم کے خطوط کا مستحق ہے ہم نے تو پھر بھی ذرا
رعایت اور احترام سے کام لیا ہے ورنہ تیمور اس سے زیادہ اہانت کا مستحق ہے!"
حسن تاباں کس طرح خاموش رہتا فوراً عرض کیا "سردست ہماری وفاداریاں
سُلطان کے ساتھ ہیں اس لئے سُلطان جو بھی قدم اٹھائیں گے اسے ہم سب کی تائید ہونی
چاہئے! لیکن؟" وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

بایزید نے ڈانٹا "جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو ہمیں چاول منہ میں ڈال کر
اور آہستہ آہستہ جگالی کر کے باتیں کرنا بالکل پسند نہیں!"
حسن تاباں نے ڈھٹائی سے جواب دیا "جناب والا! میں کوئی بڑا کارنامہ انجام
دینے کی فکر میں ہوں تاکہ بڑا آدمی کہلایا جاؤں اور انعام میں حسین ترین خواتین حاصل کروں!"
بایزید نے خشمناک لہجے میں کہا "ارے اس گستاخ کا منہ بند کرو، اس
کے منہ میں جو آتا ہے بک دیتا ہے اگر ہم نے اسے پناہ نہ دی ہوتی تو اسے
قتل کرا دیتے!"
حسن تاباں کو بس ایک ہی بات سُنکنے کی معلوم تھی کہ جرأت، حوصلہ بے باکی
اور حاضر جوابی آدمی کی وہ خصوصیات ہیں جو اسے بڑا اور ہر دلعزیز بناتی ہیں اور
بادشاہ ان کی قدر کرتے ہیں، چنانچہ اس نے بیباکی اور حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا،
کہنے لگا "جہاں جائیے برہنہ تلوار سَر پر لٹکتی ملتی ہے تلواریں دشمنوں کے لئے ہوتی
ہیں یا اپنوں کے لئے؟"
یلدرم نے غصے میں کہا "یہ یہاں کیوں ہے اسے تو ہم نے سیواس بھیجا تھا، یہ یہاں
کیوں نظر آ رہا ہے اسے فوراً سیواس روانہ کرو!" پھر حسن تاباں سے کہا "تو کارنامے
انجام دے اور زبان بند رکھ ورنہ بڑے نقصان اُٹھائے گا!"
حسن تاباں نے جواب دیا "سُلطان کا حکم سَر آنکھوں پر یہ ناچیز خود ہی سیواس
چلا جائے گا بس ذرا التعارف نامہ دے دیا جائے بقیہ کام یہ ناچیز خود ہی انجام
دے لے گا!"
یلدرم نے اس کی تائید کی اور کہا "ہم صرف ایک بات جانتے ہیں، وہ یہ کہ
آدمی اگر چاہے تو بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دے سکتا ہے تیمور کسی دن اور کہیں بھی
نمودار ہو سکتا ہے اس وقت کے لئے ہم تم سب سے یہی کہیں گے کہ جنگ بے مروتی سے
لڑی جائے اور ذہن سے سابق رشتے نکال دیئے جائیں!"
وہاں سے اٹھ کر فیضی اور حسن تاباں کچھ اداس ہو گئے حسن تاباں نے
بتایا "میں ایک تعارفی چٹھی لے کر سیواس چلا جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ بلاوجہ
خیر ہوتی رہے اور میں سُلطان کی نظر میں خوار ہوتا رہوں!"
فیضی نے کہا "اچھا خدا حافظ مگر ایک بات یاد رکھو وہ یہ کہ وفاداریاں
اتنی جلدی جلدی مت فروخت کیا کرو، اس سے آدمی کی قدر و قیمت گر جاتی ہے

یہ زندگی کوئی معمولی چیز تو نہیں جس طرح زندگی غیر معمولی شے ہے اسی طرح سپاہی کو کارنامہ بھی غیر معمولی ہی انجام دینا چاہیئے!"

حسن تاباں نصیحتوں کی بھرمار سے عاجز آ گیا۔ بولا "میں تو ایک ہی بات جانتا ہوں، میں عنقریب کوئی کارنامہ انجام دے کر تمہارے پاس چلا آؤں گا اور تم سے اپنی الجائی مانگ لوں گا!"

فیضی نے ناگواری سے کہا "تم بڑے بھونڈے انداز میں بات کرتے ہو!"

حسن تاباں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "بھونڈے لہجے میں نہیں کھرے اور صاف صاف انداز میں بات کرتا ہوں، کیونکہ بے باکی اور صاف گوئی وہ وصف ہیں جو کسی بڑے آدمی ہی میں پائے جاتے ہیں کسی معمولی آدمی کے پاس یہ اوصاف تو پھٹکتے بھی نہیں۔"

رخصت ہونے سے پہلے وہ سیدھا الجائی کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا "بس جانِ من! چند دن اور صبر کرو، سیواس پہنچتے ہی کوئی ایسا کارنامہ انجام دوں گا کہ اس کے صلے میں فیضی تمہیں فوراً میرے پاس روانہ کر دے گا، تم گھبرا مت!"

حسن تاباں سیواس چلا گیا اور فیضی اس جاہل اور بے ادب کی بیباکیوں کا ماتم کرنے لگا۔

تیمور بایزید کا خط پڑھ کر غضب ناک ہو گیا۔ اس نے ایک دو سطری خط یلدرم کو لکھا۔

"اگر بایزید چاہے تو ہمارے مفرور اور معتوب افراد کو ہمارے حوالے کر کے جنگ کی زحمت سے بچ سکتا ہے!"

بایزید نے جواب دیا "میں جنگ کے لئے تیار ہوں!"

تیمور نے تیزی سے جنگی تیاریاں مکمل کیں، اور شمال کے بجائے جنوب میں روانہ ہو گیا۔ اس نے شام، عراق اور مصر پر فوج کشی کی اور انہیں اپنے قدموں میں گرا لیا۔ اس نے دمشق کو تباہ کر کے آگ لگا دی، اور پھر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ بغداد کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ پہلے بغداد دارالسلام کہلاتا تھا۔ لیکن اس دن اسے دارِ جہنم کہا گیا۔ بغداد کا بے کس فرماں روا فراج کشتی میں بیٹھ کر فرار ہونے لگا۔ مگر تیموری سپاہ نے اسے تیروں کی زد میں لے لیا اور اس کی لاش دریا کے کنارے کھینچ لائے۔ بغداد میں قتلِ عام کا بازار گرم ہوا اور تقریباً نوے ہزار آدمیوں کے سروں سے ایک سو بیس

کلہ مینار (سروں کے مینار) تعمیر کیئے گئے۔ یہ تیموریوں کی فتح کے یادگاری نشان تھے۔

بایزید نے اسے جو شرمناک اور دھمکی آمیز جواب دیا تھا، یہ اس مہم کا آغاز تھا۔ تیمور کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ پہلے بایزید کے حمایتیوں کو ختم کیا جائے، اس کے بعد ترک فاتح پر فیصلہ کن ضرب لگائی جائے۔ ان چھوٹی بڑی قوتوں کو ختم کیئے بغیر ترک فاتح سے لڑنے کا یہ مطلب تھا کہ بغلی گھونسوں کو شرارت کرنے کا موقع دیا جائے۔ تیمور، شام، بغداد اور مصر کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد سمرقند واپس آیا اور انگورے پر حملہ آور ہونے کی تیاری کرنے لگا۔

تیمور تبریز ہوتا ہوا بایزید کے سرحدی شہر سیواس پہنچ گیا۔ سیواس کا قلعہ بایزید کے بیٹے ارطغرل کے ماتحت تھا۔ یہیں حسن تاباں بھی تھا۔ اس نے تیموری سپاہ کو محاصرہ کرتے جو دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ سیواس کے لوگ [illegible] کو نہیں بچا سکیں گے۔ اس نے اسی دوران ایک بڑے خیمے پر سفید جھنڈا لہراتے دیکھا۔ بایزید کا بیٹا ارطغرل یہ سمجھا کہ تیمور جنگ کے بجائے صلح کرنا چاہتا ہے اس نے حسن تاباں سے کہا "کیا تم ہمارے آدمیوں کے وفد کے ساتھ اپنے سابق امیر تیمور کے پاس صلح و مفاہمت کی بات چیت کرنے جا سکتے ہو؟"

حسن تاباں نے حیرت سے پوچھا "آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ تیمور صلح کا خواہش مند ہے؟"

شہزادے نے تیمور کے خیمے پر لہراتے ہوئے سفید جھنڈے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس نے اپنے خیمے پر صلح کا سفید پرچم لہرا رکھا ہے!"

حسن تاباں نے جواب دیا "شہزادے! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، تیمور صلح کیوں کرے گا، اس کے پاس بہت بڑی خونخوار فوج ہے، اس جھنڈے کا مطلب یہ ہے کہ اگر شہری باشندے چاہیں تو تیمور کی اطاعت کے نام پر تباہی سے بچ سکتے ہیں، آپ دیکھ لیجئے گا کل سفید کی جگہ سرخ پرچم لہرا دیا جائے گا اور پرسوں سرخ کی جگہ سیاہ جھنڈا لہرا رہا ہو گا!"

شہزادے نے پوچھا "سرخ اور سیاہ پرچموں کا کیا مطلب ہو گا؟"

حسن تاباں نے جواب دیا "سرخ کا یہ مطلب ہو گا کہ اگر شہری اب بھی اطاعت اختیار کر لیں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا لیکن ان کے سرداروں کو تہِ تیغ کر دیا جائے گا اور تیسرے دن سیاہ پرچم کے لہرائے جانے کا یہ مطلب ہو گا کہ

اب پورے شہر کو تیمور سے کفن دفن کے علاوہ کسی اچھے سلوک کی توقع رکھنی فضول بات ہے!"

شہزادے نے کہا: "ہمارے پاس چار ہزار سپاہی ہیں، ہمیں جنگ لڑنی چاہیے یا اطاعت اختیار کرلیں؟"

حسن تاباں نے جواب دیا: "جنگ جیتنا مشکل ہی نہیں ناممکن سی بات ہے صلح سے جان بچائی جاسکتی ہے لیکن افسوس کہ میں تیمور کے پاس نہیں جانا چاہتا!"

شہزادے نے پوچھا: "کیوں؟ کس لیے؟"

حسن تاباں نے جواب دیا: "میرے امیر تیمور سے سخت اختلافات ہیں!"

شہزادے نے عجیب نظروں سے حسن تاباں کو دیکھا اور نفرت سے کہا: "تمہارے امیر تیمور سے سخت اختلافات ہیں! کیا مطلب؟ تمہارا امیر تیمور سے کیا مقابلہ! تم اس کے ایک ادنا ملازم رہ چکے ہو لیکن بات اس طرح کرتے ہو گویا امیر تیمور اور تم مساوی سطح کے انسان ہو!"

حسن تاباں نے منہ بنا کر جواب دیا: "کبھی میں بھی یوزباشی ہوا کرتا تھا میرے ماتحت سو آدمی ہوتے تھے ——— میں نے بھی حکومت کی ہے، میں نے بھی حکم چلایا ہے، حکومت ایک سو پر کی جائے یا ایک لاکھ پر، بات ایک ہی ہوئی!"

شہزادے نے اس صاف گو مشیر کے دماغ میں کچھ خلل سا محسوس کیا، آہستہ سے بولا: "کچھ بھی ہو میں جنگ کروں گا۔ ہتھیار ڈال دینا اور وہ بھی بغیر جنگ کیے، شرمناک بات ہے!"

حسن تاباں نے کہا: "شہزادے! اگر آپ میرے مشورے پر عمل نہیں کریں گے تو پچھتائیں گے دوسرے یہ کہ میرے مشورے کو رد کر کے آپ میری خدمات سے محروم ہوجائیں گے اور میں کنارہ کشی اختیار کرلوں گا!"

شہزادے کو سخت غصہ آیا۔ اس نے اپنے محافظ دستے کو حکم دیا: "یہ شخص ہمیں غدار نظر آتا ہے اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک ہم اس کے سابق آقا تیمور سے نبرد آزما ہیں، اس کے بعد اس کے خلاف تحقیقات عمل میں آئے گی!"

حسن تاباں کو بری طرح مارپیٹ کر قید کردیا گیا، جب اسے قید خانے

میں ڈال کر دروازہ بند کیا جا رہا تھا تو حسن تاباں نے بآواز بلند چیخ کر کہا: "تم لوگ اپنے مخلص اور صائب الرائے مشیر کا مشورہ نہیں مانو گے تو تمہارا ابھی وہی حشر ہوگا جو اس سے پہلے خونخوار تیمور کے دوسرے مخالفین کا ہوتا رہا ہے!"

حسن تاباں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے لیکن ارطغرل نے دوسرے دن حسن تاباں کے بقول سرخ اور تیسرے دن سیاہ جھنڈا لہراتے دیکھا، فصیل کی بنیادوں میں تیموری سپاہ جھکی ہوئی کھدائی میں مصروف تھی شہزادے نے اپنے باپ کے پاس صورت حال کی تفصیلات کے ساتھ قاصد روانہ کر دیئے لیکن ابھی یہ قاصد راستے ہی میں ہوں گے کہ تیمور نے سیواس کے قلعے کی دیواریں زمین بوس کرادیں اور اپنے لشکر عظیم کے ساتھ شہر میں، داخل ہوگیا۔ شہزادے کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے، شہزادہ حسن تاباں کے پاس پہنچا اور اسے قید خانے سے نکالتے ہوئے کہا: "کیا تم اپنے سابق امیر سے ہمیں معافی دلوا سکتے ہو؟"

لیکن اگر شہزادہ غور سے حسن تاباں کی شکل دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ شہزادے سے زیادہ حسن تاباں خوفزدہ ہے، شہزادے کی بات اس طرح سنی تھی جیسے کسی نے اسے عالم خواب میں مخاطب کیا ہو، اس نے بدحواسی میں سوال کیا: "ابھی شہزادے نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"

شہزادے نے کہا: "ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے امیر سے ہمیں معافی دلوا دو!"

حسن تاباں نے جواب دیا: "ایسا ممکن تو ہے تم ہمیں امیر تیمور کے پاس لے چلو، یا تو وہ ہمیں معاف کر دے گا یا پھر قتل کرا دے گا!"

شہزادے کو پھر یہی محسوس ہوا کہ حسن تاباں کا دماغی توازن درست نہیں ہے اس نے کہا: "ظاہر ہے کہ یا تو وہ ہمیں معاف کر دے گا یا پھر قتل کرا دے گا!"

حسن تاباں نے پریشانی میں ادھر ادھر دیکھا تیموری سپاہی لوگوں کو رسیوں سے جکڑتے پھرتے چلے آ رہے تھے، اس نے شہزادے سے کہا: "ہو سکتا ہے تیمور تمہیں معاف کر دے کیونکہ تم ترک فاتح کے بیٹے ہو لیکن میں اپنے لیے کیا کروں؟ یہ خونخوار مجھے تو کسی طرح بھی معاف نہیں کرے گا۔"

شہزادے نے جواب دیا: "اسی سبب اور اسی رشتے سے وہ تمہیں بھی معاف کر سکتا ہے کہ کبھی تو حکمران رہ چکے ہو، حکومت سو آدمیوں پر کی جائے یا سو ہزار پر بات تو ایک ہی ہے!"

حسن تاباں نے غصے میں شہزادے کو گھورا، بولا: "اب میں تیری سفارش کر چکا، تیار ہو جا مرنے کے لیے، میرا مذاق اڑانے والا مفتوح میری سفارش کس طرح حاصل کر سکتا ہے!"

تیمور کو ترک شہزادے کی بطور خاص تلاش تھی، جب ترک شہزادہ تیمور کی خدمت میں پیش ہوا تو اس کے ساتھ ہی حسن تاباں کو بھی پیش کر دیا گیا۔ تیمور نے اسے حیرت سے دیکھا اور پوچھا "تو یہاں سیواس میں کیا کر رہا تھا؟"

حسن تاباں نے گڑگڑا کر جواب دیا "یہ ناچیز ترک شہزادے کو یہ مشورہ دے رہا تھا کہ ہمارے آقا سے مقابلہ بے سود ہے لیکن یہ نہیں مانا اور ہمارے آقا کے عتاب کا مستحق قرار پایا!"

شہزادے اور تیمور کی نظریں چار ہوئیں تو تیمور نے سوال کیا "تو ذرا سی فوج کے بل بوتے پر اس غلط فہمی کا شکار کیوں ہو گیا تھا کہ ہماری عظیم اور ناقابل شکست افواج سے لڑ سکے گا؟"

شہزادے نے ترک شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ بولا "صلح اور مفاہمت کا اختیار والد (بایزید) کو حاصل ہے۔ ہم ان کے نمائندے اور فرماں بردار ہونے کی حیثیت سے اس وقت تک جنگ کرنے پر مجبور ہیں جب تک اوپر سے کوئی خاص حکم نہیں آتا!"

تیمور نے سر کے خفیف اشارے سے خدمت گار کو حکم دیا "اسے بھی عام قیدیوں میں شامل کر دیا جائے"

حسن تاباں نے سفارش کی "شہزادہ ابھی نوجوان ہے حضور! اگر اس کی جان بخشی فرما دیں تو عین نوازش ہو گی!"

تیمور نے قہر کی نظروں سے حسن تاباں کو گھورا اور کرخت آواز میں کہا "کیا سانپ کو اس لئے معاف کر دیا جائے کہ وہ ابھی پورا سانپ نہیں بنا ہے۔ اور پھر تو۔ تو سفارش کرتا ہے جو خود بھی مجرم ہے، غدار، دھوکے باز، مکار، بیوقوف، کیا تجھے اس بات کا یقین ہے کہ تو سزا سے بچ جائے گا؟"

حسن تاباں خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔

تیمور نے جنگی مجرمین کے خلاف اپنا فیصلہ صادر کر دیا "ان سے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جائیں!"

قیدیوں کی رسیاں کھول دی گئیں اور وہ سب بڑے بڑے گڑھے کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ جب بہت سارے گڑھے کھد چکے تو تیمور کی محافظ سپاہ نے تیمور کو مطلع کیا کہ حکم کی تعمیل ہو چکی ہے!

تیمور اپنے خیمے سے چل کر ان قیدیوں کے درمیان پہنچا اور کھدے ہوئے گڑھوں کا معائنہ کیا جن گڑھوں میں کوئی عیب تھا اسے دور کرایا اور اس کے بعد جنگی مجرموں کو دیکھ کر مسکرایا۔ طنز سے بولا "تم تیموری عتاب سے آنکھیں ملانے کے لئے اس کے سامنے آئے تھے"

شہزادے نے احساسِ شکست خوردگی کے بوجھ تلے دبی ہوئی نظریں

لمحے بھر کے لئے تیمور کی طرف — اٹھائیں اور جواب دیا "جب دو فریق لڑتے ہیں تو ان میں سے ایک فاتح ہوتا ہے اور دوسرا مفتوح، قسمت کی بات ہے کہ تیمور فاتح ہے اور ہم مفتوح لیکن جنگ کا آخری فیصلہ ابھی کہاں ہوا ہے۔ اور کون جانتا ہے کہ آخری فتح کس کے مقدر میں لکھی ہے!"

تیمور نے اس جری شہزادے کو اچٹتی نظر سے دیکھا اور اشارے سے اپنے ایک سپاہی کو شہزادے کے قریب جانے کا حکم دیا۔ ادھر ادھر قیدیوں کی رسیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "شہزادے کے سر کو گھٹنوں کے بیچ سے گزار کر اس کے دونوں ہاتھ گدی پر رکھ کر باندھ دیئے جائیں!"

حکم کی نہایت بے دردی سے تعمیل کر دی گئی، شہزادہ گٹھری بن گیا۔ تیمور ایک ثانیے اسے دیکھتا رہا، ابھی کچھ کسر باقی تھی، دونوں ٹانگیں بندھی نہ ہونے کی وجہ سے پھیل گئی تھیں، تیمور نے دوسرا حکم دیا "دونوں ٹانگیں پنڈلیوں کو ملا کر باندھ دی جائیں!"

اس حکم کی بھی تعمیل کر دی گئی، اب شہزادہ زمین پر گیند کی طرح پڑا ہوا تھا۔

تیسرا حکم تھا "تمام قیدیوں کو اسی طرح باندھ دیا جائے!"

[illegible] سپاہی [illegible] ان [illegible] کو اس طرح [illegible] کر گیند کی طرح زمین پر ڈال دیا گیا۔

حسن تاباں [illegible] شہزادے [illegible] تھا۔ وہ سمجھا میرا بھی یہی حشر ہونے والا ہے، زار و قطار [illegible] لگا [illegible] تیمور ابھی [illegible] بہت [illegible] تھا۔ اس لئے وہ اس کی یہ کیفیت نہیں دیکھ سکا۔

تیمور کا چوتھا حکم تھا "[illegible] سپاہی [illegible] کھودے ہوئے گڑھوں میں [illegible] اور اس حکم کی تعمیل [illegible] خونخوار مشغلے کی طرح کی جائے!"

حکم ملتے ہی تاتاریوں کا خونخوار ریلا ان انسانی گیندوں پر ٹوٹ پڑا اور ٹھوکریں مار مار کر انہیں گڑھوں کی طرف لے چلا۔ مجبوروں کی کربناک چیخیں بلند ہوتی رہیں لیکن ان چیخوں سے زیادہ شور تاتاریوں کے قہقہوں کا تھا وہ اس سفاک کھیل کو پوری دلچسپی اور انہماک سے انجام کو پہنچا رہے تھے، جب سارے قیدی گڑھوں میں گرائے جا چکے تو تیمور نے پانچواں حکم نافذ کیا۔ "گڑھوں کو مٹی ڈال کر بند کر دیا جائے!"

بے شمار انسانوں کی کوششیں گڑھوں کو پاٹ دینے میں صرف ہونے لگیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا چار ہزار جنگی قیدیوں کے وجود سے پاک ہو چکی تھی اور زمین نے انہیں اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔

تیمور نے روتے ہوئے حسن تاباں کو اپنے خیمے میں طلب کیا اور اس سے پوچھا "کیا یہ صحیح ہے کہ تو نے ہمیں خونخوار کہا، اور یلدرم کی فوج میں ملازمت کر لی تھی؟"

حسن تاباں نے روتے ہوئے کہا "یہ ناچیز امیر کے ہتھے چڑھ گیا ہے اس لئے مجھے بہت بڑا مجرم گردانا جا رہا ہے حالانکہ فیضی اور اس جیسے ہزاروں تاتاری یلدرم کی فوج میں پہنچ چکے ہیں!"

تیمور نے کہا "وہ بھی مجرم ہیں انہیں بھی ان کی غداری اور بے وفائی کی سزا ملے گی!"

حسن تاباں نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "یہ ناچیز جب ترکوں کی سرحد میں دھکیل دیا گیا تو اسے ذریعہ معاش کے لئے کچھ تو کرنا ہی تھا!"

تیمور نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا "ذریعہ معاش کا مطلب یہ نہیں کہ ہمارے مقابل آنے والی فوج میں شامل ہو کر ہمارے مقابلے پر آ جاؤ، یہ تو سراسر نمک حرامی اور غداری ہے!"

حسن تاباں لاجواب ہو گیا لیکن کچھ سوچ کر فوراً ہی بولا "حضور والا! یہ آدمی کی فطرت ہے کہ یہ دوسروں کو جو کچھ کرتے دیکھتا ہے خود بھی وہی کرنے لگتا ہے، میں نے امیر کے بہت سارے آدمیوں کو جب بایزید کی فوج میں ملازمت کرتے دیکھا تو خود بھی ملازم ہو گیا!"

"ہونہہ!" تیمور سخت غصے میں تھا "اور وہ الجائی سے دست درازی اور فیضی پہ حملہ آور ہونے والا اقدام کس کی تقلید یا اتباع میں ہوا تھا؟"

حسن تاباں گڑگڑاتا ہوا تیمور کے قدموں میں گر گیا "حضور! میں ایک سب سے بڑے غلط جرم کا مرتکب ہوا ہوں اے شاہ، خدا کے لئے رحم کیجئے!"

تیمور نے حقارت سے اسے نظر انداز کر دیا لیکن حسن تاباں اتنی عقل ضرور رکھتا تھا کہ اگر تیمور کے خیمے سے جان کی امان کا وعدہ لئے بغیر چلا گیا تو پھر اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی موت سے نہ بچا سکے گی، اس نے تیمور کے پاؤں پکڑ لئے لیکن تیمور پیچھے ہٹ گیا۔ حسن تاباں نے روتے ہوئے کہا "اچھا اس وقت تک مجھے زندہ رکھا جائے جب تک کہ میرے ہی جیسے دوسرے مجرم بھی نہ پکڑ لئے جائیں، ان کے ساتھ مرنا زیادہ آسان ہو جائے گا!"

تیمور نے آنکھ کے اشارے سے معلوم نہیں کیا حکم دیا کہ دو سپاہی حسن تاباں کو زبردستی اٹھا لے گئے۔ چونکہ حسن تاباں تیمور کا حکم نہیں سن سکا تھا، اس لئے اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ سپاہی اسے قتل کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں یا محض قید کرنے کے

لئے سپاہیوں نے اسے قید کر دیا اور کہا "امیر نے تمہیں اس وقت تک زندہ رکھنے کا حکم دیا ہے جب تک تمہارے ساتھ کے دوسرے غدار بھی نہ پکڑ لئے جائیں!"

حسن تاباں نے اشکبار آنکھوں سے سپاہیوں کو گھورا اور پوچھا "کیوں بھائی! بہت سارے آدمیوں کے ساتھ مرنا زیادہ آسان ہوتا ہے یا تنہا مر جانا؟"

کسی سپاہی نے ہنس کر جواب دیا "شاید دونوں ہی طرح، ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے خود تو ان دونوں ہی طرح کی موت کا کوئی تجربہ نہیں!"

حسن تاباں نے ناراض ہو کر منہ بنایا اور آنسو پونچھتا ہوا بولا "ہنستے ہو! اگر میری جگہ تم ہوتے اور پھر ہنستے تو سمجھتا کہ بڑی ہمت کے آدمی ہو!"

سپاہی نے اسے ایک ٹھوکر رسید کی بولا "میں کیوں ہوتا تیری جگہ، تو غدار ہے، اور غداری سے خدا بچائے یہ جرم تو وہی کرتا ہے جس سے قضا کا فرشتہ یارانہ گانٹھ لیتا ہے!"

حسن تاباں تلملا کر رہ گیا اور خاموشی اختیار کی کیونکہ خوب جانتا تھا کہ اگر اس نے مزید زبان چلائی تو یہ سپاہی امیر کے حکم کے بغیر ہی پٹائی شروع کر دے گا۔

بیٹے کے عبرتناک انجام کی خبر سن کر بایزید اتنا مشتعل ہوا کہ ایک لاکھ بیس ہزار سپاہ کے ساتھ سیواس چل پڑا۔ تیمور کے جاسوسوں نے اسے بایزید کی پیش قدمی سے فوراً ہی مطلع کر دیا۔ تیمور اس کی آنے والی راہ سے واقف تھا۔ اس نے ایک نہایت شاطرانہ چال چلی دریا کے ایک کنارے سے بایزید آ رہا تھا۔ اور دوسرے کنارے سے دور دور تیمور اپنی فوج کے ساتھ انگورے کی طرف بڑھ رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سیواس تک بایزید کا اپنی فوج لے جانا اور پھر سیواس سے انگورے پہنچنا اس کی فوج کے لئے تھکا دینے والا عمل ثابت ہو گا اور اس حالت میں جب کہ بایزید کی فوج میں پیادوں کی کثرت تھی، تیمور کے ساتھ پانچ لاکھ سے زائد سپاہ تھی اور انہیں بیسیوں جنگوں کا تجربہ حاصل تھا۔

تیمور کی پانچ لاکھ سے زائد فوج نے سو میل کا فاصلہ تین دن میں طے کیا۔ اور انگورے کے میدان میں پہنچ گئے، یہاں بایزید کی سپاہ کے خیمے نصب تھے جنہیں ایک معمولی دستے کی نگرانی میں چھوڑ دیا گیا تھا، اور جو تیموری لشکر کو دیکھتے ہی راہِ فرار اختیار کر چکا تھا تیمور نے ان خیموں پر قبضہ کر لیا۔ بایزید کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تیمور درمیانی شہروں اور علاقوں کو چھوڑتا ہوا سیدھا انگورے پہنچ جائے گا اور چھوٹی چھوٹی جنگوں اور جھڑپوں کے بجائے ایک ہی فیصلہ کن جنگ لڑنے کو ترجیح دے گا۔

بایزید کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ تیمور اس کے شہر کا محاصرہ کر چکا ہے تو وہ فوراً ہی

واپس ہوا، اور جب انگورے کے قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر اسے افسوس ہوا کہ تاتاری اس کے معسکر پر قابض ہو چکے ہیں، بایزید تیمور سے بارہ میل دور تھا، پہلے تیمور یہ چاہتا تھا کہ بایزید کی پہنچ تک انگورے پر قبضہ کر لیا جائے لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بایزید اس سے بارہ میل کی دوری پر ہے تو اس نے شہر کی طرف سے توجہ ہٹائی اور بایزید کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔

تیمور نے بایزید کی فوج کو دریا کے پانی سے محروم کر دینے کی غرض سے اس کا رخ موڑ دیا۔ ترکوں کے لئے اب ایک چشمہ رہ گیا تھا جس کا پانی وہ استعمال کر سکتے تھے لیکن تیمور نے اس میں غلاظت کا انبار لگا دیا اور اس لائق نہ رکھا کہ بایزید کی فوج اس کا پانی استعمال کر سکتی۔ بایزید کو پہلی بار تیمور کی خطرناک اور چالاک شخصیت کا کچھ کچھ اندازہ ہوا۔

بایزید کے سامنے جنگ چھیڑنے کے علاوہ کوئی صورت بھی نہ رہ گئی تھی کیونکہ تاخیر سے سپاہیوں اور گھوڑوں کے پیاس سے مر جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ تیمور خوش تھا کہ اس نے ترک فاتح کو تزویرات اور تدبیر کی جنگ میں مات دے دی تھی۔

پریشان بایزید سے فیفی نے ایک پریشان کن ملاقات کی اور اسے بتایا کہ ترک سپاہ میں کچھ ایسے آدمی بھی موجود ہیں جو تیمور کی حمایت میں کام کر رہے ہیں جو تاتاری صفوں کو بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تیمور اسلامی دنیا کا مجدد ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک کاغذ نکال کر بایزید کے سامنے رکھ دیا، اس میں لکھا تھا:-

"مسلمانو! ہر سو سال بعد ایک مجدد پیدا ہوتا ہے جو دین کو نئی زندگی بخشتا ہے۔ امیر تیمور اس صدی کا مجدد ہے۔ علمائے کرام اور صلحائے عظام دعا گو ہیں کہ خدا تیمور کی مدد کرے اور اس سے دین محمدی کو قوت و استقامت عطا فرمائے اور اس کے ہاتھوں اسے تباہ و برباد کرے جو دین محمدی کو پریشان کرنے کی کوشش کرے!"

عبارت کے آخر میں بڑے بڑے علما اور صلحا کے دستخط تھے۔

بایزید نے پوچھا "یہ کس کے پاس سے نکلا ہے؟"

فیفی نے جواب دیا "اس شخص کو قید کر دیا گیا ہے اور اسی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ خود اور اس جیسے بہت سے سپاہی علمائے کرام کے اس فتوے پر ایمان رکھتے ہیں اور ہماری فوج میں تشہیر اور تبلیغ کر رہے ہیں!"

بایزید نے فکرمندی سے فیفی کو دیکھا اور کہا "جن لوگوں کا یہ کام ہے تمہیں ان سے واقف ہونا چاہئے کیونکہ یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو وفاداریاں تبدیل کر کے تیمور کے ساتھ ہماری فوج میں آ گئے ہیں"

فیفی نے جواب دیا "حضور کا قیاس درست ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ ہم سے بچ کر بھاگ نہیں سکتے۔ ہم انہیں کیفر کردار کو پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے!"

بایزید نے حکماً کہا "اس وقت تک تم خود بھی کہیں نہیں جا سکتے، جب تک میں کوئی نیا حکم نہ دوں" اس کے بعد اس نے اپنی محافظ سپاہ کے ایک افسر کو حکم دیا "اس کو اس کے ساتھیوں سمیت فیصلہ جنگ تک حراست میں رکھا جائے!"

حکم کی تعمیل ہوئی اور فیفی حراست میں لے لیا گیا۔

دوسری طرف تیمور فوج کی ترتیب قائم کر رہا تھا۔ بڑھاپے میں اس نے زرہ پہننی ترک کر دی تھی لیکن ترکوں کے مقابلے میں اس نے زرہ بھی پہن لی تھی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کا جائزہ لیتا رہا۔ تیمور نے اپنی فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ جب تک ترکوں کی طرف سے جنگ میں پہل نہ ہو، خود پہل نہ کریں، پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہوئے ترک جنگ کے لئے بے تاب تھے، انہوں نے طبل و نقارے اور شہنائی کی آوازوں کے ساتھ ہی پیش قدمی شروع کر دی لیکن تیموری سپاہ خاموش کھڑی ان کا انتظار کرتی رہی۔ تیمور اپنی سوار فوج کے پیچھے ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور وہاں گھوڑے سے اتر کر پیادوں کے بیچ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے گرد و پیش صرف چالیس سوار تھے۔

جنگ کا آغاز بایزید کے لڑکے سلیمان نے تاتاریوں کے داہنے بازو پر حملے کی صورت میں کر دیا۔ اسی وقت مشینی انداز میں تاتاریوں کی طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور شعلہ بار مادے نے ترکوں کو جھلسانا شروع کر دیا۔ اگلی صفوں کے سپاہی کٹے ہوئے درختوں کی طرح زمین پر بچھ گئے اور پچھلی صفوں کی سپاہ انہیں روندتا آگے بڑھی [illegible] نقاروں نے نقارے کا شور، سپہ داروں اور فوجی افسروں کی شاباش مردانہ [illegible] شاباش کی آوازیں گونجنے لگیں۔

یہ جنگ پھیلتے پھیلتے ہر محاذ تک پہنچ گئی، تیموری سپاہ نے ترکوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا اور بہت جلد انہیں پسپا کر کے پیچھے دھکیلنے لگے۔ جب جنگ اپنے عروج پر پہنچ گئی تو بایزید اپنی ینی چری کے ساتھ آگے بڑھا اور برق خاطف بن کر ٹوٹ پڑا۔ بایزید کی ینی چری بہادری میں اپنا کوئی جواب نہ رکھتی تھی۔ یہ ینی چری (نئی فوج) بایزید کی فوج کی سرکشی کو دبانے کے لئے مفتوح قوموں کے لڑکوں سے تیار کی گئی تھی۔ انہیں مفتوح حکومتیں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں خراج کی طرح بھیجتی تھیں۔ یہ نوعمر لڑکے ہوتے تھے انہیں فوجی تربیت دے کر بادشاہ کا خاص محافظ دستہ بنا دیا گیا تھا۔

چونکہ ان کا کوئی خاندان نہ ہوتا تھا اس لئے یہ مارنا اور مر جانا ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ بایزید کو اپنی ینی چری پر بڑا ناز تھا۔ اس جنگ میں بایزید کا داہنا بازو زخمی ہو گیا وہ ایک پہاڑی پر ینی چری کے درمیان کلہاڑی پکڑے کھڑا تھا اور اپنے جوانوں کو لڑا رہا تھا لیکن قسمت اور اقبال مندی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اس کے آس پاس ایک ہزار ینی چری باقی رہ گئے تھے اور تاتاری اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے، اسی عالم میں اسے خبر ملی کہ اس کی فوج کے تاتاری سپاہی اس کا ساتھ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

شام قریب تھی اور جنگ کا انجام اس کے سامنے تھا، اس کے وفاداروں نے اسے کئی بار مشورہ دیا کہ وہ فرار ہو جائے لیکن اس کی غیرت اور شجاعت اس کے پیر پکڑے ہوئے تھی پھر جب وہ بالکل نا امید ہو گیا تو اس نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور اس پر سوار ہو کر اپنے محافظوں کے دستے کی معیت میں تاتاریوں کو چیر کر نکل جانا چاہا تاتاریوں نے ان کا مقابلہ کیا اور بایزید کے ساتھیوں کو تیر و تلوار کی زد میں لے کر ایک ایک کر کے گرا دیا اور آخر میں بایزید کے گھوڑے کو بھی زخمی کر کے گرا دیا۔ بایزید ابھی سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ تاتاریوں نے اسے گھیر کر رسیوں سے جکڑ دیا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو حسن تاباں ایک ایسے خیمے سے اس کا مشاہدہ کرنے لگا جہاں اس کا کوئی نگراں تک نہ تھا حسن تاباں نے خیمے سے باہر جھانک کر دیکھا ان کوئی نہ تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کے نگراں کہاں گئے پھر اسے شک گزرا کہ شاید جنگ کا پانسہ بایزید کے حق میں پلٹ چکا ہے اور تیمور کا ایک ایک سپاہی میدان جنگ میں نبرد آزما ہے اس نے سوچا موقع غنیمت ہے چپ چاپ فرار ہو جانا چاہئے کیونکہ اگر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو سزائے موت یقینی ہے وہ خاموشی سے باہر نکلا اور خیموں کی آڑ سے گزرتا ہوا اس سمت بڑھا جدھر جنگ نہیں ہو رہی تھی۔ خیموں کی حدود سے ذرا آگے ایک خالی گھوڑا میدان جنگ سے آتا دکھائی دیا۔ اس کا سوار غالباً کام آ چکا تھا اس نے پھرتی سے بڑھ کر اسے روک لیا اور اچک کر سوار ہو گیا، اب اس کا حوصلہ بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نسبتاً سنسان پہاڑی راستے پر ہو گیا۔ ابھی اس نے تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے، یہ دیکھ کر ایک [illegible] ف ہو رہا اور ایک چٹان کی آڑ میں کھڑے ہو کر سواروں کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ چٹان چھوٹی تھی اس کا سر چٹان کے اوپر نکلا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا

اس کا خیال تھا کہ تیز رفتار سوار اسے دیکھے بغیر گزر جائیں گے لیکن ان سواروں میں سے کسی ایک نے حسن تاباں کو دیکھ لیا اور شور کر دیا دوسرے سوار بھی اس طرف متوجہ ہو گئے اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ حسن تاباں نے ان سینکڑوں سواروں میں فیضی کو پہچان لیا اور جو ڈر دل میں بیٹھا ہوا تھا کم ہو گیا۔ وہ چٹان کی آڑ سے باہر نکلا اور فیضی کی طرف بڑھتا ہوا بولا "بہت اچھا ہوا جو تم مل گئے۔ میں بڑی مشکلوں سے امیر کی گرفت سے نکلا ہوں، میرا خیال ہے تم بھی کسی طرف فرار ہو رہے ہو!"

فیضی نے پوچھا "یہ تم تھے کہاں؟ سیواس کے بعد تو تمہارا پتہ ہی نہ چلا، میں تو یہ سمجھا تھا کہ ترکی سپاہ کے ساتھ تم بھی ہلاک کر دیئے گئے!"

حسن تاباں نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا "یہ جگہ بالتفصیل بات کرنے کی نہیں ہے یہاں سے نکل چلو پھر باتیں کروں گا!"

فیضی نے اسے اپنے آدمیوں کے گھیرے میں لے لیا اور کہا "تم ہمارے ساتھ چلو!"

حسن تاباں نے دیکھا ان سواروں کا رخ تیمور کے عسکر کی جانب تھا وہ چاہتا تو بھاگ نکلنے کی کوشش ضرور کرتا لیکن وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ فیضی خود بھی غداری اور بے وفائی کا مجرم ہے وہ خود کس طرح تیمور کے لشکر میں جانے کی غلطی کر سکتا تھا، وہ فیضی کے ساتھ ہو لیا اور یہ سب تیمور کے معسکر میں داخل ہو گئے۔ مغرب کا وقت تھا جب کہ بایزید پابجولاں تیمور کے خیمے کی جانب لے جایا جا رہا تھا فیضی اپنے آدمیوں کے ساتھ بایزید کے قریب سے گزرا۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں تو فیضی مسکرانے لگا۔ بایزید نے فیضی کی طرف تھوک دیا اور غصے میں کہا "دغا باز، فریبی!"

فیضی نے کوئی جواب نہ دیا۔

جس وقت یہ لوگ تیمور کے خیمے پر پہنچے، وہ اپنے بیٹے کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مشغول تھا، جب اسے یہ اطلاع ملی کہ بایزید خیمے کے در پر حاضری دینے کی اجازت کا منتظر ہے تو تیمور نے کھیل چھوڑ دیا اور مفتوح بادشاہ کی پیشوائی کو آگے بڑھا اور ہنس کر اس کا استقبال کیا۔

بایزید شکست کھانے کے باوجود شاہانہ جاہ و جلال سے آگے بڑھا اور شکوہ [illegible] کے ملے جلے انداز میں تیمور سے کہا "فتح و شکست خدا کی طرف سے ہے تمہیں ہم پر ہنسنا نہیں چاہیئے!"

تیمور نے جواب دیا "ہم تیری شکست یا اپنی فتح مندی پر نہیں ہنس رہے

بلکہ یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر تو فاتح ہوتا اور میں مفتوح تو میرا کیا حشر ہوتا!"

بایزید کوئی جواب نہ دے سکا۔

تیمور نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "بُروسہ سے سلطان کا خزانہ، کنیزیں اور سُلطان کا شاہی لباس لایا جائے!"

اس کے جرنیل اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں بُروسہ (ترکوں کا دارالسلطنت) روانہ ہو گئے۔

بایزید نے فیضی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تاتاری فاتح! ہم دونوں کی جنگ دو بہادروں کی جنگ ہرگز نہ تھی، اس میں تم نے ہم پر عیاری اور دغابازی سے فتح حاصل کی ہے!"

تیمور نے جواب دیا "بایزید! تم اپنی شجاعت کے نشے میں یہ بھول گئے تھے کہ فیصلہ کُن فتح حاصل کرنے کے لیے خفیہ معاملات، شمشیر زنی جو نا کافی نہیں ہے، اس میں اعلانیہ اور خیانت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے!"

اس کے بعد تیمور نے فیضی کو حکم دیا "تم اپنے خیموں میں واپس جاؤ، جب طلب کروں آنا!"

فیضی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اسے تعجب ہوا کہ امیر تیمور نے اسے دیکھ کر کوئی توجہ نہ دی اور فیضی کو ہدایات دیتا رہا!

رات گہری ہو چکی تھی۔ بُروسہ سے بادشاہ کا شاہی لباس لے آیا گیا۔ بوڑھے تاتاری نے بایزید کو حکم دیا "شاہی لباس زیب تن کیا جائے!"

حالات کے ہاتھوں بے بس اور مجبور بایزید نے حکم کی تعمیل کی، اور شاہی لباس زیب تن کیا، جڑاؤ عمامہ سر پر رکھنے کے بعد سنہری گرز ہاتھ میں لے لیا۔ تیمور نے بایزید کے لیے وہی مشروبات طلب کیے جس کا وہ عادی تھا اس کے بعد تیمور نے حکم دیا "فتح کی خوشی اور مفتوح بادشاہ کی آمد کے اعزاز میں جشن برپا کیا جائے!"

جشن کا انتظام کیا گیا۔ بایزید کی تمام کنیزیں گرفتار ہو کر تیمور کے خیمے میں لائی جا چکی تھیں، جن میں بایزید بھی شامل کر دیا گیا۔ تیمور نے پوچھا "تو اپنی کس بیوی کو بہت زیادہ چاہتا ہے!"

بایزید نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیمور کا جذبۂ انتقام پورے شباب پر تھا لیکن وہ اس کے عامیانہ مظاہرے سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کے خیمے کے بڑے ہال میں جشن برپا ہوا۔ بڑے بڑے اُمرا اور رؤسا بے شمار اس جشن میں شریک ہوئے، تیمور نے بایزید کو اپنے قریب بٹھایا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا "سُلطان کی کنیزوں سے معلوم کرو۔ بادشاہ کی سب سے چہیتی بیوی کون ہے؟"

تھوڑی دیر بعد جواب آ گیا "ڈسپینا سرویا کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی ہے!"

تیمور نے حکم دیا "فاتحین کے شانہ میں جام بکف برہنہ رقص شروع کیا جائے!"

ایسا معلوم ہوا جیسے یہ سب کچھ پہلے ہی سے طے کیا جا چکا تھا! تیمور کے حکم کے ساتھ ہی بایزید کی کنیزیں اور بیویاں برہنہ کر دی گئیں، اور انہیں ناچنے کا حکم دیا گیا۔ تیمور کا ہال لوبان اور دوسری خوشبویات کے دھوئیں میں عجیب پُراسرار منظر پیش کر رہا تھا۔ ہلکی روشنی میں بوڑھا تیمور اپنے جرنیلوں کے ساتھ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھا ترک بیگمات کے برہنہ رقص سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہ مجبور اور بے بس خواتین خوشبویات کے دھوئیں میں یوں تھرک رہی تھیں، جیسے یہ کوئی مادی دنیا کے علاوہ ماورائی مقام ہو۔

تیمور کے جرنیل اور دوسرے اُمرا بایزید پر نظریں جمائے اس کی نفسی کیفیات کا اندازہ لگانے میں منہمک تھے۔ تیمور کی ساری کوششیں یہ بتا رہی تھیں کہ وہ بایزید کو اس کے ناشائستہ اور تکلیف دہ خطوط کی یاد دلانے میں کوشاں ہے۔ بایزید غصّے سے پاگل ہوا جا رہا تھا چونکہ وہ اس کے اظہار پر قادر نہ تھا اس لئے اسے پی جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

بایزید شاہی گرز پکڑے بیٹھا تھا تیمور نے اس سے پوچھا "کیا یہ رقص تمہیں پسند آیا؟"

بایزید کوئی جواب نہ دے سکا، تیمور نے اسے پھر مخاطب کیا، بولا "ہم اپنے معزز مہمان کو خوش کرنا چاہتے ہیں، سُلطان ہمیں بتائے کہ وہ اور کیا دیکھنا پسند کرے گا!"

بایزید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن تاتاری محافظوں نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔

تیمور یہ سب کچھ لاپروائی اور بے نیازی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے برہنہ خواتین کو حکم دیا۔

"محبت کے گیت گائے جائیں!"

انہوں نے دل کش دھنوں میں محبت کے ترکی گیت شروع کر دیئے۔ بایزید ابھی تک تو برداشت کرتا چلا آ رہا تھا لیکن یہ گیت اس کے لئے ناقابل برداشت تھے، وہ محافظوں کی پروا کئے بغیر جھٹکا دے کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے ہٹ کر ایک طرف جانے لگا۔ محافظوں

نے روکنے کی کوشش کی لیکن تیمور نے ہاتھ کے اشارے سے اجازت عطا کر دی کہ ترک سلطان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے دو محافظ اُٹھے اور انہوں نے بایزید کے بازو تھام لئے اور آہستہ آہستہ اس محفل رقص و سرود سے باہر نکال لے گئے خیمے کے دوسرے حصے تک پہنچتے پہنچتے بایزید کا سر ایک طرف ڈھلک گیا وہ ناقابل برداشت صدموں کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بایزید کی چہیتی بیوی ڈیسپینا بھی چند تاتاریوں کے ساتھ وہیں پہنچ گئی۔ تاتاری سپاہیوں نے بے ہوش بایزید کو تیمور کے اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ امیر ترک سلطان کی چہیتی بیوی اسے واپس کر رہا ہے، حالانکہ خود بایزید نے امیر کو کوئی اور ہی دھمکی دی تھی!

فتح کی یادگار میں سروں کے مینار تعمیر کئے جا رہے تھے ایک مینارے کی تعمیر کے دوران کچھ سر کم پڑ گئے تو تیمور نے ترکوں کی تلاش میں ادھر ادھر سپاہی روانہ کر دیئے جو شکاری کتوں کی طرح بو سونگھتے ہوئے ترکوں کو تلاش کرنے لگے، بالآخر جب وہ مل گئے تو ان کے سروں سے مینار کی تعمیر تکمیل کو پہنچائی گئی۔

اب تیمور ان آدمیوں کی طرف متوجہ ہوا جو یا تو اس سے انعام واکرام حاصل کرنے کے مستحق قرار پائے تھے، اور یا وہ لوگ تھے جنہیں کسی جرم کی سزا بھگتنا تھی، ان میں حسن تاباں بھی شامل تھا۔ تیمور کے خیمے کے باہر ان کا اجتماع تھا، اور وہ ہر ایک کو باری باری طلب کر رہا تھا۔ جب یہ لوگ اندر سے نکلتے تو ان میں بعض تو خوش و خرم نکلتے اور بعض کا منہ لٹکا ہوتا۔ باہر جو لوگ کھڑے تھے ان میں حسن تاباں کے ساتھ ہی فیضی بھی تھا۔

حسن تاباں نے فیضی سے پوچھا "کیا خیال ہے، امیر ہمیں کس قسم کی سزا دے گا؟"

فیضی نے جواب دیا "میں کیا بتا سکتا ہوں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ وہ غداروں کو معاف نہیں کرتا، امیر وفاداریاں تبدیل کر دینے والوں کے حق میں موت کی تلوار ہے!"

حسن تاباں نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "پھر کوئی پروا نہیں کیونکہ اگر میں غدار ہوں تو تم بھی غدار ہو اور تمہارے تمام ساتھی غدار ہیں سبھی ایک یکساں سزا بھگتیں گے!"

فیضی نے کوئی جواب نہ دیا تو حسن تاباں نے چڑ کر کہا "میں تو پہلے ہی

تم سے یہ کہتا تھا کہ موقع ملا ہے تو کہیں بھاگ چلو لیکن تم خود مصیبت میں گرفتار ہوئے اور اپنے ساتھ مجھے بھی واپس لے آئے، اب اذیت ناک موت کے لئے تیار ہو جاؤ!"

اسی وقت فیضی کو طلب کر لیا گیا اور فیضی کے فوراً بعد حسن تاباں کا نمبر آ گیا۔ حسن تاباں کی پنڈلیاں سنسنا رہی تھیں، ان کا دم کھنچ چکا تھا۔ اور اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ حسن تاباں نے دیکھا اندر تیمور کے پاس ایک ترک بھی موجود ہے، تیمور کے آس پاس اس کے چند امرا تھے۔

تیمور نے فیضی سے کہا "تمہاری خدمات اس لائق ہیں کہ تمہیں بیطر (ہیرو) کا خطاب عطا کیا جائے، آج سے تم عقل و تدبیر کے بیطر ہوا" اس کے بعد اجنبی ترک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "فیضی! کیا تم اس بزرگ ترک سے واقف ہو؟"

فیضی نے نفی میں گردن ہلا دی، تیمور نے مسکرا کر جواب دیا "یہ آق شہر (سفید شہر) کا خواجہ نصر الدین ہے، وہی نصر الدین جس کی تمسخر اور مزاح میں لپٹی ہوئی عقل و دانش کی باتیں دور دور شہرہ حاصل کر چکی ہیں، ہمارے آدمی اسے بھی پکڑ لائے تھے لیکن ہم اسے کوئی سزا نہیں دیں گے کیونکہ اس کی باتوں نے ہمیں بہت لطف اندوز کیا ہے!" اس کے بعد خواجہ سے کہا "ہم تم سے کوئی تازہ لیکن نادر واقعہ سننا چاہتے ہیں!"

خواجہ نصر الدین نے مسکینوں جیسا منہ بنا کر عرض کیا "جب اس ناچیز نے سنا کہ حضور والا ترکی تشریف لا رہے ہیں تو حقیر نے کفایت شعاری اختیار کر لی کیونکہ میں حضور والا کو نذرانے میں کچھ پیش کرنا چاہتا تھا، اور نذرانے کے لئے رقم پس انداز کر رہا تھا۔ میرے پاس ایک گدھا تھا۔ ایک دن میرے ذہن میں یہ بات آئی میں گدھے کی خوراک بتدریج کم کرتا چلا جاؤں تو ایک دن ضرور ایسا آ جائے گا میں اسے کچھ کھلائے پلائے بغیر زندہ رہنے کا عادی بنا دوں گا۔ چنانچہ میں ایک ماہ سے یہ تجربہ کر رہا تھا۔ پرسوں تجربے کا آخری دن تھا لیکن آج گدھا چل بسا!" پھر منہ بسور کر بولا "بس ذرا افسوس اس بات کا ہے کہ جب ذرا بچت کا وقت آیا تھا تو گدھا جواب دے گیا!"

حاضرین کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، خود تیمور بھی ہنس دیا" اس کے بعد حسن تاباں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا "ہمارے پاس بھی ایک گدھا ہے، ہم اس پر بھی یہی تجربہ کرنے والے ہیں اور ممکن ہے کہ ہم اس تجربے میں کامیاب ہو جائیں!"

حسن تاباں سمجھ گیا کہ امیر اسے بھوکا پیاسا رکھ کر مار دینا چاہتا ہے بے اختیار رونے لگا گڑگڑا کر بولا "حضور والا! یہ میری کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ میرا ایک ساتھی تو انعام و اکرام اور ربیط کے خطاب سے نوازا جائے اور مجھے بھوکا پیاسا رکھ کر ہلاک کر دینے کی سزا دی جائے!"

تیمور نے جواب دیا "احمق انسان! فیضی تو اعلا منصوبے پر کام کر رہا تھا تجھے بھی اسی کام پر مامور کیا گیا تھا لیکن کم عقلی نے تجھے کچھ سمجھنے ہی نہ دیا اور تو نے غیر ضروری عقلمندی کے وہ وہ کرشمے دکھلائے کہ اگر فیضی ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو، تو نے ہمارا سارا منصوبہ ہی خاک میں ملا دیا ہوتا!"

حسن تاباں کے پاس اب کوئی جواب نہ تھا۔

تیمور نے کرخت آواز میں پوچھا "کیا یہ غلط ہے کہ تو ترک فوج میں شامل ہو کر ہم سے جنگ آزما ہونے والا تھا؟"

انکار کی ہمت نہ تھی، اثبات میں گردن ہلا دی۔

تیمور نے پھر کہا "کیا یہ غلط ہے کہ تو سیواس میں دشمن کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل تھا!"

اس نے پھر تائید میں گردن ہلا دی۔

تیمور پھر گرجا "کیا یہ بھی غلط ہے کہ اگر تجھے موقع مل جاتا تو، تو بایزید کی فوج میں شامل ہو کر ہم سے جنگ کرنے آجاتا؟"

اس نے ایک بار پھر 'ہاں' میں گردن ہلا دی۔

"اور پھر" تیمور کہہ رہا تھا "تو نے الجائی خانم سے دست درازی کی اور فیضی کو قتل کر دینا چاہا! کیا یہ معمولی جرم ہیں؟"

حسن تاباں نے جب یہ سمجھ لیا کہ اب وہ سزا سے کسی طور بھی نہ بچ سکے گا تو، ذرا جرأت سے کام لیا، کہنے لگا "اس ناچیز نے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ اس نے عقلمندوں و بہادروں سے یہ سن رکھا تھا کہ حوصلہ مندی اور بے باکی کے بغیر کوئی شخص بڑا آدمی نہیں بن سکتا، ہاں اس کا اس حقیر کو اعتراف ہے کہ بڑا آدمی بننے کی کوششوں میں اس سے چند غلطیاں بھی سرزد ہو گئی ہیں!"

اس کے جواب سے لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ کی شادابی دوڑ گئی خود تیمور بھی ہنسی نہ روک سکا، ہنسی کو چھپاتا ہوا بولا "اور کچھ یا بس؟ تجھے اپنی صفائی

کچھ اور تو نہیں کہنا؟"

حسن تاباں کی فطری بے باکی عود کر آئی۔ اس کا چہرہ کسی اندرونی خوشی سے دمکنے لگا جیسے کوئی زبردست نکتہ ہاتھ آگیا ہو، کہنے لگا "یہ ناچیز بس ایک بات اور کہے گا اس کے بعد امیر کو اختیار ہو گا کہ چاہیں تو معاف کر دیں اور نہ چاہیں تو سزا دے دیں!"

تیمور نے اجازت دی "عرض کیا جائے!"

حسن تاباں نے جواب دیا "حضور والا! اگر یہ ناچیز اس بات کا دعوا کرے کہ امیر کو ترک بادشاہ پر فتح اس حقیر کے طفیل حاصل ہوئی ہے تو بے جا نہ ہو گا!"

حاضرین اس کے اس دعوے پر حیران رہ گئے، اور تیمور ششدر سا اس کی صورت دیکھنے لگا، پوچھا "وہ کس طرح؟"

حسن تاباں نے جواب دیا "ادھر کچھ عرصے سے یہ ناچیز ایسا محسوس کر رہا ہے کہ جس فوج میں یہ شامل ہو گا۔ اس کی شکست یقینی ہو جائے گی، اگر میں خدانخواستہ امیر کی فوج میں ہوتا تو معلوم نہیں جنگ کا کیا نتیجہ نکلتا یہ تو ایک طرح سے اچھا ہی ہوا کہ میں ترک فوج میں شامل ہو گیا اور میری شمولیت کی وجہ سے ترک فوج امیر سے شکست کھا گئی!"

حاضرین ہنسنا چاہتے تھے لیکن تیمور کی پُر رعب شخصیت انہیں سنجیدہ رکھے ہوئے تھی، تیمور کو اس عجیب و غریب فتح و شکست کی تاویل پر واقعی ہنسی آگئی۔ اس نے خواجہ نصر الدین سے کہا۔

"خواجہ! اگر ہمیں خدا نے یہ احمق نہ عطا کیا ہوتا تو ہم تمہیں اپنے ساتھ سمرقند ضرور لے جاتے!"

خواجہ نے افسوس سے کہا "کیا امیر نے اس خاکسار کو احمقوں میں شمار کیا ہے؟ حالانکہ میں اپنی پوری زندگی میں کسی حماقت کا مرتکب نہیں ہوا، ہاں سوائے ایک حماقت کے وہ ایک حماقت یہ ہے کہ میں احمقوں کے درمیان پیدا ہو گیا!"

تیمور نے حسن تاباں کو حکم دیا "اگر ہماری فتح و شکست کا انحصار تیری موجودگی اور عدم موجودگی ہی پر ہے تو، تو اسی وقت ہماری فوج سے نکل جا اور دوبارہ اپنی منحوس صورت مت دکھانا!"

حسن تاباں دیوانہ وار خیمے سے باہر نکلا اور ایک جگہ کھڑے ہو کر فیضی کی

واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب فیضی واپس آیا تو اس سے کچھ زادِ راہ اور ایک گھوڑا طلب کیا۔ فیضی اسے اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے کے دوسرے حصّے میں الجبائی کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ کچھ دیر رک کر اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح آخری بار الجبائی کی زمزمہ بار آواز سُن لے لیکن اس کی کھانسی یا کھنکار تک سے محروم رہا۔ اسے یہ معلوم ہی ہو چکا تھا کہ تیمور نے فیضی کو عقل و دانش کے بیطر کا خطاب عطا کیا ہے اور یہ وہ خطاب تھا جس کا وہ خود ایک عرصے سے متمنّی تھا۔ اسے اپنی محرومی کا سخت مَلال تھا حالانکہ بیطر تو وہ خود بھی تھا لیکن بلانوشی اور گستاخی کا اور شاید حماقت مآبی کا بھی۔

اس نے رخصت ہوتے ہوئے اتنی بلند آواز میں کہ وہ الجبائی کے کانوں تک بھی پہنچ جائے فیضی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اے عقل و دانش کے بیطر! بلانوشی اور بے باکی کا بیطر تمہیں الوداع کہہ رہا ہے۔ خدا تمہیں خوش رکھے اور تمہارے ساتھ ہی اس کو بھی جس کی میں آخری بار آواز تک نہ سُن سکا!"

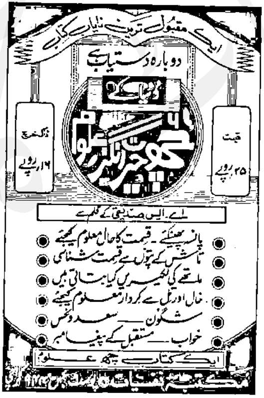

مالوے کی روپ متی اور باز بہادر کی داستانِ حسن و عشق۔ روپ متی رقص کرتی تو باز بہادر کے جذبات اور احساسات ایک آگ سی لگ جاتی۔ باز بہادر حکمران تھا۔ اس نے اپنی محبوب روپ متی کے لئے سب کچھ کیا مگر اپنی قسمت سے ہار گیا۔ سوز و ساز، ہجر و وصال کی کیف آگیں حکایت۔

جب سوری خاندان نفاق اور انتشار کا شکار ہو گیا اور حکومت کے کئی دعوے دار بیک وقت سر اٹھانے لگے تو دارالحکومت کے دور دراز علاقوں کے صوبے دار بھی خود مختار بن بیٹھے۔ ان دنوں وسط ہند کے مالوے پر شیر شاہ سوری کا قریبی عزیز شجاع خاں حکومت کر رہا تھا۔ شجاع خاں کو مالوے کی حکومت شیر شاہ سوری نے اس کی جانبازی اور خدمتگزاری کے صلے میں عطا کی تھی۔ شجاع خاں بھی زندگی بھر سوری حکمرانوں کا وفادار رہا۔ شجاع خاں نے مرنے سے پہلے مالوے کی حکومت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی۔ دو بیٹوں میں سے ایک کا نام دولت خاں تھا اور دوسرے کا بایزید خاں۔ شجاع خاں کی موت کے بعد بایزید خاں نے اپنے بھائی دولت خاں کو قتل کر کے پورے مالوے پر قبضہ کر لیا۔ اور باز بہادر کا نام اختیار کر کے حکومت کرنے لگا۔ جہاں باز بہادر نے شجاعت و جانبازی میں خاصی شہرت حاصل کی، وہیں اس نے رقص و موسیقی میں بھی اچھا نام پیدا کیا۔ موسیقی کا فن اس نے شیر شاہ سوری کے بھتیجے عدلی شاہ سے حاصل کیا تھا۔ عدلی شاہ سوری فرماں رواؤں میں آخری سے پہلا حکمراں تھا اور یہ فن موسیقی کا اتنا بڑا استاد تھا کہ تان سین جیسے یگانۂ فن نے بھی عدلی شاہ سے شرف تلمذ کا فخریہ اظہار کیا ہے۔ باز بہادر اور تان سین ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔

آپس کی نااتفاقیوں نے سوریوں سے زمام حکومت چھین کر دوبارہ ہمایوں کے حوالے کر دی اور مغل ایک بار پھر بساط حکومت بچھانے میں مشغول ہو گئے۔ باز بہادر نے مغلوں کی اطاعت و باج گزاری کا جوا اپنی گردن پر رکھنے سے انکار کر دیا اور مالوے کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کا اپنا تاج و تخت تھا، اپنے سکے تھے، اپنے آئین فرمانروائی۔ غرض کہ سب کچھ مغلوں سے الگ تھا۔ یہاں تک کہ وہ توسیع مملکت کی غرض سے ادھر ادھر حملہ آور ہونے لگا۔ وہ خود کو فوجی اور علاقائی وسعت کے اعتبار سے اتنا بڑا بنا لینا چاہتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر ایک بار مغلوں کے بھی دانت کھٹے کر سکے۔ اسی جدوجہد اور کشمکش میں اس نے گڑھ پر حملہ کر دیا لیکن وہاں کی رانی درگاوتی نے اپنے حلیفوں کی مدد سے باز بہادر کو اتنی عبرت ناک شکست دی کہ اس کا زندہ واپس آ جانا ہی غنیمت سمجھا گیا۔ اس شکست نے باز بہادر کے حوصلوں کی دھار کو موڑ دیا اور اس کی تیزی اور شدت کو شکستگی اور ندامت نے زنگ کی طرح چاٹ کے رکھ دیا۔ وہ سارنگ پور واپس پہنچا اور رقص و موسیقی کی محفلیں سجا کے دل بہلانے لگا۔ رقص و موسیقی سے دل

گھرانا تو سیر و شکار کو نکل جاتا۔ باز بہادر کے مخلص اور وفادار ساتھی اس کی پست ہمتی اور تن آسانی پر دل ہی دل میں افسوس کرتے لیکن زبان سے کچھ کہنے میں خوف محسوس کرتے۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے کہ اس کے سہارے وہ اپنے دل کی بات بھی کہہ دیں اور باز بہادر کے دل پر اس کا اثر بھی ہو۔

شمالی ہند کی بہترین ناچنے گانے والیوں نے باز بہادر کے قلب و نظر کو اپنا شکار بنا لیا۔ وہ رات بھر ان کی فن کاری میں ڈوبا رہا۔ وہ ان کے حسن فن اور شعور سے سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا، یہ تھا کہ انہیں پل اور لمحوں پر قابو حاصل تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ کون سے لمحے کون سا راگ چھیڑا جائے۔ راگ کا جادو جاگ سکے، دلوں میں آگ لگا دے۔ لمحے بدلتے تو اُن کے ساتھ راگ بھی بدلتے اور ان تبدیلیوں نے باز بہادر کے اندر کی دُنیا میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ رقاصاؤں نے اپنے اعضاء کی لرزش اور جنبش سے باز بہادر کو میدانِ جنگ سے متنفر کر دیا۔ ان کی بل کھاتی پتلی پتلی کمریں اور شوخ و شنگ چست مخصوص لباس اور نوکیلے کٹیلے اعضاء نے باز بہادر میں چھپے ہوئے جمالیاتی مذاق رکھنے والے انسان کو بیدار کر دیا۔ اس نے شمالی ہند کے اس طائفے کو صبح ہوتے ہوتے انعام و اکرام سے اس حد تک نواز دیا کہ شریکِ مجلس تلوار کے بعض ساتھیوں کو بہت افسوس ہوا۔ مؤذن نے اللہ اکبر کی آواز لگائی اور باز بہادر نے مجلس برخاست کرنے کا حکم دیا۔ سازندے آلات موسیقی پر غلاف چڑھانے لگے اور رقاصاؤں نے سرِ مجلس بیٹھ کر گھنگھروؤں کی جوڑیاں کھولنا شروع کر دیں، باز بہادر نہایت محبت بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔ اسے ان میں سے ایک سترہ اٹھارہ سالہ نازک اندام بہت پسند آئی۔ اس کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی۔ اِدھر سے اُدھر جانے آنے میں بدن کی پھرتی پائی جاتی تھی۔ باتوں میں شوخی، دیکھنے میں لگاوٹ، ہنسنے میں ایک ہوش رُبا کیفیت، جسم پر لباس اتنا باریک کہ پرچھائیں کی طرح تمام اعضاء اُدھر ہی سے دکھائی دیتے تھے۔ باز بہادر نے اسے قریب بلایا۔ "او فتنہ قامت و سراپا قیامت! ذرا میرے قریب تو آؤ!"

وہ شوخی سے مسکراتی اور ہولے ہولے قدم اٹھاتی باز بہادر کی نشست گاہ تک پہنچ گئی اور اک ادائے خاص سے دریافت کیا۔ "کچھ بندی سے ارشاد ہوا؟"

"ہاں!" باز بہادر نے اس کا سیدھا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تمہارا نام؟"

"بندی کو راجکماری کہتے ہیں۔" اس کی آواز میں نثر بھی کسی سریلے گیت میں ڈھل گئی تھی۔

"راج کماری! خوب نام ہے۔" باز بہادر نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ "راج کماری اور

رقاصہ! تم گانا بھی تو بہت اچھا گا لیتی ہو۔"

"ہاں سرسوتی دیوی کی کرپا ہے!" راج کماری نے جواب دیا۔ "کیا میرا گانا آپ کو پسند آیا؟"

"بہت!" باز بہادر نے کہا۔ "اگر مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند نہ کی ہوتی تو میں تم سے کچھ اور سنتا!"

راج کماری نے شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے گردن جھکا لی، بولی۔ "پھر سہی!"

باز بہادر نے ذرا اضطراب سے کہا۔ "میں اپنے محل میں ملک بھر کی باکمال رقاصائیں اور گانے والیاں جمع کرنی چاہتا ہوں۔ کیا تم شمالی ہند واپس چلی جاؤ گی؟"

سازندے اور ناچنے گانے والیاں کنکھیوں سے یا کسی کسی لمحے بظاہر اچٹتی لیکن ناقدانہ نظروں سے باز بہادر اور اس کی آغوش میں مصروفِ گفتگو راج کماری کو رشک و حسد سے دیکھ رہے تھے۔ باز بہادر کے ساتھی بھی اپنے آقا اور مالوے کے بادشاہ کی اس غیر شائستہ حرکت کو غصے اور افسوس سے دیکھ اور محسوس کر رہے تھے۔

راجکماری نے حاضرینِ مجلس کو سرسری نظروں سے دیکھا اور ہنس کے کہنے لگی۔ "میں نام ہی کی نہیں، مقام اور مرتبے کی بھی راجکماری بننا چاہتی ہوں اور یہی خواہش مجھے مالوے تک کھینچ لائی ہے!"

باز بہادر نے کسی کی پروا کیے بغیر اسے بھینچ لیا، بوسوں کی بارش کرتا ہوا بولا۔ "میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں گا۔ لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ تم بھی مجھے دھوکا نہیں دو گی۔"

راجکماری اس کے سینے میں دبکی گھسی جا رہی تھی، آہستہ سے بولی۔ "میں عورتوں کی چاروں قسموں میں سے پدمنی ثابت ہوں گی۔ آپ کو میری قدر و قیمت کا اندازہ میرے پیشے سے نہیں لگانا چاہیے!"

باز بہادر نے کہا۔ "ابھی مجھے نماز پڑھنی ہے، پھر باتیں کروں گا۔ اگر تمہیں میری رفاقت منظور ہے تو میں اسی وقت محل کے خدام کو حکم دیے دیتا ہوں کہ وہ تمہیں شایانِ شان جگہ ٹھہرائیں۔"

راجکماری نے معصومیت سے پوچھا۔ "اور میرے گرو جی اور سازندے وغیرہ کہاں رہیں گے؟"

باز بہادر نے کہا۔ "تمہارے گرو جی کہاں ہیں؟"

"انھی سازندوں میں پچاس پچپن سالہ گنجے سر والے سارنگی نواز میرے گرو جی ہیں!"

باز بہادر نے شرارت آمیز صاف گوئی سے کہا۔ "انھیں بھی کسی اچھی ہی جگہ ٹھہرا دیا جائے گا۔ لیکن تمہیں یہ بات ابھی سے اپنے ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ راجکماری تم اسی وقت بن سکو گی،

جب تم ان سب سے پیچھا چھڑا لوگی۔"

راجکماری نے ندا افسوس سے کہا۔ "اور سب سے تو پیچھا چھڑا بھی سکتی ہوں لیکن گروجی سے نہیں چھڑا سکتی۔ گروجی کا مرتبہ پتاجی جتنا ہوتا ہے۔ کیا کوئی شریف کنیا اپنے پتا سے پیچھا چھڑا سکتی ہے؟"

باز بہادر نے اُسے گود سے اُتار دیا، بولا۔ "اچھا اس موضوع پر پھر باتیں ہوں گی، اب تم سب جا کے آرام کرو۔"

باز بہادر کے جاتے ہی محفل اجڑ گئی، یہاں رات بھر ایک ہنگامہ بپا رہا تھا اب وہاں بجھے بجھے افسردہ مزاج اور آزردہ کیفیت چراغوں کے نور میں بھی سوگواریت سی پائی جاتی تھی۔

* * *

اس کے بعد کئی دن تک راج کماری باز بہادر کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ اُس کے پاس نہیں پہنچا۔ راج کماری کو ہر طرح کی آسائش میسر تھی۔ لیکن باز بہادر نے اسے جس اعزاز سے نوازنے کا وعدہ کیا تھا، ابھی تک اس سے محروم تھی۔ وہ حیران تھی کہ آخر وعدے کے باوجود باز بہادر کہاں چلا گیا۔ بادشاہ اپنے مشاغل کا ذکر کسی کے سامنے نہیں کیا کرتے، اسی طرح باز بہادر بھی کسی کو کچھ بتائے بغیر ہی غائب تھا۔ راج کماری کے گروجی اس سادہ لوح لڑکی پر ہنس رہے تھے۔ وہ کہتے تھے "بادشاہ کے قول و فعل پر کوئی بے وقوف اور نادان ہی اعتبار کر سکتا ہے، یہ تو شمال کی ہوا کی طرح چل کے پورب کا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ شمال کی ہوا ابرِ کرم لاتی ہے تو پورب کی ہوا درد و اذیت کے ساتھ حاضر ہوتی ہے۔" خوابوں کی تعبیر پوری ہوتے نہ دیکھ کر راج کماری کو بڑا دُکھ ہو رہا تھا۔ وہ خدام محل سے پوچھتی رہتی تھی کہ "بادشاہ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟"

اور خدام کی اکثریت یہی جواب دیتی۔ "پتہ نہیں!"

راج کماری پوچھتی۔ "کیا وہ ہمیشہ ہی اسی طرح چلے جایا کرتے ہیں؟"

"ہاں، وہ اکثر یہی کرتے ہیں!" راج کماری کو جواب ملا۔

راج کماری نے پوچھا۔ "انہیں نسیان کا عارضہ تو نہیں؟"

جواب ملا۔ "نہیں، ان کا حافظہ بہت اچھا ہے۔"

راج کماری کو کیا معلوم تھا کہ باز بہادر سارنگ پور میں موجود ہی نہیں، وہ تو اپنے ساتھیوں اور فوجوں کے جتھے کے ساتھ دور نربدا کے جنگلات میں شکار کھیل رہا تھا۔ باز بہادر کے مخلص

اور جیالے ساتھی اُسے لہو و لعب کی زندگی سے نکال کر پھر سے مردِ میدان بنا دینا چاہتے تھے وہ اسے بار بار یہی سمجھاتے تھے کہ مغل ایک بار پھر ہندوستان پر قابض ہو گئے ہیں اور پٹھانوں نے جیتی ہوئی بازی ہار دی ہے۔ اسے اپنا وقت ناچنے گانے والیوں میں نہیں ضائع کرنا چاہیے بلکہ شیر شاہ سوری کی طرح پورے ہندوستان کو زیرِ نگیں لانے کی جدوجہد میں صرف کر دینا چاہیے۔ یہ باتیں کچھ کچھ باز بہادر کی سمجھ میں بھی آ تیں لیکن ان کا اثر دیر تک نہ رہتا بہت جلد مفقود ہو جاتا۔ باز بہادر کا مخلص دوست اور میدانِ جنگ کا دھنی دلاور خاں سب سے پیش پیش تھا اور یہ اس کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ باز بہادر رقص و سرود کی رنگین اور دلکش محفل کو چھوڑ کے نربدا کے جنگلوں میں شکار کھیلنے پہنچ گیا تھا۔

جب وہ جنگل کے وحشی جانوروں کے تعاقب میں گھوڑا دوڑا رہا تھا تو اس کے ساتھ ہی دلاور خاں بھی اپنا گھوڑا بھگا رہا تھا۔ اس نے باز بہادر سے کہا۔ "جو لطف اپنے شکار کا پیچھا کرنے میں ہے کسی دوسرے کام میں نہیں، یہ شکار جنگل کے وحشی جانور ہوں یا میدانِ جنگ کے بے رحم اور جنگجو غنیم، دونوں کے تعاقب میں کیفیت یکساں پائی جاتی ہے۔"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "ہاں پہلے میں بھی ان باتوں کا قائل تھا لیکن اب میں ذرا بدل گیا ہوں۔"

دلاور خاں نے پریشانی اور حیرت چھپاتے ہوئے سوال کیا۔ "اب آپ بدل کیوں گئے ہیں؟"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "دلاور خاں! میں جب انسان کی قلیل اور ناپائیدار زندگی پر غور کرتا ہوں تو بہت اداس ہو جاتا ہوں۔ اتنی مختصر اور بے اختیار زندگی خون خرابے اور جنگ و جدل کی نذر کر دینا آخر کہاں کی عقل مندی ہے۔ ایک تو زندگی مختصر دوسرے شباب و رنگ کا زمانہ اس سے بھی مختصر، ان حسین اور پُر لطف و پُر کیف مختصرات کو کبھی نہ ختم ہونے والی رنجشوں اور خونریزیوں پر قربان کر دینا عقلمندی تو نہیں۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے اپنی بقیہ زندگی دنیا کے لطائف و لذائذ کے طلب و حصول میں گزار دوں۔"

دلاور خاں نے افسوس آمیز صاف گوئی اختیار کی، بولا۔ "لیکن میں آپ کا ہم خیال نہیں ہو سکتا۔ انسان کو کوئی ایسا کارنامہ ضرور انجام دینا چاہیے کہ اس کا نام باقی رہے۔"

باز بہادر نے ہنس کر سوال کیا۔ "اگر نام باقی بھی رہا تو اس سے ہمیں فائدہ کیا پہنچے گا؟"

دلاور خاں نے کہا۔ "بہادروں کے ناموں کے باقی رہنے سے انہیں جو حاصل ہوتا ہے، وہی آپ کو بھی حاصل ہوگا۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر انہیں کیا حاصل ہوتا ہے؟"

"شہرتِ دوام! ابدی ناموری! رہتی دنیا تک اُن کے نام اور کام کی بقا! اور یہ کوئی معمولی اعزاز ہے!!"

باز بہادر قہقہہ مار کے ہنس دیا۔ گھوڑے کی لگام کھینچ لی، بولا۔ "باتوں میں شکار تو نکل گیا۔ اب ذرا کسی درخت کے سائے میں بیٹھ کے باتیں ہو جائیں تو شاید تمہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں!" دلاور خاں نے بھی گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ دونوں ایک گھنیرے درخت کے سائے میں درختوں کے تنوں سے پشت لگا کے بیٹھ گئے۔

باز بہادر نے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کہ تم مجھ سے کس قسم کی باتیں کرنا چاہتے ہو؟"

دلاور خاں نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ رقص و سرود کی محفل سے نکل کے دوبارہ میدانِ جنگ میں پہنچ جائیں۔ اسی میں ہم مردوں کی عزت و آبرو ہے۔"

باز بہادر نے ہنس کے کہا۔ "ہم مردوں کی عزت و آبرو کس میں ہے اور کس میں نہیں یہ ہمارے سوچنے کی باتیں ہیں۔ بیکار رستم کی منکردوں سے سر پٹ پھوڑے نکل آئیں گے!"

دلاور خاں کو رہ رہ کے غصہ چڑھ رہا تھا، بولا۔ "لیکن میں آپ کو غلط راہ پر نہیں چلنے دوں گا۔"

باز بہادر نے کہا۔ "غلط اور صحیح کا فیصلہ کرنے والے تم ہو یا میں؟ میری زندگی کے معاملات میں میرے سوا کوئی اور فیصلے کیوں صادر کرنے لگا!!"

دلاور خاں نے جل کے کہا۔ "موم کی پتلیوں نے آپ کو کہیں کا بھی نہیں رکھا۔ اگر آپ کی تن آسانیاں اور یہ رنگ رلیاں موجود رہیں تو کچھ دن دور نہیں جب آپ مالوے سے بھی دست بردار ہونا پڑ جائے گا۔"

"کوئی پروا نہیں۔" باز بہادر نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "میں مسلسل جنگ و جدل اور انسانی خونخواری سے عاجز آ چکا ہوں اور اس معاملے میں کوئی برعکس فیصلہ میں ملنے کے لیے بالکل تیار نہیں!"

دلاور خاں نے ناامید ہو کے آنکھیں بند کر لیں۔ باز بہادر رقص کی محفلوں کا تصور قائم کر کے بیٹھ گیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی وقت، کہیں پشت سے ایک نہایت سُریلی آواز گونجی، کوئی نہایت سُریلی آواز اور دلکش دُھن میں گا رہی تھی۔

"زاہد آخرت کے انعام اور بہادر شہرتِ دوام کے لیے اپنی مختصر سی زندگی خواہ مخواہ ضائع کر دیتے ہیں۔

کوئی ان سادہ لوح انسانوں سے پوچھے کہ جو موجود ہے اسے کھو کر، جو موجود نہیں اس کی حصولیابی کی فکر کہاں کی عقل مندی ہے۔

میں رُوپ متی، ایک سیدھی سادی مغنیہ ہوں، میں فلسفۂ زہد و ریاضت اور فلسفۂ جنگ و جدل سے بالکل واقف نہیں۔ میں تو بس سیدھی سادی بات جانتی ہوں!"

اس آواز کو دلاور خاں بھی سن رہا تھا۔ باز بہادر کھڑا ہو گیا، بولا۔ "غضب کی آواز ہے۔ اس جنگل میں اتنی رسیلی آواز! کمال ہے! کہیں یہ میرا واہمہ تو نہیں؟"

دلاور خاں نے جواب دیا۔ "نہیں یہ واہمہ نہیں، آواز تو میں نے بھی سُنی ہے!"

باز بہادر، دلاور خاں کو لے کر آواز کی سمت چل دیا۔ آگے چل کے ایک برگد کے نیچے انہوں نے ایک جشن برپا دیکھا۔ نوجوان حسین و جمیل لڑکیاں ناچ گانے میں مشغول تھیں۔

باز بہادر اور دلاور خاں انہیں دُور ہی سے دیکھ رہے تھے۔ جو لڑکی ناچ رہی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے وہ آسمان سے اُتر کے اُن کے جھرمٹ میں آ ملی ہے۔ ان کی نظریں جیسے ہی باز بہادر پر پڑیں، انھوں نے ناچ گانا بند کر دیا اور سرو قد تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ باز بہادر کی وضع قطع اور لباس سے ان میں سے سب سے زیادہ چالاک لڑکی نے بادشاہ کی حیثیت کو کسی حد تک سمجھ لیا۔ اس نے باز بہادر کو مخاطب کیا۔ "معزز مہمان! خوش آمدید! تشریف لائیں۔"

باز بہادر بے چُون و چرا ان کی محفل میں شامل ہو گیا، دلاور خاں بھی اس کے بائیں جانب بیٹھ گیا۔

لڑکی نے بصد اشتیاق پوچھا۔ "کیا میں معلوم کر سکتی ہوں کہ جناب ملک کے کس علاقے کے حکمران ہیں اور یہاں کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "میں یہاں شکار کھیلنے آیا تھا لیکن شکار میں دل نہیں لگ رہا۔" پھر پوچھا۔ "یہ ابھی کون گا رہا تھا؟ تم یا کوئی اور؟"

"میں!" پھر لڑکی نے شوخی سے پوچھا۔ "گیت اچھا لگا یا نہیں؟"

باز بہادر نے کہا۔ "گیت بہت اچھا تھا لیکن یہ بتاؤ کس کا تھا؟ شاعر کا نام تو بتاؤ۔"

لڑکی نے شرما کے جواب دیا۔ "یہ گیت بھی میرا ہی تھا۔ کیوں، آپ کو تعجب کیوں ہے؟"

"خوب!" باز بہادر اس سے بہت متاثر ہو چکا تھا۔ بولا۔ "اگر یہ کلام بھی تمہارا ہی تھا تو تم بہت باکمال ہو۔ اور مجھے یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ تم نے میرا دل جیت لیا ہے۔"

لڑکی تنہا نہیں تھی، اس کے ساتھ کئی اور لڑکیاں بھی تھیں۔ باز بہادر اور دلاور خاں کو دیکھ کر ان کے مرد بھی آ گئے۔ دونوں کی سپاہیانہ آن بان نے مردوں کو خاموش رکھا۔ انھوں نے اشاروں ہی اشاروں میں لڑکی سے ان دونوں کا تعارف چاہا۔ باز بہادر کی تیز نظروں نے ان کے اشاروں کا مفہوم سمجھ لیا، بولا "تم لوگ پریشان نہ ہو۔ میں یہاں کا حکمران باز بہادر ہوں۔ چونکہ کچھ عرصے سے میں نے مصلحت اور سیاست کو خیرباد کہہ رکھا ہے اس لیے ٹھاٹھ باٹھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

اس تعارف نے لڑکیوں اور ان کے مردوں میں ایک ہلچل سا ڈال دیا، وہ سب احتراماً باز بہادر کے روبرو جھک گئے اور اس وقت تک خمیدہ رہے جب تک کہ باز بہادر نے انہیں سیدھا ہو جانے کا حکم نہ دے دیا۔ ایک عمر رسیدہ مرد ادب سے آگے بڑھا اور اس نے باری باری اِن سب کا تعارف کرایا۔ یہ لوگ شمالی ہند کے سہارنپور سے تعلق رکھتے تھے۔ لڑکی کا نام روپ متی تھا اور یہ سب پیشہ ور ناچنے گانے والے تھے۔ مردوں میں کوئی کسی کا بھائی تھا کوئی کسی کا باپ اور کچھ سازندے یا استاد۔ بوڑھا ان کا سرپرست تھا اور اس کا نام جانکی داس تھا۔ اس نے اپنے شانے پر پڑی ہوئی قیمتی چادر اتار کے برگد کے نیچے بچھا دی اور ان دونوں سے اس پر بیٹھ جانے کی درخواست کی۔ باز بہادر ہنستا ہوا بیٹھ گیا لیکن دلاور خاں کو بیٹھنے میں تامل ہوا۔

جانکی داس نے دلاور خاں سے پوچھا۔ "کیا حضور کو یہاں بیٹھنے میں کوئی اعتراض ہے؟"

"ہاں!" دلاور خاں نے جواب دیا۔ "ہم تلوار کے دھنی اور مرد میداں ہر جگہ نہیں بیٹھا کرتے۔ ہماری کچھ مخصوص جگہیں ہوا کرتی ہیں۔"

باز بہادر نے دلاور خاں کا دامن پکڑ کے کھینچ لیا، بولا "اب بیٹھ بھی جاؤ، کیا نخرے لگا رکھے ہیں۔ تلوار کے دھنی ہوں یا میدان جنگ سے پیٹھ دکھا جانے والے، ان سب کی ایک ہی جگہ ہے، قبر کا گوشہ۔ آدمی کو خاکسار ہونا چاہیے۔"

روپ متی کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا، بولی "حضور نے بجا فرمایا، یہ سارے طنطنے اور تکلفات بس جیتے جی کے ہیں، جب مر گئے تو شاہ و گدا برابر ہیں۔"

دلاور خاں نے اپنی اکڑفوں قائم رکھی، بولا "ہم مرد میدان لوگ ایک مخصوص ماحول اور خاص تعلیم و تربیت کے پروردہ ہیں اور اسی کے عادی بھی۔ بالکل اسی طرح جیسے تم ناچنے گانے والے لوگ۔ تم تلوار نہیں پکڑ سکتے اور ہم گھنگرو نہیں باندھ سکتے۔ طبیعتوں اور مزاجوں کا یہ فرق تو ہماری سرشت بن چکا ہے۔ ہم اسے کس طرح دور کر سکتے ہیں!"

باز بہادر نے ایک بار پھر دلاور خاں کا دامن کھینچ کے بٹھانے کی کوشش کی۔ "اب بیٹھ

بھی جاؤ، پیروں میں گھنگرو باندھنے کو کون کہتا ہے، بہادروں کو دل بستگی اور تکان دور کرنے کے لیے رقص و سرود کی محفلیں جمانا ہی پڑتی ہیں۔ چپ چاپ بیٹھ جاؤ اور ان کے کمالات سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرو۔"

مجبوراً دلاور خاں بھی بیٹھ گیا۔ جانکی داس نے لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے اعزاز میں رقص و موسیقی کا ایک یادگار مظاہرہ کریں۔ مشاعروں کی طرح پہلے ان لڑکیوں سے رقص کرایا گیا جو ابھی پختہ کار نہ تھیں۔ ان کے بعد رقص و موسیقی کی ماہر لڑکیاں اٹھیں اور انہوں نے دونوں کو جھوما دیا۔ باز بہادر دل کھول کے داد دیتا رہا۔ لیکن دلاور خاں ان کے فن کا دل سے معترف ہونے کے باوجود اپنی حرکات و سکنات سے اعتراف نہیں کر رہا تھا۔ سب سے آخر میں روپ متی کی باری آئی۔ یہ رقص و موسیقی میں سب پر فائق تھی۔

باز بہادر کے بچھڑے ہوئے ساتھی اسے تلاش کرتے ہوئے وہیں پہنچ گئے اور اپنے آقا کو اس شاندار محفل طرب میں دیکھ کے حیران رہ گئے۔ اس جنگل میں ایسی شاندار محفل کا انعقاد بڑی حیرت کی بات تھی۔ روپ متی کے فن نے ان سبھوں کو دنگ کر دیا۔ اس سے پہلے ایسی باکمال رقاصہ اور مغنیہ انھوں نے نہیں دیکھی تھی۔

باز بہادر نے ان سے درخواست کی کہ وہ سب اس کے ساتھ سارنگ پور چلیں اور شاہی مہمان بن کے رہیں۔ روپ متی کے علاوہ سبھی اس پیش کش سے خوش ہوئے۔ روپ متی کی سرد مہری اور خاموشی پر باز بہادر نے سوال کیا۔ "روپ متی! کیا تمہیں میری پیشکش پسند نہیں آئی؟"

روپ متی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں آپ کی مہمان بننے کی پیش کش کو خوش آمدید کہوں گی لیکن مستقلاً رہنا ہرگز پسند نہ کروں گی، مہمان تو مہمان ہی ہوتا ہے۔"

باز بہادر نے پُر شوق نگاہوں سے روپ متی کے سراپا پر نظر ڈالی، بولا "اگر میں تمہیں مستقلاً اپنے ساتھ رہ جانے پر مجبور کروں تو تم کیا کرو گی؟"

روپ متی نے جواب دیا "انکار کر دوں گی۔"

"یہ اس لیے کہ مستقلاً رہ جانے کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا اور میں اس کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔"

باز بہادر نے کہا۔ "میں مالوے کا بادشاہ تمہیں دنیا بھر کا سکھ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں تمہاری پرستش کروں گا روپ متی! کیا تمہیں یہ اعزاز مرغوب نہیں کہ تم مالوے کی رانی کہلاؤ؟"

روپ متی کو ہنسی آ گئی، بولی "بات یہ نہیں، کچھ اور ہے۔ میں سہارنپور سے آ کے

یہاں نربدا کے کنارے آپڑی ہوں۔ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

باز بہادر نے معصومیت سے پوچھا۔ "تم نے ایسا کیوں کیا؟"

روپ متی نے جواب دیا۔ "بات اتنی اہم نہیں جتنی آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے خواب میں نربدا کے دیوتا نے ہدایت کی ہے کہ میں اس وقت تک کسی کی ہم نشینی اختیار نہ کروں جب تک نربدا مانڈو سے گزر کے نہ بہنے لگے!"

باز بہادر نے کہا۔ "مانڈو اور سارنگ پور کا فاصلہ ہی کتنا ہے۔ میں تمہارے لیے مانڈو میں محل بنوا دوں گا، تم وہیں رہنا۔"

روپ متی نے جواب دیا۔ "لیکن ابھی نربدا مانڈو سے گزر کے تو نہیں بہہ رہی ہے!"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" باز بہادر نے فکرمندی سے کہا۔ "اگر تمہیں نربدا کے دیوتا نے اس قسم کی ہدایت دے رکھی ہے تو میں بھی تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن مہمان بننا تو قبول کر لو گی؟"

"ہاں، یہ منظور ہے!"

روپ متی اور باز بہادر کے لوگ ان دونوں کی گفتگو بڑے اشتیاق سے سن رہے تھے۔ لیکن دلاور خاں کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور اس کا انداز بتاتا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے لیے سخت ناقابلِ برداشت ہے۔

باز بہادر جب اس ٹھاٹھ کے ساتھ سارنگ پور میں داخل ہوا تو راجکماری کو بڑا شاق گزرا۔ پہلے تو اس نے رشک و حسد سے روپ متی کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہا لیکن اس کے حسن، ذہانت اور فن کے شہرے نے مجبور کر دیا کہ وہ روپ متی کے ان کمالات کا خود مشاہدہ کرے۔ وہ باز بہادر کا بھی انتظار کر رہی تھی لیکن اسے یوں فراموش کر دیا گیا تھا گویا راجکماری نام کی کوئی رقاصہ یا مغنیہ محل میں موجود ہی نہیں تھی۔ ایک دن آخر اس نے باز بہادر کو پیغام بھیجا کہ .... ہو تو وہ شکریہ ادا کر کے رخصت ہو جائے۔ باز بہادر کا ہوا اس کے پاس پہنچا اور ... کب ...

"آخر تم ... کیوں چاہتی ہو؟"

راج کماری نے ... سے جواب دیا۔ "میں اس محل میں گمنامی کی زندگی گزارتے نہیں ... ہوں۔ ... آپ نے کچھ وعدے کیے تھے جو ایک ہی رات میں خواب و خیال بن کے رہ گئے۔"

باز بہادر نے کہا۔ "راجکماری تم جذباتی مت ہو، میں نے جو وعدے کیے تھے، انھیں پورا کروں گا۔"

راج کماری نے تنک مزاجی سے کہا۔ "چاہے آپ مجھے قتل کرا دیں لیکن میں یہ صاف ...

ہوں گی کہ بادشاہوں کے عورتوں سے کیے ہوئے وعدے کچے سوت سے زیادہ مضبوط نہیں ہوتے۔"

باز بہادر نے عاجز آکر کہا۔ "وہم کا میرے پاس کوئی علاج نہیں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

راج کماری نے تلخی سے جواب دیا۔ "حضور نے ایک رات مجھ سے کچھ وعدے کیے، دوسری صبح کئی دنوں کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور جب محل میں تشریف لائے تو اپنے ساتھ بہت ساری رقاصائیں اور گانے والیاں بھی لیتے آئے اور ان کی موجودگی میں مجھے بالکل نظر انداز کر دیا۔ اب حضور خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اگر میری جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے؟"

باز بہادر نے خود پر روپ متی کی کیفیت طاری کر لی اور پُر خیال انداز میں کہا۔ "راجکماری! یہی سوال میں تم سے کروں گا کہ اگر تم میری جگہ ہوتیں اور تمہیں روپ متی جیسا حسن پارہ اور فن و ذہانت کا شہ پارہ مل جاتا تو تم کیا کرتیں؟"

راج کماری نے تڑ سے جواب دیا۔ "میں اپنے وعدے کا پاس کرتی اور وفاداری پر قائم رہتی۔"

باز بہادر نے راج کماری کی بات ہنسی میں اڑا دی، بولا۔ "فضول بات۔ تم بھی یہی کرتیں جو میں نے کیا۔ میں روپ متی کی اپنی زبان سے تعریف نہیں کروں گا بلکہ تمہیں مجبور کروں گا کہ اس سے مل کر تم خود میری باتوں کا اندازہ لگا لو۔ میں مالوے کو رقص و سرود کا بہترین مرکز بنانا چاہتا ہوں۔ ہندوستان کے باکمالوں کو مالوے میں جمع کرنا چاہتا ہوں۔ اس شہرِ باکمال میں تم بھی رہو اور میں تمہیں اس اعزاز و اکرام سے رکھوں گا جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔"

راجکماری نے بھی یہ سوچا کہ فی الحال باز بہادر سے الجھنا ٹھیک نہیں ہے، پہلے روپ متی کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔ اس کے بعد باز بہادر پر قابو حاصل کرنے کے لیے موثر حربے اختیار کرنے چاہئیں۔ اس نے کہا۔ "کیا اس باکمال حسینہ سے میں بھی مل سکتی ہوں؟"

"بصد شوق۔ میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس بات پر آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن تم آمادہ ہی نہ تھیں۔"

راج کماری نے پوچھا۔ "پھر کب؟"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "میں تمہیں محفلِ رقص و سرود میں اس وقت ملانا چاہتا ہوں جہاں تم دونوں ایک دوسرے کے مقابل اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کر سکو۔ میرا خیال ہے کہ تم ... اس تجویز سے تم بھی اتفاق کرو گی؟"

چالاک راج کماری مقابلے سے بچنا چاہتی تھی لیکن علی الاعلان بھاگنا بھی نہ چاہتی تھی۔ اس

نے کہا۔ "میں کسی سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اس کا فن اس کی جگہ اور میرا فن میری جگہ لیکن میں اس سے ملنا ضرور چاہتی ہوں۔"

باز بہادر نے طنزاً کہا۔ "قد گئیں! واقعی وہ ایسی ہی قیامت ہے کہ اس کی موجودگی میں اس کے حریف اپنی خود اعتمادی کھو دیتے ہیں!"

راج کماری نے ذرا تیزی سے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں اس سے مقابلے کرنے کو بھی تیار ہوں۔ وقت کا تعین کر دیجیے، میں آمادہ ہوں۔"

باز بہادر نے کہا۔ "وقت کا انتظار کرو اور اگر تم رُوپ متی کے مقابلے میں ہار گئیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ تم میری نظروں سے گر گئیں۔ اس محل کو تمہاری ضرورت پھر بھی رہے گی۔"

باز بہادر وہاں سے چلا آیا اور راجکماری خود کو مقابلے کے لیے آمادہ کرنے لگی۔

باز بہادر سیدھا رُوپ متی کے پاس پہنچا اور اس نے راج کماری کا قصہ روپ متی کے سامنے بیان کیا۔

روپ متی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "میں رقص و موسیقی پر غیر معمولی عبور تو ضرور رکھتی ہوں لیکن میں راج کماری کے مقابلے پر نہیں آنا چاہتی!"

باز بہادر نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ کیوں؟"

روپ متی نے انکسار سے جواب دیا۔ "اگر اس مقابلے میں، میں نے راجکماری کو ہرا دیا تو وہ بلاوجہ ہمیشہ کے لیے شرمندہ ہو کے میری حاسد ہو جائے گی اور اگر میں ہار گئی تو شاید مجھ سے آپ کو اذیت پہنچے اس لیے بہتر یہی ہے کہ مقابلہ نہ ہو۔"

"واہ جی واہ!" باز بہادر کہنے لگا۔ "میں نے اس سے مقابلے کی زبان لے لی ہے۔ مقابلہ تو ہوگا اور دُنیا میں آتنا نہیں جانتا کہ اس مقابلے میں کون کسے ہرا دے گا؟ میں نے خود فنِ موسیقی میں عبور حاصل کیا ہے اور یہ فن میں نے اسی استاد سے حاصل کیا ہے جس سے تان سین نے حاصل کیا ہے یعنی عدلی فرمانروائے ہندوستان سے!"

روپ متی نے ہتھیار ڈالنے کے انداز میں کہا۔ "آپ کہتے ہیں تو میں بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں۔ آپ کو آزردہ نہیں کرنا چاہتی۔"

باز بہادر خوش ہو گیا، روپ متی کو فرطِ جوش میں گود میں اٹھا لیا اور اِدھر اُدھر بھاگے دوڑنے لگا۔ روپ متی مچلنے لگی۔

"مجھے اتار دیجیے، مجھے نیچے اتار دیجیے!"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "ایک شرط، ایک وعدے پر!"

"اور کونسی شرط، کیسا وعدہ؟"

باز بہادر نے اسے سینے میں اتار لینے کے انداز میں زور سے بھینچا اور کہنے لگا۔ "رُوپ متی! میری زندگی تمہارے بغیر ادھوری اور نامکمل ہے، تم میری ہو جاؤ۔ خدا کے لیے میری ہو جاؤ۔"

روپ متی نے شوخی سے مسکرا کے اپنا چہرہ پیچھے ہٹانا چاہا، بولی "جب نربدا مانڈو میں بہے گی میں آپ سے فوراً شادی کر لوں گی۔"

باز بہادر نے اسے فوراً گود سے اتار لیا اور مسہری پر بٹھا کے خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کی حسین اور کیف آور لٹیں ہاتھ میں لے کر نتھنوں سے لگا لیں۔ سانس اوپر کھینچتا ہوا بولا "یہ ناگنیں کب کی مجھے ڈس چکی ہیں، ان کا زہر میری رگ و پے میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔ روپ متی! خدا کے لیے مجھے بچا لو۔"

روپ متی، باز بہادر کی ان عشقیہ باتوں پر کھلکھلا کے ہنس دی، بولی "کب کی ڈس چکیں؟ کیا مطلب؟ میری آپ سے ملاقات کو کتنا زمانہ گزر گیا کہ ماضی بعید میں باتیں کرنے لگے؟"

باز بہادر پر نشے کی سی کیفیت طاری تھی، بولا۔ "میں بخدا یہی محسوس کرتا ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے روزِ ازل سے ہی واقف چلے آ رہے ہیں اور میری تشنہ اور ناآسودہ زندگی جس کی تلاش تھی وہ تمہاری شکل میں دستیاب ہو گئی ہے۔ اس لیے اب میں تمہیں کھو دینے کو تیار نہیں ہوں۔"

روپ متی نے بے رخی اور افسردگی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کل کوئی اور مل جائے اور وہ آپ پر جادو کر دے، پھر کیا ہوگا؟"

باز بہادر نے کہا۔ "نہیں، اب شاید ایسا نہ ہو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ خدا نے تمہیں چھوڑ کے کسی اور کو ایسا نہیں بنایا ہوگا، تم قدرت کی شاہکار اور بے مثال ہو، راج کماری نے خود کو پدمنی کہا تھا، میرے خیال میں پدمنی وہ نہیں، تم ہو۔"

روپ متی نے جل کے کہا۔ "آپ میرے سامنے بار بار راج کماری کا نام نہ لیجیے، معلوم نہیں کیوں میں اس پر رشک یا حسد کرنے لگی ہوں۔"

باز بہادر نے وعدہ کیا۔ "اگر تم کہتی ہو تو میں مان لوں گا۔ اب تم سے بحث کون کرے؟"

روپ متی نے اس کے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن نہیں نکل سکی۔ روپ متی نے کہا۔ "بڑے ظالم ہیں، آپ کو بھلا اتنی زور سے دبوچنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "روپ متی! میرا اگر بس نہیں چلتا ورنہ میں تمہیں اپنی ملکہ بنا کے رکھ لوں اپنے دل کے کسی گوشے میں چھپا لوں۔"

روپ متی نے ٹھنکنے کے انداز میں کہا۔ "اب میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی لیکن یہ نربدا کے دیوتا کا کیا کروں؟"

"کیا کوئی خواب بھی تمہیں دکھائی نہیں دیا؟"

"نہیں، ابھی تک تو دکھائی نہیں دیا۔ ممکن ہے دو ایک دن میں دکھائی دے جائے۔ اسی وقت جناب کی خدمت میں انہی امور پر بات چیت کرنے کی غرض سے حاضر ہو جاؤں گی!"

باز بہادر نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ "اچھا ایک بات تو بتاؤ روپ متی!"

"پوچھیے!" روپ متی نے خمار میں ڈوبی ہوئی نظریں باز بہادر کے چہرے پر گاڑ دیں۔

باز بہادر نے ان نشیلی آنکھوں کو سیاہ کاکلوں میں چھپا دیا۔ "نربدا کے دیوتا نے تمہیں میرے ساتھ گھومنے پھرنے سے تو نہیں منع کر دیا؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں!" روپ متی نے جواب دیا۔

باز بہادر نے بے پایاں خوشی کا اظہار کیا، بولا۔ "تب پھر پرسوں ہم دونوں دوپہر سے پہلے پہلے چوری سے کہیں نکل چلیں گے۔ میرا لوگوں کے ہجوم سے دل گھبرانے لگا ہے۔ میں یہاں کے کہساروں، سبزہ زاروں میں کہیں بھی تمہیں لے چلوں گا اور جی بھر کے تم سے باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کروں گا، تمہیں دیکھ کر میری طبیعت شاعری پر مائل ہونے لگی ہے۔"

روپ متی نے باز بہادر سے اتفاق نہیں کیا، بولی۔ "میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ آپ مالوے کے بادشاہ ہیں، دس آپ کے جاں نثار ہیں تو بیس آپ کے دشمن اور حاسد۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ہم دونوں کی تنہا ہوا خوری کا علم ہو گیا تو معلوم نہیں آپ کے ساتھ کیا حادثہ یا سانحہ پیش آ جائے۔"

باز بہادر، روپ متی کی ذہانت سے اور زیادہ خوش ہوا، بولا۔ "حسین چہرے کی طرح حسین عقل بھی رکھتی ہو۔ خوب!" اس نے ایک بار پھر روپ متی کو بھینچ لیا۔ بولا۔ "تمہارے مشورے کے مطابق میں دس جاں نثاروں کا مختصر سا دستہ اپنے ساتھ رکھوں گا۔ لیکن قریب نہیں، ذرا دور دور اور اس طرح کہ ہمیں اس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو۔"

"یہ ٹھیک ہے!" روپ متی نے کہا۔ "مشورے کی منظوری اور قبولیابی کا شکریہ!"

* * *

دس جاں نثاروں کا دستہ کھانے پینے اور مے نوشی کا سامان لے کر اجین جانے والی راہ پر روانہ ہو گیا۔ باز بہادر، روپ متی کو لے کر روانہ ہونے ہی والا تھا کہ دلاور خاں نے اس کا راستہ روک لیا، نہایت [illegible] لہجے میں دریافت کیا۔ "جناب والا! کیا مجھے اتنا سا وقت عطا فرما

گے کہ میں چند ضروری باتیں کر لوں؟"

یہ بے جا بے وقت مداخلت گراں گزرنے کے باوجود باز بہادر نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ "بولو تمہیں کیا کہنا ہے؟"

دلاور خاں نے بے دلی مگر طنز آمیز پیرائے میں کہا۔ "پورے ہندوستان میں مالوے کو اس اعتبار سے بڑی شہرت مل گئی ہے کہ یہ ناچنے گانے والوں کا عظیم الشان مرکز ہے۔"

باز بہادر نے بات کاٹ دی۔ "بڑی خوشی کی بات ہے! اور کچھ؟"

"ہاں اور یہ کہ!" دلاور خاں نے مایوسی سے کہا۔ "اسی لیے میرا خیال ہے کہ مالوے کو میرے جیسے اکھڑ اور اجڈ فوجی کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے شمالی ہند جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔"

باز بہادر نے افسوس سے پوچھا۔ "گویا تم میری ملازمت سے نکل جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے!" دلاور خاں نے جواب دیا۔ "بلکہ میں یہاں بیکار رہتے رہتے اکتا گیا ہوں اور مجھے مالوے کی سرکار سے جو کچھ بھی مل رہا ہے، بے کار مل رہا ہے کیونکہ میں اتنی تنخواہ سے متعلقہ خدمات بجا لانے سے معذور ہو گیا ہوں۔"

باز بہادر ہنس دیا۔ "بس اتنی سی بات یا کچھ اور؟"

"یہ بہت بڑی بات ہے اور اس کا بوجھ میں اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتا رہتا ہوں۔"

باز بہادر نے کہا۔ "یہ بات میرے سوچنے کی ہے کہ میری سرکار سے جنہیں تنخواہیں دی جا رہی ہیں، وہ واقعی حق بجانب سمجھ کے دی جا رہی ہیں یا بلا وجہ دی جا رہی ہیں۔"

دلاور خاں نے کہا۔ "نہیں یہ کام محض آپ ہی کا نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص کا ہے جو مالوے کے دربار سے وابستہ ہے۔"

باز بہادر نے دلاور خاں کو ٹالنا چاہا، ایک طرف جاتا ہوا بولا۔ "تم کو کہیں بھی آنے جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کام کیا ہے اور تمہاری ہمیں کہاں کہاں ضرورت پیش آئے گی، یہ میں جانتا ہوں۔"

دلاور خاں نے کہا۔ "میں ایک سال کے اندر اندر واپس آ جاؤں گا اور آپ کے پاس ہی موجود رہوں گا۔"

"لیکن تم شمالی ہند آخر جانا کیوں چاہتے ہو؟"

دلاور خاں نے جواب دیا۔ "سنتا ہوں شمالی ہند میں علم موسیقی کے بڑے بڑے پنڈت، بھگتیے اور نائک پڑے ہوئے ہیں۔ اب مالوے کو انہی لوگوں کی ضرورت ہے اور میرا خیال ہے میں اس فن میں ایک سال کے اندر اندر اتنا عبور تو ضرور ہی حاصل کر لوں گا کہ مالوے کے دربار

سے ملنے والی تنخواہ کو نمک حلالی کی تنخواہ کہہ سکوں!"

باز بہادر نے حیرت سے آنکھیں کھول دیں اور ابلی ہوئی آنکھوں سے دلاور خاں کو دیکھا۔ "یعنی تم فنِ موسیقی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ بہت خوب! لیکن تم پر یہ فن زیب نہیں دے گا۔"

"کوئی بات نہیں جنابِ والا!" دلاور نے کہا۔ "مجھے سرزمین مالوے سے عشق ہے اور میں اسے کسی بھی وقت آنکھوں سے اوجھل کر دینے پر آمادہ نہیں ہوں، میں یہیں مالوے میں رہنا چاہتا ہوں۔"

باز بہادر نے ہنستے ہوئے دلاور خاں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے کہ تم بھی فنِ موسیقی سیکھو تو سبحان اللہ۔ میں منع کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ جو جی میں آئے کر لیکن ذرا مرتبے اور عزت و آبرو کا ضرور خیال رکھنا!"

دلاور خاں نے ترشی سے جواب دیا۔ "مرتبے اور عزت و آبرو کا خیال ہوتا تو سپاہ گری کا معزز فن چھوڑ کے موسیقی کی طرف کیوں راغب ہوتا۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ بقول حضورِ والا مرنے کے بعد شاہ و گدا میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پھر جیتے جی یہ فرق کیوں نہ مٹا دیا جائے۔"

باز بہادر کو الجھن ہو رہی تھی، روپ متی اس کا انتظار کر رہی ہوگی اور دلاور خاں خواہ مخواہ اس کا وقت برباد کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "دلاور خاں! میں تم سے پھر بات کروں گا، تم میری باتوں کا مذاق مت اڑاؤ۔ میں حقیقتاً خون خرابے اور جنگ و جدل کی زندگی سے عاجز آ چکا ہوں اور اسی لیے میں جمالیاتی دنیا میں سکون کا متلاشی ہوں۔"

دلاور خاں نے بے مروتی سے کہا۔ "لیکن حضورِ والا یہ کیوں بھلا دیتے ہیں کہ حکومت کو رد کر کے جمالیاتی دنیا میں محوِ خرام رہنا دانش مندی نہیں۔"

"یہ کیوں؟" باز بہادر نے سوال کیا۔

دلاور خاں نے جواب دیا۔ "لوازمِ سلطنت کی حفاظت کے لیے شجاعت کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے گی۔ سیم و زر کے خزانے پر آدمیوں کی پہرہ داری کے ساتھ ساتھ لوہے کے مضبوط تالوں کی ہمیشہ ضرورت رہا کرے گی۔"

باز بہادر نے جھنجلا کے کہا۔ "اچھا اب تم دفعان ہو جاؤ اور میرا وقت نہ ضائع کرو۔ میں اس موضوع پر تم سے پھر بات کروں گا۔"

دلاور خاں نے غصے سے اسے گھورا، بولا۔ "بہتر ہے، میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔ اس کے بعد گفتگو نہ ہو سکنے کی صورت میں، میں مالوے کو چھوڑ کے کہیں بھی چلا جاؤں گا۔"

باز بہادر نے طنزیہ ہنس کے کہا۔ "تمہیں تو مالوہ بہت پسند ہے اور اسے چھوڑ کے چلے

بھی جاؤ گے، یہ کیا بات ہوئی آخر؟"

دلاور خاں نے بے بسی سے جواب دیا۔ "میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ یہاں سے کہیں بھی جاؤں گا، عارضی طور پر جاؤں گا، پھر آ جاؤں گا۔"

"اچھا جناب!" باز بہادر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے تو جانے دو، یہ سب تفصیل باتیں ہو جائیں گی۔"

باز بہادر، دلاور خاں سے رخصت ہو کے سیدھا روپ متی کے پاس پہنچا، ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "روپ متی، وہی باؤلا دلاور خاں پھر آ گیا تھا، معلوم نہیں کیسی بے تکی باتیں کر کر کے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

روپ متی نے پوچھا۔ "یعنی کس قسم کی باتیں؟"

باز بہادر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کہتا تھا، مالوے میں سپاہی، موسیقی [illegible] کے علاوہ کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ موسیقی کا فن سیکھنے کے لئے شمالی ہند جانا چاہتا ہے۔"

روپ متی کھلکھلا کے ہنس دی۔ "آدمی بڑے مزے کا ہے اور ساتھ ہی آپ کا مخلص اور جاں نثار بھی!"

باز بہادر نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "ایسی وفاداری اور جاں نثاری کس کام کی کہ اس کی وجہ سے بلاوجہ میرا انتظار کرنا پڑا!" پھر محبت سے پوچھا۔ "تمہیں میرے انتظار سے تکلیف تو نہیں پہنچی؟"

روپ متی نے جواب دیا۔ "تکلیف کیسی؟ مجھے تو انتظار میں بڑا مزا آیا۔"

"تم کتنی اچھی ہو روپ متی!" باز بہادر اسے آغوش میں لے کر ناچنے لگا۔

روپ متی کسمسانے لگی۔ اور آغوش سے نکلنے کی کوشش کی لیکن باز بہادر کی طاقتور گرفت سے نکل نہ سکی۔ اس نے شکایتاً کہا۔ "جب میں آپ سے یہ کہہ چکی ہوں کہ میں اس وقت تک آپ کی دلہن نہیں بن سکتی جب تک نربدا مانڈو سے ہو کے نہ بہنے لگے، پھر یہ آغوش میں لے لے کر بے تکلفی کا مظاہرہ کرنا اور ہم دونوں کے جذبات مشتعل کر دینے کی روش اختیار کرنا کہاں تک مناسب ہے؟"

باز بہادر نے اسے فوراً چھوڑ دیا۔ ہاتھ جوڑ کے سامنے کھڑا ہو گیا، بولا۔ "روپ متی! مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے معاف کر دو۔ فرطِ شوق میں مجھے کسی بات کا بھی خیال نہیں رہا۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

روپ متی حیرت اور داد و تحسین کی نظروں سے اسے دیکھتی رہی، پھر آ

اپنے ہاتھ باز بہادر کے جڑے ہوئے ہاتھوں کی طرف بڑھائے اور بے اختیار انہیں کھینچ کے سینے سے لگا لیا اور باز بہادر کی آغوش میں اپنی مرضی سے دبک گئی۔

* * *

باز بہادر روپ متی کو ساتھ لے کے سبزہ زاروں میں نکل گیا۔ راستے میں جگہ جگہ چشمے بہہ رہے تھے۔ چشموں کے کناروں پر خودرو سنبل کی بہتات تھی۔ بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے سائے میں سرخ و سیاہ پھولوں کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سرسبز و شاداب درختوں میں پھولوں کی خوشنما بیلیں عشق و محبت کے مارے ہوئے دلوں میں آگ سی لگا رہی تھیں۔ چراگاہوں میں مویشیوں کے گلے ہری ہری گھاس چرتے پھر رہے تھے۔ میلوں میں پھیلی ہوئی جھیلیں اداس اپنے کنارے آنے والوں کی منتظر تھیں۔ ہواؤں کے جھونکے پانی میں ہلکورے پیدا کر رہے تھے۔ کسی کسی لمحے پیاسے جانور جھیل کے کنارے پہنچ کے وحشت سے ادھر ادھر دیکھتے اور پانی میں منہ ڈال دیتے۔ اوپر اڑتے ہوئے پرند آزاد فضا میں چہچہاتے پھر رہے تھے۔ اس دلکش اور عاشقانہ ماحول نے ان دونوں کے دلوں کو برما دیا، روپ متی نے شوخی سے کہا: "مجھے اونچی اونچی پتھریلی دیواروں کے محل سے زیادہ یہ جگہ پسند ہے۔ اگر ہر طرف امن و امان ہوتا اور انسان کو انسان سے خطرہ نہ ہوتا تو میں یہیں کہیں کٹیا بنا کے رہ پڑتی۔"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "روپ متی! انسان کی خود غرضی اور حرص و ہوا ہی اس کو لطف سے زیادہ فطری خوشیوں سے محروم کر رہا ہے۔ میں خود محلاتی زندگی سے اکتا گیا ہوں۔ اگر دولت اور اقتدار کے ذریعے خوشیوں کے حصول کا طریقہ کسی طرح مسترد کر دیا جائے تو شاید میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو اپنے تاج و تخت کو بخوشی لات مار دے گا۔"

روپ متی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں دولت اور اقتدار کی بات تو جانتی نہیں، ہاں البتہ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں گزارنا چاہتی ہوں۔ مجھے موسیقی میں جیسا کیف اور سکون ملتا ہے کسی اور چیز میں نہیں مل سکتا۔ اسی طرح رقص و موسیقی کے دوران اگر قسمت سے اپنا محبوب بھی حاصل ہے تو اس کیف اور سکون میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔"

باز بہادر نے جواب دیا۔ "یہی حال اپنا بھی ہے روپ متی! تم یقین کرو روپ متی، گونڈوانا کی رانی درگاوتی نے جب مجھے شکست دی تھی تو ایک عورت کے ہاتھوں یہ شکست مجھ کو بڑی ذلت آمیز محسوس ہوئی تھی۔ میں اسی دکھ کو دور کرنے کے لیے جمالیات میں سکون ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دوران تم مل گئیں اور مجھے تم نے فتح کر لیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے روپ متی! یہ شکست مجھے ہر وقت ایک عجیب سے سرور انگیز خیال اور کیف و لذت سے ہم

رکھتی ہے۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر کسی عورت کے ہاتھوں کسی مرد کو شکست اٹھانی پڑ جائے تو اس میں شرم و خجالت کی کوئی بات نہیں۔ عورت کے ہاتھوں کسی مرد کا مفتوح ہونا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے روپ متی!"

پچیس تیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ جس کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے درختوں کا جنگل سا اگا ہوا تھا اور جگہ جگہ خودرو جھاڑیوں نے انسانوں کو چھپانے کے لیے سائبان سے تان رکھے تھے۔ انھی میں سے ایک قد آور سپاہی برآمد ہوا اور ادب سے عرض کیا: "حضورِ والا کے قیام کا یہیں بندوبست کیا گیا ہے۔"

یہ باز بہادر کے دس سپاہیوں کے دستے کا سردار تھا۔ بڑی بڑی نوکیلی مونچھوں کے نیچے مختصر سی گھنی داڑھی نے اسے خاصا رعب دار بنا رکھا تھا۔ جسم پر سجے ہوئے ہتھیار اس رعب میں اور اضافہ کر رہے تھے۔

باز بہادر نے پوچھا۔ "اور لوگ کہاں ہیں؟"

دستے کے سردار نے جواب دیا۔ "وہ سامنے تقریباً پانچ سو گز۔۔۔!" پھر ایک جھاڑی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اس کنج میں آپ کا ساز و سامان رکھ دیا گیا ہے۔ آپ لاحظہ فرما کے مجھے رخصت ہو جانے کا حکم دے دیں تو میں اپنے آدمیوں میں چلا جاؤں۔"

باز بہادر نے پیار بھری نظروں سے روپ متی کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا خیال ہے روپ متی؟"

روپ متی نے جواب دیا۔ "پہلے اس کنج میں پہنچ کے اشیائے خورد و نوش اور سامانِ عیش و عشرت دیکھ تو لیا جائے۔ اس کے بعد اسے کوئی حکم دیا جائے!"

"بہتر ہے!" باز بہادر نے گھوڑے سے اتر کے روپ متی کو نیچے اتارا اور ہاتھ پکڑ کے کنج کی طرف چل دیا۔ دستے کا افسر اس سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ کنج میں کھانے نوشی کے جملہ لوازم کے ساتھ ہی آلاتِ موسیقی رکھے ہوئے تھے۔ باز بہادر اس حسنِ انتظام پر بہت خوش ہوا۔ روپ متی سے بولا۔ "روپ متی! میرا خیال ہے اس شخص کو ترقی ملنی چاہیئے۔ اس حسنِ انتظام نے میری طبیعت خوش کر دی۔"

روپ متی نے منہ بنا کے عرض کیا۔ "ہاں اور سب کچھ تو یہاں بے شک مہیا کر دیا ہے لیکن ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے اگر وہ بھی یہاں موجود ہوتی تو بڑا مزہ رہتا۔"

باز بہادر نے سراپا سوال بن کے پوچھا۔ "کون سی چیز؟"

سنے کا سردار بھی سانس روکے کھڑا تھا، بولا۔ "ارشاد تو فرمائیں ممکن ہے کسی طرح اُسے بھی فراہم کر دیا جائے۔"

روپ متی نے شوخی سے باز بہادر کی طرف دیکھا، بولی۔ "میں آپ دونوں کا امتحان لے رہی ہوں۔ دیکھتی ہوں میری بات تک کس کا خیال پہلے پہنچتا ہے!"

باز بہادر نے کہا۔ "پہیلیاں بجھا کے خواہ مخواہ وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں، میں اپنی ہار مانتا ہوں۔ اب سیدھی طرح چپ چاپ بتا دو کر یہاں کس چیز کی کمی رہ گئی ہے!"

روپ متی نے ایک اچٹتی نظر دستے کے سردار پر ڈالی تو وہ ٹھٹھک کے رہ گیا۔ روپ متی نے اس سے سوال کیا۔ "کیا تم بھی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو؟"

"ہرگز نہیں!" فوجی سردار نے کہا۔ "اگر آپ ... اپنی زبانِ مبارک سے اس شے کا نام لے لیں تو مناسب ہے ورنہ میں خود بھی بتا سکتا ہوں۔"

روپ متی نے حیرت سے کہا۔ "اچھا! اگر میں اس موجود اور غیر موجود شے کا نام نہ بھی لوں تب بھی تم بتا دو گے؟"

"... میں ... کہہ رہا ہوں، اس کا یہی مفہوم ہے!"

روپ متی نے کہا۔ "چلو میں اس کا نام نہیں لیتی، اب تم بتاؤ اس غیر موجود ضروری شے کا نام!"

فوجی سردار نے عرض کیا۔ "جواب دینے کے بجائے ایک سوال کروں گا۔ اسی سوال میں میرا جواب موجود ہے۔"

رُوپ متی کے حسن و شباب کا گرفتار باز بہادر عقل پر زور ہی نہ دینا چاہتا تھا، ان دونوں کی باتیں بے تعلق اور کم عقل انسان کی طرح سن رہا تھا۔

فوجی سردار نے کہا۔ "ہمیں شہر اور بستیاں، عالیشان عمارتیں اور جگمگاتے محلات کیوں پسند آتے ہیں؟ تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے ان مقامات سے انسانوں کو نکال دیجیے اور غور کیجیے کہ آپ کو یہ جگہیں کیسی لگیں گی؟"

روپ متی نے کسی قدر خجل ہو کے کہا۔ "شاید تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو۔"

فوجی سردار نے جواب دیا۔ "جی ہاں، بالکل سمجھ گیا ہوں۔ اس ویران کنج میں آپ دونوں کے سوا تیسرا کوئی شخص بھی موجود نہ ہوگا۔ یہ کھانے پینے کا سامان آپ دونوں کھائیں گے، پئیں گے پھر آپ ہی دونوں موسیقی سے بھی دل بہلائیں گے۔ یہاں کنیزوں، خدمت گاروں ...

... کر دے گی۔"

باز بہادر نے چونک کر بشاش لہجے میں کہا۔ "بے شک، بے شک، تم نے بہت اچھی ... کہی۔" پھر روپ متی سے پوچھا۔ "کیا تم بھی یہی بات کہنا چاہتی تھیں؟"

"ہاں!" روپ متی نے کہا۔ "لیکن اب اتنی جلدی انہیں کس طرح فراہم کیا جا سکتا ہے!"

فوجی سردار نے خندہ پیشانی سے عرض کیا۔ "میں نے ان کا انتظام بھی کر رکھا ہے، ... حاضر کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک دوسرے کنج میں غائب ہو گیا اور ذرا دیر بعد تقریباً درجن ... کنیزیں لے کر نمودار ہوا۔ یہ ساری اپنی عمروں میں سولہ اور پچیس سال کے درمیان کی رہی ہوں گی۔ ... کے حسن و جمال اور شباب کی سرمستی اور سرکشی ان کی چال ڈھال اور چست لباس سے ظاہر تھی۔ ... ان دونوں کے سامنے کھڑی کر دی گئیں۔ ان میں چند ایسی بھی تھیں جنہیں باز بہادر بہت پسند ... تھا۔

باز بہادر نے فوجی سردار کو تیکھی نظروں سے دیکھ کر سوال کیا۔ "تمہاری ان تک رسائی ... طرح ہوئی؟"

فوجی سردار عاجزانہ سر جھکا کے کھڑا ہو گیا، بولا۔ "حضور! صرف یہی نہیں محل کی نامور ... گانے والیاں بھی باریابی کی منتظر ہیں اور انھی کے ذریعے آپ کے تمام پرانے کنیزوں اور ... خدمت گاروں کو یہاں تک لایا گیا ہے۔"

باز بہادر نے غصّے میں پوچھا۔ "وہ رقاصائیں اور گانے والیاں کہاں ہیں اور انہیں ... میرے حکم کے بغیر یہاں کیوں لایا گیا؟"

روپ متی دم بخود یہ تماشا دیکھ رہی تھی اور دونوں کے سوال و جواب سے بہت ... لطف اندوز ہو رہی تھی۔

فوجی سردار نے جرأت مندی سے عرض کیا۔ "اس کیف اور پُرمست فضا میں کسی ... کا گانا اور دوسرے کا سننا ... کچھ زیادہ مزے کی بات نہ ہوتی۔ تفریح کا صحیح مزا تو اس میں ... ہے کہ آپ دونوں خاموش رہیں اور ناچنے گانے والیاں آپ دونوں کو اپنے فن سے ... محظوظ کریں۔"

روپ متی نے بے ساختہ داد دی۔ "میں سچ کہتی ہوں کہ اگر ایسا لائق منتظم مغل دربار میں ... ہو جائے تو اسے لیا لُٹا دیا جائے جس کا یہ صحیح معنوں میں مستحق ہے!"

باز بہادر بھی نرم ہوا بولا۔ "مغنیاؤں اور رقاصاؤں کو بھی حاضر کیا جائے!"

فوجی سردار دل برداشتہ، اداس اور افسردہ و آزردہ سا اسی کنج میں غائب ہو گیا۔

اور تھوڑی دیر بعد راج کماری اور چند دوسری ناچنے گانے والیوں اور سازندوں کے ساتھ واپس آئی۔ باز بہادر راج کماری کو دیکھ کے کھڑا ہو گیا، حیرت سے بولا۔ "راجکماری! تم یہاں؟"

راج کماری کے نام پر روپ متی بھی چونک پڑی، وہ اس شوخ و شریر اور حسن کے ٹکڑے کو محویت سے دیکھنے لگی۔

راج کماری نے جواب دیا۔ "مجھے کسی طرح آپ کے اس منصوبے کا علم ہو گیا تھا، میں نے سوچا کہ اگر حضور اپنی مرضی سے اپنے ساتھ ہمیں لے جانا چاہتے تو کیا ہوا، ہم ملازمین کا یہ فرض ہے کہ حضور کی خدمت گزاری میں حکم کا انتظار کیے بغیر ہی پیش پیش، دو قدم آگے رہیں۔"

راج کماری سامنے بیٹھی ہوئی روپ متی کو غور سے دیکھنا چاہتی تھی، لیکن ہمت نہیں پڑ رہی تھی، بس کنکھیوں سے دیکھ دیکھ کے رہ جاتی تھی۔

باز بہادر نے طائفے کو حکم دیا۔ "تم لوگ ذرا دور ہٹ کے بیٹھ جاؤ!" پھر راج کماری سے کہا۔ "تم آگئیں بہت اچھا کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ موقع ہمیں خود بخود ہاتھ آگیا ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہارا روپ متی سے مقابلہ ہو جانا چاہیے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

راج کماری نے عرض کیا۔ "بندی کا بھی یہی خیال ہے۔ گو میں یہاں اس لیے ہرگز نہیں آئی تھی۔"

باز بہادر نے روپ متی سے کہا۔ "روپ متی! میں نے رقص و موسیقی کے جس مقابلے کا ذکر کیا تھا، یہ راج کماری ہیں! انھی کے فن سے تمہیں مقابلہ کرنا ہے۔"

روپ متی نے ایک نگاہِ غلط انداز سے راج کماری کو دیکھا اور آہستہ سے جواب دیا۔ "مقابلہ، حضور فرمائیں گے تو ہو جائے گا ورنہ میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے ذاتی طور پر بالکل پسند نہیں۔"

باز بہادر روپ متی کے برابر ہی بیٹھ گیا اور راجکماری حسد سے جل بھن کے کباب ہو گئی۔ اس نے پہلی بار روپ متی کو باز بہادر سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ پھولوں سے گال پر سیاہ تل عجیب بہار دے رہا تھا۔ خمار آلود آنکھوں کو کاجل کی لکیر نے اور زیادہ نشیلی بنا دیا تھا۔ ہنستی تو موتیوں کی لڑی جیسے دانت نور سا بکھیر دیتے۔ ہونٹوں سے ہنسنے کا انداز یوں جھلکتی تھی گویا کسی جام میں شراب انڈیلی جا رہی ہو۔ بات کرتے میں چنے تلے الفاظ استعمال

باز بہادر نے فوجی سردار کو حکم دیا۔ "تم اپنے سپاہیوں میں واپس جاؤ اور خبردار جو کسی کو ادھر آنے دیا۔"

فوجی سردار ادب سے سر جھکا کے واپس چلا گیا۔ باز بہادر نے کنیزوں اور خدمتگاروں کو حکم دیا۔ "کھانے پینے کا سامان لگایا جائے!"

حکم کی فوراً ہی تعمیل کی جانے لگی۔

شراب کا دور چلا، طبلے پر تھاپ پڑی، گھنگرو چھنکے۔ پتلی پتلی کمر والی نازک اندام رقاصائیں سبزے پر تھرکنے لگیں۔ یہ چار کی ایک ٹولی تھی اور ان کے مقابل چار گانے والیوں نے ایک درد بھرا گیت چھیڑ دیا۔ سازندوں نے سازوں سے آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ کنیزیں جام بدست آگے بڑھیں اور باز بہادر اور روپ متی کے آگے دو زانو ہو کے بیٹھ گئیں۔ باز بہادر نے ایک ہاتھ سے جام پکڑا اور دوسرے سے روپ متی کا شانہ دبایا، روپ متی کھسک کے باز بہادر کے پہلو میں پہنچ گئی۔ راج کماری رشک و حسد سے یہ سب دیکھتی رہی۔ باز بہادر نے راجکماری کے دل میں اٹھنے والے طوفان کا اندازہ لگا لیا، باآوازِ بلند اسے پکارا اور ہاتھ کے اشارے سے قریب بلایا۔ راج کماری آ کر باز بہادر کے بائیں طرف بیٹھ گئی۔ باز بہادر نے ہاتھ کا جام راج کماری کے ہونٹوں سے لگا دیا، بولا۔ "تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھی تھیں؟"

راج کماری نے جلے بھنے لہجے میں جواب دیا۔ "حضور کی مرضی اور حکم کے بغیر اٹھ کے یہاں کیسے آجاتی!"

"واہ، تمہیں بھی کسی حکم کی ضرورت رہتی ہے!" باز بہادر نے اپنا جام راج کماری کے ہاتھ میں تھما دیا اور ہتھیلی میں اس کی ٹھوڑی لے کر نہایت سرمستی سے کہا۔ "میں فن کا قدردان ہوں اور تم ایک باکمال فن کارہ ہو، میں تم سے محبت کرنے پر مجبور ہوں۔"

روپ متی یہ سب اس طرح دیکھ رہی تھی گویا وہ بے جان پتھر تھی اور اس پر کسی بات کا اثر ہی نہ ہو رہا ہو۔

راج کماری نے شوخی سے کہا۔ "حضور کے آس پاس فن کار ہی فن کار ہیں۔ حضور کو ان فنکاروں میں کچھ اور خصوصیات بھی دیکھنی چاہئیں کیونکہ ان کا لحاظ کیے بغیر حضور صحیح قدردانی نہیں فرما سکتے۔"

"مثلاً؟ وہ کون سی خصوصیات ہیں؟"

روپ متی ساکت و صامت اس شریر اور فتنہ جو کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔

راج کماری نے عرض کیا۔ "فن کار کی ذہانت، طباعی، شوخی اور دل جیتنے کے طور طریق اور ناز و انداز محض فن ہی تو کوئی چیز نہیں!"

باز بہادر نے بے ساختہ راج کماری کو چمٹا کے پیار کر لیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ روپ متی کی طرف مڑا اور اسے چمٹانا چاہا تو وہ کھسک کے ذرا دور ہٹ گئی۔ باز بہادر کو شبہ ہوا کہ راج کماری سے بات چیت اور بوس و کنار شاید روپ متی کو گراں گزرا ہے اور حسد سے دور ہٹ گئی ہے۔ اس نے روپ متی کو پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ دور ہی سے بولی۔ "ابھی نہیں، فدا صبر، جب نربدا ماندو سے ہو کے بہنے گی اس وقت۔ اس وقت تک ان سب سے دل بہلائیں۔"

باز بہادر نے خوشامدانہ درخواست کی۔ "روپ متی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ حد سے تجاوز نہیں کروں گا۔ میں تم سے ہم آغوش ہونا چاہتا ہوں بس، اور کچھ نہیں۔"

روپ متی نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی محبت اور چاہت سے خلوت میں نوازیے گا، محفل کے لیے یہی لوگ کافی ہیں۔ آپ مجھے ان عامیوں میں نہ شامل فرمائیں!"

اس چوٹ سے راج کماری تلملا کے رہ گئی۔ بولی۔ "اگر اتنا ہی بچنے و بچے رکھنا تھا تو ناچ گانے کا فن ہی کیوں حاصل کیا تھا؟"

روپ متی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اور میں پوچھتی ہوں کہ اگر تمہیں اس فن کو اس طرح ذلیل و رسوا ہی کرنا تھا تو تم نے اسے سیکھا ہی کیوں تھا؟"

راج کماری نے کہا۔ "راج دربار میں ایسی باتیں خلافِ ادب کہلاتی ہیں۔"

روپ متی نے جواب دیا۔ "میں نے اس لائق اور شریف حکمراں سے اس بات کا پہلے ہی عہد لے لیا ہے کہ میں اس وقت تک اس کی نہ ہو سکوں گی جب تک نربدا ماندو سے ہو کے نہ بہنے لگے۔"

راجکماری نے استفسار طلب نظروں سے باز بہادر کی طرف دیکھا۔ باز بہادر نے کہا۔ "روپ متی صحیح کہتی ہے، میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے اور کبھی بھی اسے اس کی مرضی کے خلاف اسے مجبور نہ کروں گا۔"

راج کماری ہمت ہار بیٹھی۔ روپ متی مسکرانے لگی۔

باز بہادر نے ایک بار پھر جام ہاتھ میں لے کے منہ سے لگا لیا۔

دیر تک رقص و موسیقی ہوتی رہی لیکن چوٹ کھائی ہوئی راج کماری کا ان سب میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ باتوں میں روپ متی سے شکست اٹھا چکی تھی لیکن رقص و موسیقی میں اسے شکست دے دینا چاہتی تھی۔ کافی دیر بعد اس نے بے زاری سے کہا۔ "حضور والا! میں روپ متی سے مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔ اس لیے اس مقابلے کا فوراً ہی انتظام کیا جائے۔"

باز بہادر نے روپ متی کی طرف دیکھا۔ وہ انجان سی بن گئی۔

راج کماری کھڑی ہو گئی اور ٹھنک کے بولی۔ "آخر یہ پس و پیش کیوں؟"

روپ متی نے باز بہادر کو مخاطب کیا۔ "میں کچھ سنانا چاہتی ہوں اس لیے سازندوں کو ذرا قریب بلا لیا جائے۔"

راج کماری نے کہا۔ "تو گویا اس مقابلے کا آغاز گانے سے ہوگا، موسیقی سے!"

روپ متی بدستور انجان بنی رہی، بولی۔ "میرا اپنا کلام ہے اور لے میں نے کل رات ہی موزوں کیا ہے۔"

باز بہادر نے شوق کا اظہار کیا، بولا۔ "تم شروع کرو۔"

سازندے قریب آ گئے۔ روپ متی نے گلا صاف کیا اور گنگنانا شروع کیا۔ پھر یہ آواز بتدریج ابھرنے لگی۔

روپ متی کے پرمعنی اشعار اور آواز کا سوز، دونوں نے مل کے سننے والوں کے دلوں کو مغموم کر دیا تھا۔ دھن بھی بڑی المناک تھی۔ سامعین کے دل بھر آئے اور دل ہی دل میں راج کماری کو بھی اس کی شاعرانہ خوبی اور موسیقی پر باکمال دسترس کا قائل ہونا پڑا اور باز بہادر کی تو کیفیت ہی کچھ اور تھی، اب روپ متی کے علاوہ اس کے دل میں کسی اور کے مستقل بس جانے کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

روپ متی کے گا چکنے کے بعد محفل پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ روپ متی نے ساڑی کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھیں تب باز بہادر اور حاضرین محفل کو یہ معلوم ہوا کہ وہ خود بھی رو رہی ہے۔ باز بہادر نے کسی شرم و لحاظ کے بغیر ہی روپ متی کو آغوش میں لے لیا اور رومال سے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ "ارے اس میں رونے کی کیا بات ہے روپ متی؟ تم ناامید نہ ہو، اندر سے میرا دل بار بار یہی کہتا ہے کہ ہم دونوں بہت جلد ایک ہو جائیں گے۔"

راج کماری نے منہ پھلا کے دریافت کیا۔ "اجازت ہو تو میں گیت شروع کروں؟"

روپ متی نے آہستہ سے کہا۔ "باز بہادر! مجھے معاف کرنا کہ میں تکلف ختم کر کے تمہارا نام لے رہی ہوں۔"

باز بہادر نے خوش ہو کے کہا۔ "میں خوش ہوں کہ تم نے تکلف ترک کر دیا ہے!"

راج کماری نے پھر ذرا جھنجلائے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ "کیا پوری محفل میں سب کو نظر انداز کر کے کسی ایک کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لینا آدابِ محفل کے خلاف نہیں ہے؟"

باز بہادر نے ذرا ترشی سے کہا۔ "یہ میری محفل ہے، باز بہادر کی، ایک بادشاہ کی محفل۔ کیا تمہیں بادشاہوں کی محفل میں اٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے کے آداب نہیں سکھائے گئے؟"

راج کماری سہم سی گئی۔ روپ متی نے راجکماری کی وکالت کی، بولی۔ "ایک طرف تو آپ بادشاہت سے بیزار اور متنفر نظر آتے ہیں، دوسری طرف شاہی محفلوں کے آداب اور طور طریق کی بات کرتے ہیں۔ آخر یہ تضاد کیوں؟"

باز بہادر نے کہا۔ "روپ متی! تم بھولے پن سے کہہ رہی ہو۔ راج کماری تم سے مقابلے پر آنا چاہتی ہے۔"

روپ متی نے کہا۔ "تو آپ اس سے کیوں الجھ رہے ہیں؟ اس کا میں خود مقابلہ کروں گی۔" پھر دریافت کیا۔ "ہاں ذرا ایک بات کی اسی وقت وضاحت فرما دیجیے۔"

باز بہادر نے کہا۔ "پوچھو!"

"کیا آپ واقعی مجھے دل و جان سے چاہنے لگے ہیں؟"

"ہاں! بالکل، تم شبہ کیوں کر رہی ہو اس بات میں؟"

"میں شبہ نہیں کر رہی ہوں، ایک بات پوچھ رہی ہوں۔"

باز بہادر نے کہا۔ "جس طرح کہو میں یہ یقین دلانے کو تیار ہوں کہ میں تمہیں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔"

روپ متی نے کہا۔ "کیا میں مالوے کی رانی بن سکتی ہوں؟"

"مالوے کی رانی بن سکتی ہو کیا معنی بلکہ اب بھی ہو۔" باز بہادر نے کہا۔ "اس وقت جو رکاوٹ بھی ہے تمہاری طرف سے ہے۔ تم آج آمادہ ہو جاؤ میں تمہیں اسی وقت اپنانے کو تیار ہوں۔"

روپ متی نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو راجکماری سے کہیے گیت شروع کرے۔"

باز بہادر نے راجکماری کو حکم دیا۔ "گیت شروع کرو۔"

راج کماری کھنچی کھنچی، کشیدہ سی اپنی جگہ پر سنبھل کے بیٹھ گئی۔ سازندوں نے

ساز سنبھالے اور راج کماری گلا صاف کرنے لگی۔

وہ بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہی تھی۔ آواز، دھن اور حسبِ حال گیت نے ایک سماں سا طاری کر دیا۔ وہ اپنے گیت میں کہہ رہی تھی۔ "میرے محبوب کا دل کسی اور پر آ چکا ہے۔ وہ مجھے جھوٹی تسلیاں دے دے کر یقین دلاتا ہے کہ میں اب بھی اس کے دل میں بسی ہوئی ہوں۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ میرا ساجن ہرجائی ہے، وہ کسی ایک کا ہو کر نہیں رہ سکتا۔ اے بھولی بھالی سادہ لوح لڑکی! ہرجائی ساجن کے التفاتِ اولین اور نوازشِ عارضی پر مت بھول، یہ چار دن کی چاندنی ہے۔"

باز بہادر اور روپ متی دونوں ہی ان اشاروں کو خوب سمجھ رہے تھے۔ گیت کے خاتمے پر خلافِ توقع روپ متی نے داد دینے کے انداز میں تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ مجبوراً باز بہادر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ روپ متی نے بے اختیار کہا۔ "راج کماری! تم واقعی ایک باکمال مغنیہ ہو۔"

راجکماری نے جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ کچھ وقفے بعد اس نے باز بہادر سے پوچھا۔ "کیا رقص کے مظاہرے کا حکم بھی عطا ہوگا؟"

باز بہادر نے روپ متی کی طرف دیکھا۔ روپ متی نے کہا۔ "اجازت ہے!"

راج کماری رقص کے لیے کھڑی ہو گئی۔ اس نے رقص کی کیفیت طاری کر لی اور ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ایک مغنیہ نے طربیہ گیت چھیڑا اور اس گیت پر راجکماری نے رقص شروع کر دیا۔ راج کماری کے تمام اعضا محوِ رقص تھے۔ بھنویں، پیشانی کی کھال، ناک، ہونٹ، پتلیاں، ہاتھ، پیر، کمر کولھے، پورا جسم ناچ رہا تھا۔ گھنگروؤں کی کھنک میں اس بلا کی ترتیب اور توازن پایا جاتا تھا کہ دیکھنے والے جھوم جھوم گئے۔ روپ متی اب بھی باز بہادر کی آغوش ہی میں تھی اور دونوں کا یہ انداز راج کماری کے دل میں آگ لگائے ہوئے تھا اور یہی وہ آگ تھی جو راجکماری کو مضطرب اور بے قرار، فن کے والہانہ اظہار پر آمادہ کیے ہوئے تھی۔

راج کماری ناچتے ناچتے شل ہو گئی اور ایک طرف گردن جھکا کے بیٹھ گئی۔

روپ متی نے داد و تحسین کی خاطر پھر تالیاں بجائیں اور باز بہادر نے اس بار پھر اس کا ساتھ دیا۔ روپ متی نے کہا۔ "راج کماری کو قریب بلا کے اس کے فن کی تعریف کیجیے اور اسے انعام و اکرام سے نواز دیے!"

باز بہادر نے راج کماری کو آواز دی۔ "راجکماری! ادھر آؤ، میرے پاس!"

راج کماری نے نظریں اوپر اٹھائیں تو پتہ چلا کہ وہ رو رہی ہے۔ باز بہادر نے حیرت سے پوچھا۔ "ارے یہ تم رو کیوں رہی ہو؟ بات کیا ہوئی؟"

راج کماری نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

روپ متی نے آہستہ سے کہا۔ "اس کی تالیفِ قلب کیجیے۔ یہ بہت غمزدہ دکھائی دے رہی ہے۔"

باز بہادر نے راج کماری کو پھر قریب بلایا۔ "راج کماری! تم میرے پاس کیوں نہیں آتیں؟"

روپ متی نے ہمدردانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔ "راجکماری! تم قریب تو آؤ!"

راج کماری نے نفرت سے جواب دیا۔ "میں اس صورت میں تم دونوں کے قریب ہرگز نہ آؤں گی، پہلے تم اپنی پہلی جگہ پر جا بیٹھو۔"

روپ متی، باز بہادر کی گود سے اٹھ کے اپنی جگہ جا بیٹھی، باز بہادر نے اسے روکنا بھی چاہا لیکن روپ متی نے کہا۔ "راجکماری صحیح کہہ رہی ہے، یہ محفل ہے اور محفل میں ان باتوں کا خیال رکھنا ہی چاہیے۔"

راج کماری آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی باز بہادر کے بائیں طرف آکے بیٹھ گئی۔

باز بہادر نے راج کماری کی طرف منہ کر کے پوچھا۔ "کیا تمہیں میری محفل میں یہ باتیں زیب دیتی ہیں؟" راج کماری کے بجائے روپ متی نے جواب دیا۔ "راج کماری کے دکھی دل پر مرہم رکھنے کی ضرورت ہے، ہمیں طنز و تشنیع اور تحکمانہ اندازِ گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

باز بہادر نے روپ متی کے فراخ دلانہ رویّے سے متاثر ہو کے کہا۔ "روپ متی! تم دیوی ہو، عظیم دیوی، رحم و مروّت، محبت و ہمدردی کی دیوی اور تمہارے یہ اوصاف کسی کے دل کو جیتنے کے لیے بہت طاقت ور حربے ہیں، کون ہے جو ان سے بچ نکلنے کا دعوا کرے گا۔"

روپ متی نے باز بہادر سے راج کماری کی سفارش کی۔ "راج کماری نے جس کمالِ فن کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے وہ انعام و اکرام کی مستحق ٹھیرتی ہے، اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے۔"

باز بہادر نے اپنے گلے سے قیمتی موتیوں کا ہار اتار کے راجکماری کے حوالے کر دیا۔

راج کماری نے یہ ہار نہیں لیا، بولی۔ "میں نے رقص کا مظاہرہ انعام و اکرام کے لالچ سے نہیں کیا تھا بلکہ میں تم سے مقابلہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں رقص دکھا چکی، اب تمہاری باری ہے!"

روپ متی نے جواب دیا۔ "مجھے رقص سے انکار نہیں لیکن یہاں میری حیثیت وہ نہیں ہے جو غلطی سے تم اب تک سمجھتی رہی ہو، میں ضرور ناچتی لیکن اس وقت میں محض مغنیہ ہی نہیں بلکہ مستقبل کے مالوے کی رانی بھی ہوں۔"

باز بہادر نے تائید کی۔ "بے شک! میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور اس کا تم سب کے سامنے اعلان بھی کیے دے رہا ہوں کہ روپ متی مالوے کی رانی ہے!"

راجکماری نے جل کر کہا۔ "اور وہ جو ہم دونوں کے مقابلے کا فیصلہ ہوا تھا اس کا کیا ہوگا؟"

روپ متی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "راجکماری! تم ہمت اور حوصلے سے کام لو۔ میں نے جو کچھ کہا، کسی حسد یا تکبر آمیز جذبے کے ماتحت نہیں کہا، وہ ایک حقیقت، ایک واقعے کا اظہار تھا۔"

باز بہادر نے تائید کی۔ "بے شک! کیا روپ متی کا رویّہ اس کی باتوں کی تصدیق نہیں کر رہا؟"

راج کماری نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "حضور والا نے مجھ سے کچھ وعدے فرمائے تھے اگر ان کا ایفا مقصود نہیں تو وعدوں کی واپسی کا اعلان فرما کے مجھے کسی اور راج دربار میں چلے جانے کی اجازت عطا فرمائیں۔"

روپ متی نے کہا۔ "راج کماری! ہوش و حواس میں رہ کر فیصلے کرو، غصہ اور حسد انسان کی عقل اور قوتِ فیصلہ زائل کر دیتے ہیں اور ان کے زیرِ اثر صادر ہونے والے فیصلوں پر انسان ہمیشہ نادم ہوتا رہا ہے۔"

راج کماری نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اپنی بناوٹی دانشمندانہ باتوں سے میرے زخموں پر نمک مت چھڑکو روپ متی! اگر میں خوش قسمتی سے تمہاری جگہ ہوتی اور تم سے اس قسم کی باتیں کرتی تو ذرا سوچ کے بتاؤ تم کیا محسوس کرتیں؟"

روپ متی نے جواب دیا۔ "راج کماری! تم خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو، حسد کون نہیں کرتا لیکن اس حسد پر قابو ضرور پایا جا سکتا ہے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس طرح چھلکنے سے ضرور باز رہتی اور اگر ایسا بس میں نہ ہوتا تو غم اور غصے کا اظہار کیے بغیر جو کرنا ہوتا کر گزرتی۔"

باز بہادر نے جھگڑا ختم کرنا چاہا۔ "راج کماری! تم ایک منفرد اور بے بدل حسینہ ہو، بے مثل مغنیہ بھی اور بے نظیر رقاصہ بھی۔ میں تمہاری دل سے قدر کرتا ہوں، روپ متی کی باتوں کو غور

سے سن کر اُن پر عمل کرو، میرا خیال ہے اس میں تم فائدے ہی میں رہو گی، نقصان میں نہیں۔"

راج کماری نے ضدی لہجے میں کہا۔ "مالوے کے شاہی محل میں، میں بس ایک ہی شرط پر رہوں گی۔"

روپ متی نے حیرت اور تشویش سے راجکماری کو دیکھا، حاضرینِ محفل اس جھگڑے سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ باز بہادر نے کہا۔ "اپنی شرط بیان کرو!"

راج کماری نے کہا۔ "محل میں رُوپ متی اور میرا رتبہ برابر ہوگا، میں خود کو اس سے کسی طرح بھی کمتر نہیں سمجھتی۔"

باز بہادر نے کہا۔ "ایسا ناممکن ہے!"

روپ متی نے افسوس سے کہا۔ "راج کماری! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو، تم میں اور مجھ میں بڑا فرق ہے اور میں یہ اس لیے نہیں کہہ رہی ہوں کہ مجھے اپنی ذات پر بے جا ناز ہے وقت آنے پر میرے اس قول کی صداقت پوری دُنیا پر ظاہر ہو جائے گی۔"

راج کماری نے اٹل لہجے میں کہا۔ "میں نے جو شرط عاید کی ہے، اسی پر مالوے میں رہ سکتی ہوں ورنہ کسی اور دربار کا رخ کروں گی۔"

باز بہادر نے غصے میں کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ مالوے کو اپنی مرضی سے چھوڑ سکتی ہو؟ میں تمہیں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا۔"

راج کماری نے خوفزدہ ہو کے کنکھیوں سے باز بہادر کی طرف دیکھا۔

روپ متی نے اس کی ہمت بڑھائی۔ بولی۔ "یہ راگ رنگ کی ایک بے تکلف محفل ہے اور شریکِ محفل جملہ افراد کو ایک خاندان کے لوگوں کی طرح آزادانہ بات چیت کا حق حاصل ہونا چاہیے۔"

باز بہادر نے کسی قدر نرم ہو کے کہا۔ "خاندان میں بھی درجے اور مراتب ہوتے ہیں اور وہاں بھی حفظِ مراتب کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔"

روپ متی نے کہا۔ "راج کماری نے جو کچھ کہا ہے اس میں اس کا یہ ناز شامل ہے کہ مالوے کا حکمران اس سے کچھ وعدے کر چکا ہے ورنہ محفل میں دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ وہ راج کماری کی طرح اپنی زبانیں نہیں کھول سکتے۔"

باز بہادر نے بے بسی سے روپ متی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا، بولا۔ "روپ متی! تمہاری حکمت و دلیل آمیز باتیں مجھے لاجواب کر دیتی ہیں۔ تم ایک ایسی لڑکی کی وکالت کر رہی ہو جو تمہاری ہمسری کی دعوے دار ہے!"

روپ متی نے راج کماری کو مخاطب کیا۔ "راج کماری! تم مالوے میں بے خوف و خطر

رہو اور اس یقین کے ساتھ رہو کہ میں ہمیشہ تمہاری معاون و مددگار رہوں گی۔" یہ کہتے کہتے اس نے ایک نظر باز بہادر کو دیکھا اور گردن جھکا کے بولی۔ "راج کماری! ہم میں اور تم میں ایک بنیادی فرق ہے۔ تم نے مالوے کے بادشاہ باز بہادر کے بجائے اس کی دولت اور اقتدار سے محبت کی ہے، تم مالوے کی رانی بننا چاہتی ہو اور جیسے کہ مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ تم اپنے مقصد میں ناکام رہو گی، باز بہادر اور مالوے کو چھوڑ کے کہیں اور چلی جانا چاہتی ہو۔"

راج کماری نے تلملا کے روپ متی کو دیکھا اور پوچھا۔ "اور تم؟ تم کیا چاہتی ہو؟"

روپ متی نے جواب دیا۔ "میں باز بہادر کو چاہتی ہوں۔ مجھے رانی بنا کے رکھیں یا کنیز بنائیں، میں ہر حال میں ان کے ساتھ رہوں گی۔ مجھے دولت و اقتدار سے کوئی دلچسپی نہیں، میں محبت کی بندی ہوں، محبت کی غلام، جب تک یہ ہے میں زندہ ہوں، جب یہ مر جائے گی، میں بھی مر جاؤں گی۔"

راج کماری نے کھسیانی ہنسی سے کہا۔ "تمہاری باتوں پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مالوے کے بادشاہ کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ بڑی پُر اثر اور سحر انگیز باتیں ہیں!"

باز بہادر نے راجکماری کو حکم دیا۔ "راج کماری! تمہیں روپ متی کا احترام کرنا چاہیے کیونکہ وہ تمہارا احترام کرتی ہے، اس نے تمہارا دفاع کیا ہے تم بھی اس کا خیال رکھو۔"

راج کماری چپ ہو رہی، اس ناخوشگوار فضا میں سارا مزہ کرکرا ہو کر رہ گیا تھا۔ باز بہادر نے جام بدست کنیزوں کو خدمت جاری رکھنے کا حکم دیا اور مغنیاؤں کو گانے اور رقاصاؤں کو ناچنے کا۔

پورا دن انھی سرمستیوں میں گزر گیا، روپ متی تھک کے اس کی آغوش میں سو گئی۔ مست و مدہوش باز بہادر کے دل و دماغ پر روپ متی پوری طرح قبضہ جما چکی تھی۔ وہ اس عالمِ بے خودی میں چاہتا تو روپ متی کی شرط و پیمان توڑ دیتا اور وہ سب کر گزرتا جس کے لیے اس کے دل میں امنگیں اُٹھ رہی تھیں اور سارے اعصاب کھنچاؤ اور سنسناہٹ سی محسوس کر رہے تھے۔ اس نے راج کماری سے دست درازیاں کیں، بوسے لیے لیکن ان حرکات و سکنات میں بھی اس بات کا خیال رکھا کہ کہیں روپ متی جاگ نہ جائے، اس کے آرام میں خلل نہ پڑ جائے۔

سورج مغرب میں اترتا جا رہا تھا۔ شام قریب تھی، کنج میں اندھیرا پھیلتا چلا تھا۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو میں شدت آ چلی تھی، پرند ادھر ادھر سے اُڑ کے درختوں میں جمع ہونے لگے تھے۔ ان کے چہچہانے کا انداز بتاتا تھا کہ شام زیادہ دور نہیں ہے۔ باز بہادر نے نشے میں مانندوں

والپسی کی فی الفور تیاری کی جائے !"
اور کنیزوں کو حکم دیا۔ "
سازندوں نے سازوں پر غلاف چڑھانا شروع کیا اور کنیزیں اشیائے خورد و نوش
سنبھالنے سمیٹنے لگیں۔ اسی عالم میں باز بہادر کا فوجی سردار بوکھلایا بھاگتا جھاڑی کے باہر
یکدم آ نکلا گیا اور وہیں سے چیخ چیخ کے باز بہادر کو خبردار کیا۔ "حضور والا! ہوشیار خبردار!
سو سوا سو لٹیروں کی ایک جمعیت نے ہم پر حملہ کر کے ہمیں بے کار کر دیا ہے، ہمارے آٹھ سپاہی
قید کر لیے گئے ہیں۔"
یا تو مقابلے میں [illegible] پھر [illegible] اس پریشان و مضطرب
[illegible] روپ متی بھی [illegible]
ماحول [illegible] سی طاری ہو چکی تھی۔ باز بہادر [illegible] سوال [illegible]
"حضور والا، کچھ پتہ [illegible] فوجی سردار نے جواب [illegible]
تو وہ بھاگ نکلے ہیں۔"
"وہ چاہتے کیا ہیں ؟" باز بہادر نے سوال کیا۔
"چاہتے کیا ہیں بس یہی لوٹ مار۔ اور کیا چاہتے ہیں۔ حضور والا کسی طرح سے جلد از جلد یہاں
سے چلے جائیں ورنہ لاعلمی میں خدا جانے کیا پیش آجائے۔"
باز بہادر [illegible] افسوس سے کہا۔ "[illegible] میں تنہا اپنی جان لے کر کیوں بھاگ جاؤں، روپ متی
کو کس کے حوالے کروں، مراج تمہاری کہاں جائے گی اور یہ دوسرے لوگ کیا کریں گے ؟"
روپ متی جاگ چکی تھی۔ وہ بہت جلد سارا معاملہ سمجھ گئی۔ اس نے باز بہادر سے کہا۔
"میری فکر نہ کریں مجھے تو آپ کی خدمت کرنی ہے اور خدمت گار کا کوئی خاص مقام ہی کہاں اور اس
میں جو آپ کی خدمت کر سکتی ہوں یہ ہے کہ کسی طرح فرار ہو جانے میں آپ کو مدد دوں !"
فوجی سردار نے پھر کہا "حضور والا ! وہ یہاں پہنچنے ہی والے ہیں، خدا کے لیے آپ یہاں سے
فرار ہو جائیں !"
باز بہادر کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا "میں اپنے ساتھ ہتھیار بھی نہیں لایا [illegible]
اپنی تلوار مجھے دینا پسند کرو گے ؟"
"بہ شوق، یہ لیجیے !" فوجی سردار نے اپنی تلوار باز بہادر کے حوالے کر دی۔ اسی وقت کہیں
سے بہت سارے آدمیوں کے بھاگنے اور دوڑنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فوجی سردار نے
سنبھال لیا۔ باز بہادر اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ روپ متی کا ہاتھ کلائی سے پکڑ کر کھینچتا ہوا
گھوڑے کی طرف لے گیا۔ وہ اسے گھوڑے کی پشت پر چڑھانا ہی چاہتا تھا کہ بیس پچیس آدمی

ڈھاٹا باندھے باز بہادر کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں بھی تھیں اور نیزے بھی۔ ڈھاٹوں کی وجہ سے ان کی شکلیں نہیں نظر آتی تھیں۔ ان لٹیروں میں سے کسی نے اپنے ساتھیوں کو للکار کے حکم دیا۔ "ان عورتوں کو اپنے قبضے میں کر لو اور سامان لوٹ لو۔"

باز بہادر اس وقت تک روپ متی کو گھوڑے کی پشت پر بٹھا کے اس کے پیچھے خود بھی بیٹھ چکا تھا لٹیروں میں سے کسی نے ان دونوں کو دیکھ لیا اور دور ہی سے چیخ کے ساتھیوں کو مطلع کر دیا۔ "دوستو! اپنا بڑا شکار تو وہ رہا جو بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھو خبردار جو اسے بچ نکلنے دیا گیا !"

کئی آدمیوں نے باز بہادر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ باز بہادر نے تلوار سونت لی۔ کسی نے دور ہی سے حکم دیا۔ "لوگو باز بہادر کا احترام کرو، یہ مالوے کا بادشاہ ہے، کیا تم اسے پہچانتے نہیں ؟"

کسی جانی پہچانی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر اس شخص کو تلاش کرنے لگا لیکن وہ سامنے نہیں آیا۔ اسی عالم میں باز بہادر کو ایک ایسے شخص کی جھلک بھی دکھائی دی کہ باز بہادر حیران و ششدر رہ گیا۔

باز بہادر نے لٹیروں کو حکم دیا۔ "خبردار جو تم ان عورتوں کے ساتھ بے ہودگی سے پیش آئے !"

کسی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "خوب! ذرا عقل تو دیکھو کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ اس کی عورتوں سے ذرا سی بے تکلفی سے پیش آئے تو یہ شخص ہمیں کوئی سزا دے بیٹھے گا !"

ان لوگوں نے باز بہادر کا ساز و سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ باز بہادر نے گانے والیوں سے کہا۔ "تم لوگ یہاں سے فوراً بھاگ نکلنے کی کوشش کرو !"

لیکن لٹیروں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔ باز بہادر تلوار لے کر ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا "موذیو! میں آ گیا ہوں، اب تم بچ کر کہاں جاؤ گے ؟"

اسی لمحے لٹیروں کا سردار بھی وہاں پہنچ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا "کیا تمھیں یہ عورتیں پسند ہیں۔ اگر پسند ہیں تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ انھیں بھی اپنے ساتھ لے چلو، ان کے ناچ گانے سے بھی مزہ حاصل کرو اور عیش بھی کرو !"

لٹیروں کے سردار کی آواز نے باز بہادر کو بہت مایوس اور پریشان کر دیا۔ [illegible] کو مخاطب کر کے کہا "اب میں نے تمہیں پہچان لیا ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ اب ڈھاٹے میں منہ چھپانے سے کچھ بھی حاصل نہیں۔"

لٹیروں کے سردار نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ مالوے کا بادشاہ باز بہادر ہے، یہ بڑی مشکل سے تمہارے قبضے میں آیا ہے، بولو تم اس سے کس قسم کا سلوک کرنا چاہتے ہو ؟"

کسی لٹیرے نے جواب دیا "بہت برا کیونکہ اس نے عیش و عشرت میں ڈوب کے ہمیں دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے !"

باز بہادر نے محسوس کیا کہ اس وقت جرأت و بہادری دکھانے کا موقع نہیں ہے۔ وہ تنہا تھا۔

اور لٹیروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ روپ متی نے آہستہ سے کہا "اس وقت تو کسی طرح بچ نکلنے کی ضرورت ہے۔ لڑنے بھڑنے کی کوئی ضرورت نہیں!"

راج کماری اور دوسری عورتیں گریہ وزاری کر رہی تھیں اور سازندوں کا خوف سے بہت برا حال تھا۔ باز بہادر کے دس نفری دستے کا سردار نیزا سنبھالے اس کے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔

لٹیروں کی تعداد میں دم بہ دم اضافہ ہو رہا تھا، انھوں نے باز بہادر کے علاوہ سبھی کو اپنے نرغے میں لے لیا، باز بہادر ان کے رویے پر حیران تھا لیکن وہ یہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ اس پر کسی لمحے بھی حملہ ہو سکتا ہے، اس کے بھاگ نکلنے کی راہیں تقریباً مسدود ہو چکی تھیں اور اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے اچانک بھاگ نکلنے کی کوشش کی تو لٹیرے تیروں سے مار گرائیں گے۔ اس نے اپنے وفادار سردار کو اپنے قریب بلایا اور اس سے کہا "تم ان لٹیروں سے پوچھو کہ یہ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

سردار نے لٹیروں کے سردار سے پوچھا "جیسا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تمھارے بادشاہ باز بہادر ہیں، وہ پوچھ رہے ہیں کہ آپ لوگ ان سے کیا چاہتے ہیں؟"

لٹیروں کے سردار نے جواب دیا "ہمیں تمھارے بادشاہ کا سامان درکار ہے اور سامان کے ساتھ یہ عورتیں بھی!"

باز بہادر نے سوال کر دیا "کون سی عورتیں؟ کیا سبھی؟"

جواب ملا "ہاں سبھی لیکن بادشاہ کی ہمرکاب عورت سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔"

باز بہادر نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے روپ متی کو ان وحشیوں سے بچا لیا لیکن روپ متی نے آہستہ سے کہا "اور حضور والا! راج کماری! راج کماری کو بھی ان سے مانگ لیجیے!"

باز بہادر نے بے بسی سے کہا "یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ راج کماری کو میرے حوالے کرتے ہیں یا نہیں!"

روپ متی نے کہا "آپ کہیے تو سہی۔"

باز بہادر نے اپنے سردار سے کہا "تم ان سے کہو کہ وہ ایک لڑکی راج کماری کو بھی میرے حوالے کر دیں۔"

ادھر سے فراخ دلانہ جواب ملا "بہ شوق جس لڑکی کو بادشاہ چاہیں اپنے ساتھ لے جائیں اور ایک وعدہ کرتے جائیں۔"

باز بہادر نے پوچھا "کیسا وعدہ؟"

لٹیروں کے سردار نے جواب دیا "جیسا فراخ دلانہ سلوک بادشاہ سے ہم کر رہے ہیں۔ ویسے ہی سلوک کی بادشاہ سے ہم بھی توقع رکھتے ہیں!"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ بادشاہ محل جا کے اس علاقے کی آبادیوں پر ظلم و جور نہ ڈھائیں۔"

باز بہادر نے کہا "وعدہ۔ اور کچھ؟"

لٹیروں کے سردار نے کہا "اور یہ کہ ہم میں سے کسی کو اگر بادشاہ سلامت نے پہچان بھی لیا ے تو بعد میں اس پر ظلم و زیادتی نہ کی جائے۔"

باز بہادر کو یہ ماننے میں تامل ہوا تو لٹیروں کے سردار نے افسوس سے کہا "اگر حضور یہ شرط ں مانتے تو ہم بھی رو رعایت نہ کرنے پر مجبور ہیں!"

اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

روپ متی نے باز بہادر سے کہا "عفو و درگزر بادشاہی اوصاف ہیں، آپ کو لٹیرے ار کی بات مان لینی چاہیے!"

باز بہادر نے لٹیرے سردار کو اپنے قریب بلایا اور کہا "جب ہم دونوں میں ایک قسم کا عہد ن ہی ہونا ہے تو کیوں نہ یہ عہد و پیمان براہِ راست ہو!"

لٹیرے سردار نے آواز بدل کے بات کرنے کی کوشش کی "ہمیں منظور ہے!"

باز بہادر نے کہا "تم مجھے ایک بہادر انسان دکھائی دیتے ہو!"

لٹیرے سردار نے جواب دیا "حضور کی ذرہ نوازی ہے۔"

"اگر بہادر ہو تو اپنی بات کا پاس بھی کرو گے؟"

"بے شک۔ اس میں کیا شک ہے!"

باز بہادر نے کہا "آؤ ہم دونوں بہادروں کی طرح عہد و پیمان کریں، تم مجھ سے یہ وعدہ ـگے کہ تم روپ متی اور راج کماری کے علاوہ میرے سارے ساز و سامان اور عورتوں کو قبضے میں ـرکھیں چلا جانے دو گے اور میں تم سے یہ وعدہ کروں گا کہ میں یہاں سے چلے جانے کے بعد تمھارے ـث کوئی منتقمانہ کارروائی نہیں کروں گا۔"

لٹیروں کے سردار نے کہا "مجھے اس سے اتفاق ہے!"

"یہ معاہدہ تحریری ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"معاہدے پر دستخط ہم دونوں اپنے اپنے خون سے کریں گے" باز بہادر نے معاہدے آخری شق بھی بیان کر دی۔

اس پر مخاطب سردار کو کچھ تامل ہوا مگر پھر حامی بھر لی۔

اسی وقت معاہدہ تیار ہوا اور دونوں نے باری باری معاہدے کی عبارت پڑھ کر

اپنے اپنے خنجر ہاتھ میں لے لیے۔ باز بہادر نے پھرتی سے آگے جھک کے لٹیرے سردار کی ہتھیلی میں خنجر کی نوک اتار دی اور مسکراتا ہوا بولا "اب اس خون سے معاہدے پر دستخط کردو!"

اسی خنجر سے باز بہادر نے اپنی بائیں ہتھیلی میں شگاف کیا اور پھر دونوں نے اپنے اپنے خون سے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

دستخط کے بعد باز بہادر کے چہرے پر بشاشت تھی، خوشی تھی، ایک قسم کی فتح مندی کا احساس تھا تو دوسری طرف لٹیروں کے سردار کے چہرے پر فکرمندی اور تشویش کے آثار تھے۔ اپنے مفتوح ہونے کا تاثر تھا۔

باز بہادر نے راج کماری اور اپنے دس نفری دستے کے سردار کو ساتھ لیا اور مسکراتے ہوئے لٹیروں کے سردار کو الوداعی سلام کیا اور سارنگ پور روانہ ہو گیا۔

اس واقعے کا باز بہادر پر کئی دن تک اثر رہا۔ راج کماری اپنے عزیزوں کے پکڑے جانے پر دوران بہت ملول رہی لیکن تیسرے دن یہ لوگ خود بخود باز بہادر کے پاس پہنچ گئے اور انھوں نے لٹیروں کے حسن اخلاق کی بڑی تعریفیں کیں، کنیزیں اور خدمت گار بھی لٹیروں کے نرم اور محبت آمیز سلوک کے بڑے مداح تھے۔ روپ متی حیران تھی کہ آخر یہ کیسے لٹیرے تھے اور ان کا اس حرکت سے مقصد کیا تھا۔ باز بہادر مسکرا کے کہتا "میں نے ان کے سردار کو پہچان لیا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ میرے خوف سے کیا ہے!"

باز بہادر ایک بار پھر رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا۔ روپ متی کی قربت اور اس پر دو... کا احساس اسے بے حد پریشان رکھتا تھا۔ خود روپ متی بھی اس صورت حال سے بہت تنگ آ گئی تھی، راج کماری حیران تھی کہ آخر یہ چکر کیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے کے باوجود الگ الگ ہیں، وہ روپ متی کو اب بھی ناپسند کرتی تھی اور اس دوری اور علیحدگی کو بھی روپ متی کی شاطرانہ چالوں کا ایک حصہ سمجھتی تھی۔

باز بہادر نے روپ متی کو اپنے عشرت کدے کی جملہ رقاصاؤں، مغنیاؤں اور سازندوں کا نگران بنا دیا لیکن راجکماری اس کی اس حیثیت کو ماننے پر تیار نہ تھی۔

پوری رات رقص و موسیقی اور مے نوشی اور اختلاط میں گزارنے کے بعد صبح ہوتے ہوتے باز بہادر اداس ہو گیا۔ روپ متی پوری رات شریک محفل رہی لیکن اس نے باز بہادر کو پینے کی حد تک، حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ راج کماری نے خلوتوں کے مزے جی بھر کر لوٹے تھے۔ اس عالم میں جبکہ روپ متی باز بہادر سے دور باہر محفل میں ہوتی اور راج کماری باز بہادر کی ... اور خلوت میں جوش و خروش سے داد عیش دے رہی ہوتی تو راج کماری روپ متی کو ایک آنکھ نہ ...

خواب و خیال میں رہنے والی لڑکی سمجھ کے دل ہی دل میں خوب ہنستی، اس نے کئی بار باز بہادر کے روبرو روپ متی کا مذاق بھی اڑانا چاہا لیکن باز بہادر نے اسے منع کر دیا اور کہا "روپ متی ایک مثالی لڑکی ہے، میں اس کی غیبت اور برائی برداشت نہیں کر سکتا!"

راج کماری کہتی "یہ کیسی عظیم اور مثالی لڑکی ہے کہ اپنی قیمتی متاع ابھی تک آپ سے بچائے پھر رہی ہے!"

باز بہادر جواب دیتا "وہ مجبور ہے، نربدا کا دیوتا جب تک اسے اجازت نہ دے گا وہ مجھ سے اسی طرح دور رہے گی!"

راج کماری کھلکھلا کے ہنس دیتی "تب پھر اس سے کہو کہ کسی طرح نربدا کے دیوتا سے رابطہ قائم کر کے اجازت حاصل کر لے، اس طرح بے کیف اور گھٹی گھٹی زندگی گزارنے سے حاصل؟"

اذان کے ساتھ ہی محفل اجڑ گئی، پہلے باز بہادر نماز بھی پڑھ لیا کرتا تھا لیکن اب اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ سازندے، مغنیائیں اور رقاصائیں رخصت ہو گئیں۔ کافوری شمعیں فانوسوں میں روشن صبح ہونے کی منتظر تھیں، ان کی کیفیت تھکے ہارے شخص جیسی تھی روپ متی اب بھی باز بہادر کے سامنے موجود تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو محبت بھری نظر دل سے دیکھا، روپ متی نشے اور شہوت کے زیر اثر سرخ آنکھوں کی تاب نہ لا سکی۔ آنکھیں جھکا لیں۔

باز بہادر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، بولا "روپ متی تم یہ شرما کیوں گئیں؟"

روپ متی نے بے باکی سے جواب دیا "مجھے آپ کی آنکھوں سے ڈر لگتا ہے!"

"کیوں؟" باز بہادر اس کی طرف کھسک گیا۔

روپ متی نے جواب دیا "ان آنکھوں سے شیطان جھانک رہا ہے اور میں اس شیطان سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہیں رکھتی!"

باز بہادر نے اسے آغوش میں گرا لیا اور وحشت سے جھنجھوڑنے لگا "روپ متی! میں کب تک صبر کروں؟ کہاں تک صبر کروں؟ کیونکر صبر کروں؟ اب میں برداشت نہیں کر سکتا!"

روپ متی نے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جب تک نربدا کا دیوتا ہمیں ایک ہو جانے کی اجازت نہ دے دے، ہم دونوں کو صبر و احتیاط سے کام لینا ہی پڑے گا!"

"میں صبر نہیں کر سکتا۔ اب مجھ سے احتیاط نہیں ہو سکتی!" باز بہادر ہانپ رہا تھا۔

روپ متی نے بے بسی سے کہا "میں آپ کے اختیار میں ہوں، ور آپ اس اختیار سے بے شک ناجائز فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اس کے بعد اس کا جو میں کفارہ ادا کروں گی وہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہو گا!"

باز بہادر نے اس کے کپڑے پھاڑ دینا چاہے "یعنی؟ کون سا ناقابل تلافی نقصان ہو گا؟"

روپ متی نے جواب دیا "اس کے بعد میں خودکشی کر لوں گی کیونکہ اس کے علاوہ کسی اور طرح اس کا کفارہ ادا کیا ہی نہیں جا سکتا۔"

باز بہادر نے سہم کے اسے چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔
"روپ متی! میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟ میں مر جاؤں گا، میں یہ فاصلہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

روپ متی بھی رونے لگی "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس فاصلے پر خوش ہوں۔ میں خود سسک سسک کے جی رہی ہوں۔"

باز بہادر میں اتنی ہمت بھی نہ رہی کہ وہ اٹھ کر خواب گاہ میں چلا جاتا، جہاں تھا وہیں پڑ رہا، خود روپ متی بھی ایک گوشے میں جا کے دل کا بوجھ دور کرتی رہی۔ دن چڑھے باز بہادر کی آنکھ کھلی، وہ ایک خواب دیکھ کے بیدار ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھا۔ روشن دانوں سے دھوپ اندر آ رہی تھی، ایک گوشے میں اس نے روپ متی کو سوتے دیکھا۔ کافوری شمعیں دن کے اجالوں میں اپنا زور توڑ چکی تھیں۔ کنیزیں اور خدام کئی بار واپس آ کے جا چکے تھے۔ باز بہادر کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا پھر روپ متی پر ایک نظر ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا، آہستہ آہستہ چل کے روپ متی کے سرہانے پہنچا اور کھڑے کھڑے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس کے قریب بیٹھ کے بکھرے بالوں اور زر نگار شیشے کے تیور پر غور کرتا رہا۔ شراب کا ٹوٹتا ہوا خمار بڑا پریشان کر رہا تھا۔ ذرا فاصلے پر شراب اور صبوحی رکھی تھیں اس نے صبوحی کا ایک جام چڑھایا اور پھر روپ متی کے حسن و شباب میں کھو گیا۔ جب بات برداشت کی نہ رہی تو اس نے ہاتھ سے آہستہ آہستہ روپ متی کا سر سہلانا شروع کر دیا۔ روپ متی چونک کے بیدار ہو گئی اور باز بہادر کو دیکھ کر اٹھ کے بیٹھ گئی۔

باز بہادر بہت خوش تھا، بولا "مبارک ہو کہ ہماری مشکل آسان ہو گئی۔ نربدا کے دیوتا نے خواب میں اس کا متبادل حل بتا دیا۔"

روپ متی نے پوچھا "یعنی؟ کس طرح؟"

باز بہادر نے کہا "میں تمہاری دوری کا دکھ سینے سے لگا کے سو گیا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا ایک سنت میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا میں نربدا کا دیوتا ہوں، میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے اس سے التجا کی کہ اے نربدا کے دیوتا! نارائن کے لئے، شیو جی کے واسطے اور برہما کے طفیل میری مشکل آسان کر دو۔ نربدا کے دیوتا نے کہا: باز بہادر ہمیں تیری پریشانی کا علم ہے اور اس وقت اسی پریشانی کو دور کرنے آئے ہیں۔ پھر دیوتا نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور شفقت سے کہا۔ باز بہادر! عجیب بچہ ہے کہ تو نے ہماری بات کا اتنا خیال رکھا۔ روپ متی ہماری کنیا ہے، روپ متی پدمنی ہے، ایک مثالی شوہر پرست عورت، تو خوش قسمت ہے کہ وہ تجھ سے محبت کرتی ہے۔ میں نے بے تابی سے کہا: دیوتا! آخر اس محبت کا حاصل کہ میں اسے اپنا نہیں سکتا! مجھے بتاؤ کہ نربدا ماندو

سے ہو کے کب بہے گی؟ کبھی ہم دونوں ایک بھی ہو سکیں گے یا نہیں؟ دیوتا نے جواب دیا۔ باز بہادر تم آج ہی روپ متی کو لے کر ماندو چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں ریوا کنڈ نامی ایک بہت بڑا تالاب ملے گا۔ یہ تالاب ہی نہیں قدرتی چشمہ بھی ہے اور یہ ماندو میں نربدا کا قائم مقام ہے۔ تم ریوا کنڈ کے کنارے روپ متی کے لئے ایک عالی شان محل بنوا دو اور اس کو اسی میں رکھو۔ دیوتا یہ کہہ کے غائب ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ روپ متی! تم میرے خواب پر یقین کرو۔ میں دیوتا کے نام پر جھوٹ نہیں بول رہا۔"

روپ متی خاموش ٹک ٹک باز بہادر کو دیکھتی رہی۔ باز بہادر کو شبہ گزرا کہ شاید روپ متی کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا۔ اس نے نہایت جذباتی آواز میں کہا "روپ متی! تم جس کی کہو اس کی قسم کھا کے میں یہ یقین دلانے کو تیار ہوں کہ میں نے یہ خواب گھڑ کے نہیں سنایا۔ میں نے یہ خواب سچ مچ دیکھا ہے۔ تم یقین کرو۔"

روپ متی نے ہنس کے کہا "میں تمہارے خواب پر شبہ نہیں کر رہی ہوں۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ ہم دونوں کی محبت کا دیوتا کو کتنا خیال ہے کہ انھوں نے ہمارے خواب میں آنے کی زحمت گوارہ کی۔ دیوتا خواب میں میرے پاس بھی آئے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ روپ متی! مت رو، ہم نے تیری مشکل آسان کر دی ہے۔ آگے اور باز بہادر سے معلوم کر، ہم نے اسے بتا دیا ہے کہ تم دونوں کی محبت میں حائل نربدا کی دیوار کس طرح گر سکتی ہے!"

باز بہادر نے کہا "میں آج ہی ماندو جا رہا ہوں اور ریوا کنڈ کے کنارے محل کی تعمیر کا بندوبست کرتا ہوں!"

اس کے بعد وہ دونوں باہر نکلے اور ماندو جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

⊖

ماندو جانے سے پہلے اس نے دلاور خان کو بلایا، راج کماری اور روپ متی بھی حاضر تھیں۔ اس نے دلاور خان اور راج کماری کو بھی دیوتا کے خواب سے آگاہ کیا اور کہا "تم لوگ معاملات حسن و عشق اور محبت کو کوئی سفلی جذبہ سمجھتے ہو حالانکہ یہ وہ خوبی ہے جس پر دیوتا سایہ رکھتے ہیں۔"

راج کماری نے طنزاً کہا "خوب! محبت تو میں بھی کرتی ہوں لیکن دیوتاؤں کو شاید میری نسبت کا علم نہیں ہے ورنہ وہ شاید میرے سلسلے میں بھی نازل ہوتے۔"

دلاور خان نے کہا "میں محبت کی عظمت سے انکار نہیں کرتا لیکن شمشیر سناں کو [illegible] کرتا ہوں۔"

باز بہادر نے تیکھی نظروں سے دلاور خان کو دیکھا [illegible] جاتے ہو [illegible] نے تمہیں کیوں [illegible] کا بھی امتحان [illegible]

دلاور خان نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا "[illegible]"

باز بہادر نے کہا "میں مانڈو جا رہا ہوں میرے بعد تم یہاں کا خیال رکھنا! مجھے تمھاری وفاداری اور بہادری پر کبھی بھی شبہ نہیں رہا لیکن ایک بات دل میں کانٹے کی طرح چبھے جا رہی ہے۔ آج اس کا جواب طلب کروں گا۔"

دلاور خان نے مضبوط لہجے میں کہا "میں آپ کے دل کی چبھن دور کر سکتا ہوں۔ ابھی اسی وقت!"

روپ متی اور راجکماری دونوں کی سمجھ میں نہ آنے والی گفتگو غور سے سن رہی تھیں۔

باز بہادر نے اپنا سیدھا ہاتھ دلاور خان کی طرف بڑھایا اور کہا "اپنا سیدھا ہاتھ بڑھا کر مجھ سے عہد کرو کہ تم میری عدم موجودگی میں بھی میرے اور میری ناموس کے وفادار رہو گے؟"

دلاور خان نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ باز بہادر نے کہا "دلاور خان! ڈرو مت، میں تم سے اس زخم کی بابت کوئی سوال نہ کروں گا جو تمھاری ہتھیلی میں شگاف ڈال کے عہد و پیمان کے لیے ناگزیر ہو گیا تھا؟"

دلاور خان نے سیدھا ہاتھ باز بہادر کے سامنے بڑھا دیا۔ روپ متی اور راجکماری، باز بہادر اور دلاور خان کی ہتھیلیوں پر یکساں نشان دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ روپ متی نے حیرت سے پوچھا "تو وہ تم تھے دلاور خان!"

"ہاں، وہ میں تھا!" دلاور خان نے جواب دیا۔ "دراصل اس طرح میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ رنگ اور عورتوں میں ایک بادشاہ کو اتنا غافل نہیں ہو جانا چاہیے کہ اس کے دشمن جب چاہیں [illegible] تسخیر کر کے رکھ دیں۔"

باز بہادر نے افسوس سے کہا "میں جنگ جوئی سے بالکل نہیں ڈرتا لیکن بلاوجہ میدان جنگ میں کود جانا بھی پسند نہیں کرتا!"

دلاور خان نے کہا "آپ کے دشمن حکومت کی نظریں مالوے پر لگی ہوئی ہیں اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم فوجی اقدامات ہر وقت مضبوط رکھیں۔"

باز بہادر نے حقارت سے کہا "مغلوں نے اگر مالوے کا رخ کیا تو ان کا منہ پھیر دیا جائے گا!"

دلاور خان نے کہا "مجھے مالوہ عزیز ہے، آپ کا اقتدار عزیز ہے، میں آپ کا اور مالوے کا نمک خوار ہوں۔"

باز بہادر نے جواب دیا "مجھے یقین ہے، اسی لیے میں تم سے کسی قسم کی بازپرس نہیں کر رہا لیکن یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم آئندہ پھر کبھی اس قسم کا بے ہودہ اور ناخوشگوار قدم اٹھاؤ!"

دلاور خان نے سر جھکا لیا۔

باز بہادر روپ متی کو لے کر مانڈو روانہ ہو گیا۔ اس نے ریوا کنڈ کے کنارے ایک عالی شان محل کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا۔ خود مانڈو کے قلعے میں رہنے لگا اور کچھ ہی عرصے بعد مانڈو میں بھی وہ جشن ہونے لگے جو سارنگ پور میں ہوا کرتے تھے۔ یہیں راجکماری بھی پہنچ گئی اور وہ تمام سازندے

اور مغنیائیں بھی جو باز بہادر کی محفلوں کی جان کہلاتی تھیں۔ شراب کے دور چلے اور باز بہادر کا نقارۂ عشرت یہاں بھی اسی شان سے بجنے لگا جس طرح سارنگ پور میں بجا کرتا تھا۔

روپ متی کے لیے ایک شاندار محل تعمیر ہو گیا اور روپ متی اس میں منتقل ہو گئی۔ ریوا کے دیدار کی شرط پوری ہو گئی تھی۔ باز بہادر نے روپ متی کو حاصل کر لیا۔ روپ متی کی صحبت نے باز بہادر کو اور زیادہ غافل کر دیا۔ ہر وقت اس کے سامنے رہتا۔ روپ متی شاعرہ بھی تھی، باز بہادر بھی شاعری کرنے لگا۔ شاعری میں تخلص کی جگہ وہ اپنے نام کے ساتھ روپ متی کا نام بھی استعمال کرتا۔

روپ متی کے حسن سے راجکماری کے دل پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ نئے محل میں باز بہادر اور روپ متی منتقل تو ہو گئے تھے لیکن ابھی باقاعدہ کوئی جشن نہیں منایا گیا تھا۔ ناچنے گانے والیوں کے طائفے اور درباری مصاحبین جشن منانے پر مجبور کر رہے تھے۔ آخر باز بہادر بھی جشن منانے پر آمادہ ہو گیا۔ ریوا کنڈ کے کنارے جنوب کی پہاڑی پر روپ متی کا عالیشان محل خوب سجایا گیا تھا۔ اس کی روشنی میں منوں تیل کا خرچ کیا گیا۔ نہایت قیمتی رنگ برنگ فانوسوں میں موم اور کافوری شمعیں روشن کر دی گئیں۔ ایک شاندار دیوان کا سماں بندھ گیا۔ باز بہادر نے مالوے کے علاوہ پورے ہندوستان سے نامور گانے والوں کو طلب کر لیا۔

رات کے سناٹے اور دوپہر کے سکوت میں باز بہادر کہیں تنہائی میں بیٹھ کے ہندی میں اشعار موزوں کیا کرتا تھا۔ دور دور سے مہمان یہاں آ کر روپ متی کے محل میں ٹھہرتے۔ راجکماری اس عزت و احترام پر جل بھن کر رہ گئی۔

پھر جب جشن شروع ہوا تو محل کے در و دیوار جگمگا اٹھے۔ اس رات ہر طرف [illegible] باز بہادر نے روپ متی [illegible] راجکماری کو [illegible] گیت [illegible]

راجکماری نے گیت گانے کے لیے [illegible] شروع کر دیا۔ سازندوں نے ساز چھیڑے اور دلربا راجکماری نے گانا اور ناچنا شروع کیا تو رقاصاؤں نے رقص شروع کر دیا۔

کیسے ناپائیدار زمانے! کیا تو ایسی محبت پیش کر سکتا ہے جس پر دیوتاؤں کا سایہ ہو
تو مجھ سے میری ہر چیز لے لے لیکن روپ متی کو میرے پاس رہنے دے
وہ دیوتاؤں کی کنیا ہے، پہلے میں بوالہوس تھا پھر دیوتا کی اس بیٹی نے
مجھے بتایا کہ محبت کیا شے ہے؟ آج میں اس محبت سے سرشار ہوں۔
جنت کیا ہے؟ شاید کسی روپ متیوں کا ٹھکانا! لیکن اگر وہاں روپ متی
نہیں تو کچھ بھی نہیں، وہ ایک بے کیف اور اجاڑ جگہ ہو گی۔
دنیا دار اور خود غرض! وہ دنیا دار جو لوگوں کا خون چوس چوس کے
اپنا پیٹ بھرتے ہیں اور وہ خود غرض جن کی معاش کا انحصار انسان کی
نسل کشی اور خودکشی پر ہے، وہ میری محبت کا مذاق اڑاتے ہیں!

باز بہادر کی روپ متی! خدا تجھے دنیا کے آلام سے محفوظ رکھے
اور میری دعا ہے کہ میرا شباب اور میری زندگی تجھے دے دی جائیں
اور تو ہمیشہ زندہ اور جوان رہے!"

راج کماری نے یہ اس ادا سے گایا کہ حاضرین جھوم جھوم گئے۔ باز بہادر اور روپ متی مست و سرشار ایک دوسرے سے وابستہ دیر تک سال و قال میں غرق تھے۔ مختلف رنگوں کے چست لباس پہنے کنیزیں سازوں کے زیر رقص اپنا مظاہرہ دیتی رہی تھیں۔

جشن سے فراغت پانے کے بعد باز بہادر روپ متی کو خلوت میں لے گیا اور اس جشن گاہ میں مے نوشی کا نیا دور چلا، آزاد سلسلہ۔ باز بہادر کی عدم موجودگی میں حاضرین محفل کو عام اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ جی بھر کے داد عیش دیں۔ نازک اندام کنیزوں سے جام چھینے جانے لگے۔ مست و بوالہوس مے نوش کنیزوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کے اپنی گود میں گرانے لگے۔ سازندوں نے اپنے ساز ایک طرف رکھ دیئے اور اس وسیع و عریض ہال کے ایک گوشے میں حسب حیثیت رنگ رلیاں منانے لگے۔

راج کماری ان سب سے الگ تھلگ اس دروازے پر سر جھکائے بیٹھی تھی جس کے دوسری طرف باز بہادر اور روپ متی من و تو کا فرق دور کر رہے تھے۔ جشن گاہ کے کسی شخص کی اتنی مجال نہ تھی کہ وہ راجکماری سے دست درازی کرتا کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ روپ متی کے بعد راج کماری ہی کا مرتبہ ہے۔ راج کماری احساس تنہائی لیے دیر تک آنسو بہاتی رہی یہاں تک کہ جذباتی تناؤ اور ذہنی کرب و اذیت پر نیند نے غلبہ پا لیا وہ بیٹھے بیٹھے ہی دروازے سے ٹیک لگا کر سو گئی۔ صبح ہونے سے ذرا پہلے باز بہادر نے جب دروازہ کھولا تو راج کماری لڑھک کے ڈھیر ہو گئی، آنکھ کھل گئی اور اس نے نیم خوابیدہ کیفیت میں باز بہادر کا دھندلا دھندلا چہرہ دیکھا۔ باز بہادر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا بولا! "روپ متی نشے میں مست زمین پر جیسے سوئی ہے مجھے تمہارا بھی خیال تھا!"

راج کماری نے کوئی جواب نہ دیا بس شاکی نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

باز بہادر نے کہا "سوچ کیا رہی ہو راجکماری میرے ساتھ آؤ!"

باز بہادر بھی نشے میں تھا۔ راج کماری نے ساتھ جانے سے انکار کیا، بولی "جس کمرے میں روپ متی ہوگی میں نہیں جاؤں گی!"

باز بہادر نے کہا! "میں تمہیں اس کمرے سے گزار کے ایک دوسرے کمرے میں لے جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں اس کے آرام میں مخل ہوں!" اس کے بعد اس نے ہال کی مدھم روشنی میں عیش و عشرت میں غرق لوگوں پر اچٹتی نظر ڈالی اور آہستہ سے کہا "میں سب کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ زندگی سرشاری اور سرمستی کا نام ہے جہاں یہ نہیں وہاں زندگی نہیں!"

وہ راج کماری کو لے کے روپ متی کے کمرے سے ملحق ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس موقع پر راج کماری نے شکایتاً کہا "پدمنی میں ہوں یا روپ متی؟ میں نے بادشاہ کے انتظار میں پوری رات دروازے سے ٹیک لگا کے گزار دی اور اس کرب ناک علم کے ساتھ کہ بادشاہ سلامت اندر روپ متی کے ساتھ داد عیش دے رہے ہیں!"

باز بہادر نے ہنستے ہوئے راجکماری کی پیشانی چوم لی، بولا "روپ متی میں معلوم نہیں کیا چیز ہے جس نے مجھے اس کا دیوانہ بنا رکھا ہے ورنہ میرے دل میں تمہارے لیے بھی کچھ کم گنجائش نہیں ہے!"

راج کماری نے دل جلے لہجے میں کہا "حضور کو اختیار ہے جسے چاہیں اپنے من کی رانی بنا کر رکھیں اگر آپ کی جگہ میں صاحب اختیار ہوتی تو آپ دیکھتے کہ آپ کے لئے کیا کچھ کر گزرتی!"

باز بہادر نے راجکماری کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وحشت کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا "جب تمہیں اختیار حاصل ہوگا تو میں بھی دیکھ لوں گا۔ یہ ساری باتیں قبل از وقت ہیں!"

راج کماری نے تلخ و ترش باتوں سے قیمتی ساعتوں کو مکدر نہیں کیا۔ خود کو پوری طرح باز بہادر کے سپرد کر دیا اور وہ باز بہادر جس کے آباؤ اجداد اپنے طاقت ور دشمنوں کو ختم کرتے پھرتے تھے، اس نے راجکماری کو فتح کرنا شروع کر دیا۔

★

باز بہادر رنگ رلیوں میں پھنسا رہا اور آگرے کا مغل فرماں روا اکبر پورے ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب کی تعبیر میں الجھا رہا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ سوری حکومت کے خاتمے کے باوجود مالوے پر باز بہادر نامی ایک پٹھان اب بھی حکومت کر رہا ہے۔ اکبر نے مالوے کی تسخیر اپنی رضاعی ماں کے لڑکے ادھم خان آتکہ کے سپرد کر دی۔ ادھم خان آتکہ پنج ہزاری منصب رکھتا تھا اور اکبر اسے بے حد چاہتا تھا۔ دلاور خان نے مغلوں کے ارادے سے باز بہادر کو مطلع کیا تو اس نے حقارت سے کہا "مغلوں کی اتنی ہمت کبھی بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ مالوے کی طرف نظر اٹھا کے بھی دیکھ سکیں!"

دلاور خان نے تشویش سے کہا "ادھم خان لشکر لیکر چل چکا ہے اور صبح و شام ہی مالوے میں پہنچنے والا ہے!"

باز بہادر نے پیچھا چھڑانے کے انداز میں کہا "تب پھر ایسا کرو دلاور خان کہ تم مغلوں سے جنگ کی تیاریاں کرو اور جیسے ہی مغل افواج مالوے کی سرحدوں پر نمودار ہوں مجھے فوراً مطلع کر دو!"

دلاور خان نے منت کے انداز میں کہا "جنگیں اس طرح نہیں لڑی جاتیں، ان حالات میں آپ خود سارنگ پور تشریف لے چلیں۔ مالوے کی سپاہ کے سامنے آپ کا موجود ہونا بہت ضروری ہے"

باز بہادر نے دل گرفتہ لہجے میں سوال کیا "اور روپ متی کا کیا ہوگا۔ راج کماری کہاں جائے گی اور وہ تمام رقاصائیں اور مغنیائیں جو اس محل میں رہ رہی ہیں، انھیں کیا کروں؟"

دلاور خان نے جواب دیا: "اگر ان کا وجود ہم نشینی اور صحبت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے تو انھیں بھی اپنے ساتھ سارنگ پور لے چلیئے!"

دلاور خان کا مشورہ قابلِ قبول تھا، باز بہادر ان سب کو لیکر سارنگ پور پہنچ گیا۔ دلاور خان نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور باز بہادر ایک بار پھر روپ متی کی صحبت اور ہم نشینی میں سب کچھ بھلا بیٹھا وہ کبھی کبھی اپنے ہی اشعار گنگنانے لگتا۔ اس میں زمانے کی بے ثباتی کا نوحہ موجود تھا: "زمانے! تو کتنا بُرا ہے، آخر میں جب کسی کے ملک کی طرف لالچ کی نگاہ نہیں کرتا تو پھر یہ مغل مجھے ستانے کیوں آ رہے ہیں! میں نے سوچا تھا روپ متی کی زلفوں کی گھنی چھاؤں اور اس کی مدھ بھری آنکھوں کے نشے میں پوری زندگی بتا دوں گا لیکن اے زمانے تیرا بُرا ہو کر تو خوشی کے لمحات کا دشمن اور عشق و محبت کا قاتل ہے!"

مغلوں کا لشکر ادھم خان کی سپہ سالاری میں مالوے کی طرف چلا آ رہا تھا اور باز بہادر اپنے حواریوں پر تکیہ کئے بدستور رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ آخر دلاور خان نے اسے مطلع کیا: "مغلوں کا لشکر سارنگ پور سے چند کوس کے فاصلے تک آ چکا ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ حضورِ والا بھی عشرت کدے سے نکل کے ہتھیاروں سے مغلوں کا استقبال کریں!"

باز بہادر نے دلاور خان کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر پوچھا: "کیا یہ مغل ہمارے [illegible] واپس نہیں جائیں گے؟"

دلاور خان نے جواب دیا: "وہ جنگ کے بغیر بھی واپس جا سکتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ اس کی شرط یہ ہے کہ آپ مالوہ ان کے حوالے کر دیں، اپنی عورتیں ان کی تحویل میں دے دیں اور خود آپ مغل بادشاہ کی مصاحبت میں چلے جائیں!"

باز بہادر غصے میں کانپنے لگا: "ایسا کبھی نہیں ہوگا، خدا! میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مالوہ میرے زیر نگیں نہ رہا اور مغل اس پر قابض ہو گئے تو میری عورتیں انھیں نہیں ملیں گی!" پھر دلاور خان کو ذرا دیر رکنے کا حکم دے کر روپ متی کے پاس چلا گیا۔ اس نے ساری صورت حال بتا کر روپ متی سے مشورہ طلب کیا: "روپ متی! ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

روپ متی نے جواب دیا: "مقابلہ، جنگ، زندگی کی آخری سانسوں تک جنگ!"

باز بہادر نے تشویش سے سوال کیا: "اگر میں جنگ میں کام آ گیا تو تم کہاں جاؤ گی؟"

روپ متی نے جواب دیا: "یہ مجھ پر چھوڑ دو، یہ میرا مسئلہ ہے، حالات اور وقت کا جو فیصلہ ہوگا وہی میرا بھی فیصلہ ہوگا۔"

اس کے بعد وہ راجکماری سے ملا اور اس کے سامنے بھی یہی مسئلہ رکھ کے مشورہ طلب کیا۔ راجکماری نے جواب دیا: "بہتر تو ہے کہ جنگ چھیڑنے سے پہلے آپ ہمیں کسی محفوظ مقام پر بھیج دیں۔"

باز بہادر نے اس کے بعد راجکماری سے کوئی بات نہیں کی، بے وفا، زمانہ ساز کہتا ہوا دلاور

خان کے پاس چلا گیا اور اسے ایک طرف لے جا کے حکم دیا: "دلاور خان! تم میرے وفادار ملازم ہی نہیں دوست بھی ہو، جاں نثار دوست۔ جب میں مغلوں سے جنگ کروں گا اس وقت تم محل ہی میں موجود رہو گے لیکن جیسے ہی تم یہ محسوس کرو کہ میں جنگ ہار چکا ہوں، تم کسی بات کا انتظار کئے بغیر محل واپس آ کے روپ متی سمیت جملہ خواتین کو قتل کر دینا کیونکہ میں اپنی ناموس کو مغلوں کی ہوسناکی کا نشانہ نہیں بننے دوں گا!"

دلاور خان نے کوئی جواب دیئے بغیر باز بہادر کے پُرعزم چہرے کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا: "حضورِ والا کے حکم کی من و عن تعمیل ہوگی، مطمئن رہیں!"

ایک عرصے بعد باز بہادر ہتھیاروں سے لیس ہو کر مغلوں کے لشکر کے سامنے پہنچ گیا۔ کئی دنوں تک دونوں لشکروں میں معمولی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ آخر ایک دن فیصلہ کن معرکہ چھڑ گیا۔ صبح سے شام تک باز بہادر میدانِ جنگ میں ڈٹا رہا۔ مغلوں کی تجربہ کار اور کثیر فوج نے باز بہادر کی فوج کو ہراساں کر دیا۔ وہ کسی طرح بھی باز بہادر کو گرفتار کر لینا چاہتے تھے لیکن وہ نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے بچتا رہا۔ آخر جب باز بہادر نے بالکل یہ محسوس کر لیا کہ اب میدان اس کے ہاتھ سے نکل چکا تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور جاتے جاتے دلاور خان کو اشاروں میں حکم دیا: "خبردار! جو تم نے میری حکم عدولی کی، تم فوراً محل واپس جاؤ اور وہی کر گزرو جس کا میں نے حکم دیا ہے!"

دلاور خان نے تائید میں گردن ہلائی اور میدانِ جنگ چھوڑ کے محل کی طرف چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے فاتح مغل شہسوار بھی چلے آ رہے تھے۔ دلاور خان نے محل میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا اور چیخ کر کہا: "معزز خواتین! ایک خاص خبر، جلدی جلدی تشریف لائیں!"

سراسیمہ اور بے حال خواتین دلاور خان کے سامنے جمع ہونے لگیں۔ ان میں روپ متی اور دوسری خواتین بھی شامل تھیں لیکن راجکماری کا کوئی پتہ نہ تھا۔ دلاور خان نے چند لفظوں میں انھیں شکست کا اعلان سنایا اور باز بہادر کے اس فرمان کا ذکر کر دیا جس میں محل کی خواتین کی ہلاکت کا حکم دیا گیا تھا۔ عورتوں کے چہرے زرد پڑنے لگے۔ روپ متی نے چند قدم آگے بڑھ کر دلاور خان کو حکم دیا: "دلاور خان! تم ہم سے وہی سلوک کرو جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے!"

باہر مغل سپاہی دروازہ پیٹنے میں مشغول تھے، وہ بار بار چیخ چیخ کے کہہ رہے تھے: "دروازہ کھول دو، ورنہ توڑ دیئے جائیں گے!"

دلاور خان کے پاس اب وقت نہیں تھا، اس نے تلوار نیام سے نکال کر جلدی جلدی خواتین کو قتل کرنا شروع کر دیا، پھر قطار میں روپ متی کی باری آئی، دلاور خان کا ہاتھ رک گیا، بولا: "روپ متی! میں تمھیں نہیں مار سکتا!"

روپ متی نے پوچھا: "باز بہادر کہاں ہے؟"

دلاور خان نے جواب دیا: "کچھ پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔"

روپ متی نے صدمے سے آنکھیں بند کر لیں، ڈانٹ کر دلاور خان کو حکم دیا: "مجھے قتل کر دو دلاور خان! تم کیا سوچ رہے ہو؟ باز بہادر کے بعد میں زندگی کا خیال بھی نہیں لا سکتی۔"

اسی وقت مغل دروازہ توڑ کے اندر داخل ہو گئے۔ دلاور خان نے عجلت میں روپ متی پر کئی چھلتے وار کئے اور اسے ادھ مرا چھوڑ کے فرار ہو گیا۔ مغل فوج نے ان خواتین کو حراست میں لے لیا۔ ادھم خان باز بہادر کا خزانہ سمیٹنے میں مصروف رہا۔ کسی نے اسے بتایا کہ باز بہادر کی عورتیں حسن میں اپنا جواب نہیں رکھتیں اور ان میں روپ متی کے حسن کا تو واقعی کوئی جواب نہیں!"

ادھم خان کی رال ٹپکنے لگی، بولا: "اسے میرے خیمے میں پہنچا دو!"

کسی سپاہی نے جواب دیا: "وہ بہت زخمی ہے۔"

"میں اس کا علاج کراؤں گا۔" ادھم خان نے اکڑ کے کہا۔ "اور اس وقت تک اسے محل ہی میں رکھا جائے جب تک وہ اچھی نہ ہو جائے!"

ادھم خان نے روپ متی کے حسن کا اتنا چرچا سنا کہ وہ کشاں کشاں اس کے پاس پہنچ گیا۔ زخمی روپ متی کا ادھم خان سے تعارف کرایا گیا تو وہ رونے لگی۔ ادھم خان اس کے حسن کا گرویدہ ہو گیا۔ بولا: "تم رو کیوں رہی ہو؟ باز بہادر گیا تو جانے دو، تم بدستور مالوے کی رانی رہو گی۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"

روپ متی نے سکتے کے انداز میں ادھم خان کو دیکھا اور حیرت سے پوچھا: "سچ؟ کیا واقعی؟"

ادھم خان اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن روپ متی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، بولی: "مغل سردار! ابھی میں زخمی ہوں، پہلے میرا علاج کراؤ اس کے بعد میں تمہاری ہو جاؤں گی۔"

اسی لمحے کسی طرف سے راجکماری نمودار ہوئی اور بھاگتی ہوئی ادھم خان کی گود میں گر گئی، بولی۔ "اس نے اسی طرح باز بہادر کا دل جیتا تھا اور آج وہی حربہ مغل سردار پر آزما رہی ہے!" پھر ادھم خان سے کہا: "مغل سردار! تم اس شاطر اور عیار عورت کے چکر میں ہرگز نہ آنا!"

ادھم خان نے راجکماری کو سامنے کھڑا کر کے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حکم دیا: "اسے بھی میرے خیمے میں پہنچا دیا جائے!"

ادھم خان تندہی سے روپ متی کا علاج کرانے لگا۔ وہ ہر روز اس کی عیادت کو حاضر ہوتا اور دیر تک بیٹھ کے اس کی مزاج پرسی کرتا رہتا۔ آخر ایک ہفتے بعد وہ اچھی ہو گئی۔ ادھم خان نے اس کا وعدہ یاد دلایا تو روپ متی شرما گئی۔ نظریں جھکا کے بولی: "میں وعدے سے پھر تو نہیں رہی، میں کل دلہن بننے کو تیار ہو رہی ہوں۔"

ادھم خان دوسرے دن علی الصباح کنیزوں اور دوسری خواتین کے ساتھ محل میں داخل ہوا اور کنیزوں

کو حکم دیا گیا کہ روپ متی کو دلہن بنا دیا جائے۔ ان عورتوں میں راجکماری بھی آئی تھی، وہ کھنچے کھنچے انداز میں روپ متی سے ملی اور کہا: "روپ متی! میں اس بات کی آج قائل ہو گئی ہوں کہ یہ سارے کھیل قسمت کے ہیں، میرے مقابلے میں باز بہادر کا دل بھی تم نے جیتا تھا اور باز بہادر کے بعد آج اس مغل سردار کو بھی تم نے مفتوح بنا لیا ہے!"

روپ متی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "اپنی اپنی قسمت ہے، تقدیر پر کسی کا بس کہاں چلتا ہے؟"

جب سورج مغرب کی پہاڑیوں کے پیچھے چلا گیا اور سیاہ رنگ رات کی چادر اوڑھنے لگا تو ادھم خان بھی سراپا اشتیاق بن کے روپ متی کے وصال، اتصال کی رنگین اور پرکیف خواہشات کے ساتھ خلوت گاہ میں داخل ہوا۔ روپ متی زرتار اور پھولوں سے بھری ہوئی مسہری پر اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔ ادھم خان نے مسہری کے پاس لٹکتی ہوئی پھولوں کی لڑیاں ہٹائیں، اس نے کپکپاتی آواز میں کہا: "روپ متی! میں آگیا ہوں، تم جتنی حسین ہو اتنی ہی سمجھ بھی، اب باز بہادر کی جگہ مجھے اپنا غلام سمجھو۔"

لیکن روپ متی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ادھم خان نے پیار بھرے چند کلمات اور ادا کئے لیکن روپ متی نے ان کا بھی جواب نہ دیا۔ آخر گھبرا کے ادھم خان نے روپ متی کو سیدھا کیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور منہ سے کافور کی خوشبو آ رہی تھی۔ سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ادھم خان نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور ندامت سے پوچھا: "تم نے یہ کیا کیا روپ متی؟ تم نے کافور کھا کے خودکشی کر لی!"

یہ خبر آناً فاناً سارے محل میں پھیل گئی۔ کنیزیں اور خواتین اس کے آخری دیدار کو پہنچیں۔ ان میں راجکماری بھی شامل تھی۔ جب وہ روپ متی کی لاش پر پہنچی تو اس نے ایسا محسوس کیا جیسے روپ متی اپنی ادھ کھلی آنکھوں سے راجکماری سے پوچھ رہی ہے: "اب بتا راجکماری! باز بہادر کے بعد ادھم خان کی آغوش میں بیٹھ جانے والی پدمنی تو ہے یا میں؟ دیکھ میں نے ادھم خان کے بجائے موت کو گلے لگا لیا۔"

اس افسوسناک منظر سے راجکماری بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی، وہ سسکیاں لے لے کے رونے لگی۔

٭ ٭ ٭

مالوے کی حکومت چھن جانے کے بعد باز بہادر کئی سال تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ اس نے ایک بار پھر مالوے کو مغلوں سے چھین لیا، لیکن مغلوں نے اسے پھر بے دخل کر دیا۔ روز روز کی جنگ اور آوارہ گردی سے تنگ آ کر باز بہادر نے مغل فرماں روا اکبر کی اطاعت قبول کر لی اور اکبر آباد جا کے ہزاری منصب حاصل کیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اکبر نے اسے دو ہزاری

منصب عطا کر دیا۔ یہیں دلاور خاں بھی موجود تھا اور یہیں راجکماری بھی تھی۔ اس کے محل کی کتنی ہی عورتیں مغلوں کے گھروں میں پہنچ چکی تھیں۔ دل نہ چاہنے پر بھی وہ مغل دربار سے وابستہ رہنے پر مجبور تھا۔ اگر نہیں چاہتا تھا کہ وہ کہیں اور جا کے فتنہ و فساد برپا کرے لئے اپنا زیادہ وقت بادشاہ کی مصاحبت میں گزارنا پڑتا تھا۔

روپ متی اس کے دل میں اب بھی بسی ہوئی تھی اور اس کی وفاداری نے تو گویا اس کے دل میں ایک ناسور ڈال دیا تھا۔ اس بُرے وقت میں اس نے راجکماری سے دل بہلانا چاہا اور اس نے مغل بادشاہ سے راجکماری کو تحفتاً مانگ بھی لیا۔ اس دو ہزاری منصب دار کو جو محل رہنے کو ملا تھا، اس کے ایک حصے میں دلاور خاں بھی رہتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے اور گردن جھکا لیتے۔ دلاور خاں کے ساتھ اس کا خاندان بھی تھا۔ لیکن باز بہادر تنہا تھا۔ راج کماری اس کے پاس گئی بھی تو وہ پہلے دلاور خاں کی مستورات میں چلی گئی۔ تھکا ہارا، زمانے کا ستم اُٹھائے ہوئے راجکماری کے انتظار میں اس دروازے سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا جس کے دوسری طرف سے راجکماری کے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ انتظار کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی، بالکل اس دن کی طرح، جب مانڈو کے روپ متی والے محل میں راجکماری باز بہادر کا انتظار کرتے کرتے دروازے سے ٹیک لگا کے سو گئی تھی۔